خطبات آسان دین

جلد سوم



تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(البقرة : ١٨٥)

وقال النبي ﷺ: إن الدين يسر

(البخاري:٣٩)

خطباتِ آسانِ دین

جلد سوم

تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس

دار العلوم اشرفیہ راندیر، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : خطباتِ آسان دین (جلد سوم)

مؤلفہ : مولوی آصف بن اسماعیل مظاہری

(خادم التدریس دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

مرتب : حافظ محمد لقمان راندیری

(متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

کمپیوٹر کتابت : رشید احمد آچھودی +91 94286 89113

طبع اوّل : ۱۴۴۳ھ مطابق: ۲۰۲۲ء

تعدادِ صفحات : ۴۱۶

نوٹ : جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

کتاب مندرجۂ ذیل جگہوں پر دستیاب ہے۔

(۱) حافظ یمان راندیری (متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر +91 90331 72956

(۲) حافظ زبیر کاٹھیاواڑی (متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر +91 97252 55549

اِجمالی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

تفصیلی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

(۱) روزے کا مقصد تقویٰ حقیقت، اہمیت اور فوائد

(۲) روزے کے دینی و دُنیوی فوائد

(۳) رمضان المبارک کی تیّاری

(٤) رمضان ماہِ غفران

(۵) رمضان میں تلاوتِ قرآن اور چار کاموں کی کثرت

(۶) زکوٰۃ کی حقیقت، اہمیت اور فضائل

(۷) زکوٰۃ کے اہم اور بنیادی مسائل (حصّہ اوّل)

(۸) زکوٰۃ کے اہم اور بنیادی مسائل (حصّہ دوم)

(۹) زکوٰۃ کے اہم اور بنیادی مسائل (حصّہ سوم)

(۱۰) صدقۃ الفطر کی حکمت اور فضائل و مسائل

(۱۱) اعتکاف کی حقیقت وفضیلت

(۱۲) شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر

(۱۳) لیلۃ الجائزہ عظمت وفضیلت

(۱۴) عید الفطر کی حقیقت وفضیلت

(۱۵) رمضان المبارک کے بعد زندگی کیسی ہو؟

کلماتِ بابرکت

از

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد عاقل صاحب مَتَّعنَا اللهُ بِطُولِ بَقَائِه

(شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور)

بِاسمِہ سُبْحَانَہ وَتَعَالیٰ

دین کی تبلیغ واشاعت کی کوشش اور معاشرے کی اصلاح وتربیت کی فکر علما ودُعاۃ کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کا بہترین اور کامیاب ذریعہ تقریر وخطابت ہے۔

عزیزم مولوی محمد آصف گجراتی سلّمہٗ (اُستاذ دار العلوم اَشرفیہ راندیر، گجرات) جامعہ مظاہر علوم کے ایک نوجوان اور ہونہار فاضل ہیں، تقریر وخطابت کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ اِس وقت مختلف موضوعات اور مختلف مناسبتوں سے کیے گئے اپنے بیانات کا ایک مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔

اُن کے مرسلہ بیانات کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ سلامتیٔ فکر کے ساتھ ساتھ علمی لطائف اور نکات پر بھی موصوف کی نظر ہے، معاشرے کی دینی ضروریات اور تقاضوں سے بھی واقف ہیں، اور پھر اپنی بات پیش کرنے کا اچھا سلیقہ بھی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم سلّمہٗ کی اس کاوِش کو شرفِ قبول عطا فرما کر ترقیٔ دارین کا ذریعہ بنائیں اور اُن کے بیانات کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

وَصَلَّى اللهُ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ، وَعَلىٰ آلِه وَأَصْحَابِه أَجْمَعِينَ. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

محمد عاقل غفرلہٗ

۲ر جمادی الاولیٰ ر ۱۴۴۳ھ

کلماتِ تائید وتوثیق

از

حضرت اقدس مولانا محمد خیر محمد مکی حجازی دامت برکاتہم العالیہ

(المدرّس بالمسجد الحرام)

الحَمْدُ لِأَهْلِه وَالصَّلوٰةُ علیٰ أَهْلِهَا. أما بعد.

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر اُمّت کی ذمے داریوں میں اہم ذمے داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، جس کا بہت آسان اور مفید طریقہ بیان وتقریر ہے جو نافعیت کے اعتبار سے تمام طبقات کو عام ہے۔ محبّ مکرّم حضرت مولانا آصف صاحب زید مجدہ (مدرّس دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات) مختلف موضوعات پر مشتمل اپنے مواعظ و بیانات کی ایک جلد دلکش، دیدہ زیب اور خوشنما انداز میں شائع کر چکے ہیں، جس کے آغاز میں اکابر علما کی گراں قدر تقاریظ اور دُعائیہ کلمات درج ہیں، جو کتاب کے مفید ومعتبر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نیز مضامین کا انتخاب موقع وضرورت کے عین مطابق ہے، جس طرح واعظین کے لیے کار آمد ہے اسی طرح عام قارئین کتاب کے حق میں بھی نفع بخش ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جلد سابق کی طرح اسے بھی قبولیت عامّہ نصیب فرمائیں، اُمّت کے لیے ذریعۂ ہدایت اور صاحب تالیف مولانا آصف صاحب دامت برکاتہم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں، آپ کو علمی وعملی میدان میں ترقیات سے بہرہ مند فرمائیں اور بے تکان اس مبارک سلسلے کو جاری رکھنے کی ہمت وتوفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

محمد خیر محمد مکی حجازی
المدرّس بالمسجد الحرام
المعروف بہ شیخ مکی
۲۹/ ذو القعدہ/ ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۲۸/ جون/ ۲۰۲۲ء

دُعائیہ کلمات

از

حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی قاسمی مدّت فیوضہم

(مہتمم دارالعلوم دیو بند)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

جناب مولانا آصف صاحب مظاہری زید مجدہم کے خطبات کا مجموعہ ''خطباتِ آسان دین'' (جلد اوّل) عمدہ کتابت وطباعت اور خوبصورت گرد پوش کے ساتھ پیش نظر ہے، جس میں مولانا آصف صاحب کے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی عنوانات پر مشتمل پندرہ خطبات کو شامل کیا گیا ہے۔ اور خطبات میں وارِد اقوال و آثار کے مآخذ اور حوالہ جات حاشیے میں درج کر دیے گئے ہیں۔ مولانا کا اندازِ بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔

کتاب کے آغاز میں عرضِ مؤلف اور عرضِ مرتّب کے علاوہ بارہ اکابر علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کے تائیدی و دُعائیہ کلمات بھی شامل کتاب ہیں۔

ان بزرگوں کے اتباع میں بندہ بھی دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا آصف صاحب زید مجدہم کی خدمات قبول فرمائیں اور اس کتاب کی اشاعت کو اُمّت کے لیے نافع بنائیں۔

ابوالقاسم غفرلہٗ

دارالعلوم دیو بند

حال وارد: بنارس

۲۹؍رمضان المبارک؍۱۴۴۳ھ

کلماتِ بابرکت

از: پیرِ طریقت حضرت اَقدس مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم

(ناظمِ اعلیٰ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحَمدُ للهِ رَبِّ العَالَمِینَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ المُرسَلِینَ، خَاتِمِ النَّبِیِّینَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ الغُرِّ المَیَامِین، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَدَعَا بِدَعْوَتِهِم إِلیٰ یَومِ الدِّینِ. أَمَّا بَعد:

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کے ساتھ زمین میں بسایا تو ان کو زمین پر بسنے کی صحیح ذمّے داری بھی بتائی اور خیر و شر میں تمیز کرنے کے لیے ان کو عقل دی اور اپنے حقوق سے واقف کرانے کے لیے اَنبیا و رُسل بھیجے، اُنھوں نے اچھا طریقہ اپنے اُمتیوں کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور بُری عادات و اطوار سے بچنے کی تاکید کی۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اُمّت کو سمجھانے اور تذکیر کی خدمت انجام دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو راہِ راست بتاتے رہے، اس کے لیے انھوں نے خطابت و کتابت کے ذریعے بھی کام لیا اور اُمّت کی رہنمائی کی۔

ان مقتدر عُلما میں جناب مولانا محمد آصف صاحب بھی دینی علوم کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، مختلف دینی موضوعات پر ان کے خطبات کا مجموعہ دیکھنے کا موقع ملا، مولانا کی کتاب ''خطباتِ آسان دین'' اس وقت میرے سامنے ہے، فہرست سے اندازہ ہوا کہ کافی عنوانات پر مولانا کے بیانات اہمیت کے حامل ہیں، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فیض عام فرمائیں۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۵/۵/۱۴۴۴ھ

کلماتِ دُعا

از

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی مدظلہ

(خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. أَمَّا بَعْد.

ماشاء اللہ، عزیزم مولانا محمد آصف صاحب مظاہری سلّمہٗ مع اپنی رفیقۂ حیات الہ آباد وصی آباد، بیت الاذکار تشریف لائے، صدہا مسرّت ہوئی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو صدہا مسرّتوں سے شاد فرمائیں۔ آمین۔

ساتھ ہی **''خطباتِ آسان دین''** کی جلدِ اوّل و دوم عنایت فرمائی، سرسری طور سے جستہ جستہ پڑھی، مزید فہرست کو دیکھا، جس سے معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ نہایت اہم ومفید مضامین درج کیے گئے ہیں، جس سے بہت مسرّت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید مفید مضامین بیان کرنے اور لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اس کے نفع کو عام و تام فرمائیں۔ آمین یاربّ العالمین۔

والسلام

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۱۶ر جمادی الاولیٰ ر ۱۴۴۴ھ

مطابق: ۱۰ر دسمبر ر ۲۰۲۲ء

قیمتی سرمایۂ حیات دُعائیہ کلمات

از

حضرت اَقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل وخلیفۂ اجل حضرت مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبِّ مکرّم جناب مولانا محمد آصف صاحب زید مجدہٗ (مدرّسِ عربی دارالعلوم اشرفیہ راندیر) کے خطبات کے مجموعے میں سے چند خطبات کا مطالعہ کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دینی موضوعات پر گفتگو کرنے کا عمدہ سلیقہ عطا فرمایا ہے اور آپ اُس کو دین کی نشر واشاعت نیز بندگانِ خدا کو دین سے قریب کرنے میں استعمال فرمارہے ہیں، جس پر میں اُن کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کی ان وقیع اور عظیم خدمات کو حُسنِ قبول عطا فرماکر اپنی رضا وقرب کا ذریعہ بنائیں اور بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کی اہم خدمت اُن سے لیں۔ آمین یارب العالمین۔

أملاہ

العبد احمد عفی عنہ خان پوری

۸ر جمادی الثانیہ ر ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۲ر جنوری ر ۲۰۲۲ء

کلماتِ تائیدوتوثیق

از

حضرت مولانا خلیل احمد راوت صاحب مدّظلہ العالی

(مہتمم دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، وتحفیظ القرآن سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ رِیونین)

باسمہٖ تعالیٰ

حدیث پاک میں ہے: ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں: ایک صحّت، دوسری فرصت۔'' اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِس مختصرسی حدیث میں گویا انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کا راز بیان فرمادیا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے صحّت اور وقت کی قدردانی کی وہ اپنے میدان میں بلندی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ اور جنھوں نے اِن نعمتوں کی ناقدری کی وہ بے شُمار صلاحیتوں کے باوجود کوئی نمایاں کام اَنجام نہیں دے سکے۔

نسل درنسل اور طبقہ درطبقہ علم صحیح کو منتقل کرنے کے لیے قُدرت نے جن سلاسل کو چلایا ہے اُن میں سے ایک اَہم سلسلہ لکھنے اور پڑھنے کا سلسلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اہل علم کی ایک جماعت کو تصنیف وتالیف کا ذوق اور جذبہ عطا فرمایا، وہ قلم سے اپنے حاصل شدہ علم کو منتقل کرنے کی فکر میں اور اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

مشائخ حقّہ اور علمائے ربّانیین کے سینے علومِ نبوّت کے محافظ ہوتے ہیں، جو اُن سے اَقوال واَفعال کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، اُن اَقوال واَفعال کو پڑھنا قاری کو عمل کی طرف رغبت دِلاتا ہے اور اَحوال کے بدلنے میں اَثر انداز ہوتا ہے۔

بہت ہی مسرّت کی بات ہے کہ برادرِ مکرّم مولانا مفتی محمد آصف صاحب جومشہور ادارہ دار العلوم اشرفیہ راندیر کے نیک وصالح ومتین اُستاذِ حدیث وتفسیر ہیں، اُنھوں نے اس مبارک سلسلے کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر جاری رکھا بہ صورتِ ''خطباتِ آسان دین'' جو میں سمجھتا ہوں کہ عوام وخواص دونوں کے لیے بہت مفید ہے اور زمانۂ حالیہ کے مطابق اس میں مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ناچیز کو الحمد للہ پہلی دو جلدیں موصول ہوئی ہیں، اور الحمد للہ مطالعے کا شرف بھی حاصل ہوا، ناچیز نے ہر اعتبار سے اس کتاب کو پسند کیا۔

آپ محترم پوری اُمّت کی طرف سے مستحق مبارک باد ہیں، ہم حضرت کو دِل کی گہرائیوں سے مبارک بادی پیش کرتے ہیں اور ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں دست بہ دُعا ہیں کہ آپ کی اس مستحسن کاوِش کو قبولیت کے زیور سے آراستہ فرما کر ہر خاص وعام کے حق میں مفید سے مفید تر بنائیں۔ آمین۔

خلیل احمد راوت

خادِم

دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

وتحفیظ القرآن سیّدنا اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ ریونین

۱۰ ر جمادی الاولیٰ ر ۱۴۴۴ھ

مطابق: ۵ ر دسمبر ر ۲۰۲۲ء

تقریظِ وقیع

از

واعظِ شیریں بیاں حضرت مولانا قاری احمد علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ فیض سلیمانی، موٹی نرولی، سورت، گجرات)

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا...

بیان اور خطابت انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اِن لفظوں میں بیان فرمایا ہے: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴﴾

اس آیت شریفہ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں کہ ''ایجاد'' (وجود عطا فرمانا) اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت، بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے۔ اس (ایجاد) کی دو قسمیں ہیں: ایجادِ ذات اور ایجادِ صفت، تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اس میں بیان کی صفت بھی رکھی، یعنی قُدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن وخوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کو اپنی بات سمجھا سکے۔ اس صفت کے ذریعے وہ قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے اور خیر وشر، ہدایت وضلالت، ایمان وکفر اور دُنیا وآخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔

خطابت ایک ایسا اَہم فن ہے کہ اس کی اہمیت وضرورت کا احساس قدیم زمانے سے ہوتا چلا آرہا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ ربّ العزت نے مدین سے واپسی پر کوہِ طور پر بُلا کر نبوّت ورِسالت سے سرفراز کیا اور اُنھیں فرعون کے پاس جانے کی ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اظہار اور فرعون کی غلامی

سے بنی اِسرائیل کی آزادی کو اُن کی نبوی ذمّے داری قرار دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنانے اور اپنے مُعاوِن و مددگار کا درجہ دینے کی درخواست کی، جسے بارگاہِ ایزدی میں قبول کرلیا گیا۔اس کی ایک وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض کی کہ ﴿هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا﴾ کہ وہ زبان اور گفتگو میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔

خطابت کا یہ سلسلہ ہر دور میں رہا ہے، موجودہ دور میں بھی ایسے خُطبا موجود ہیں جن کی مؤثّر خطابت نے کئی لوگوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں اور اُنھیں ایمان واسلام اور ذکر وتلاوت سے وابستہ کردیا۔

ان ہی کی صف کے ایک اہم فرد ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد آصف صاحب بمبوی دامت برکاتہم بھی ہیں، آپ ایک کامیاب مدرّس اور ماہر خطیب ہونے کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ہنر بھی رکھتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا موصوف کے خطبات کی دو جلدیں **''خطباتِ آسان دین''** کے نام سے اب تک منظر عام پر آکر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں، میں نے الحمدللہ ان دونوں جلدوں کو پڑھا اور بہت مفید پایا، اب مولانا موصوف کی رمضانیات کے خطبات پر مشتمل تیسری جلد مِنصّہ شہود پر آنے کی تیّاری میں ہے۔

میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اِس تیسری جلد کو بھی مقبولیت نصیب فرمائیں اور مولانا کی جمیع مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائیں۔آمین۔

دُعا گو و دُعا جو
العبد احمد علی فلاحی

تقریظِ بلیغ
از
حضرت مولانا محمد عرفان صاحب آنندوی دامت برکاتہم
(استاذِ حدیث جامعہ ابن عباس، احمد آباد)

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُولِهِ الكَرِيْمِ. أَمَّا بَعد.

''نطق'' چاہے ظاہری ہو یا باطنی، انسان کے امتیازات اور خواص میں سے ہے، جس کی وجہ سے مناطقہ کے ہاں انسان کو ''حیوانِ ناطق'' کہہ کر دوسرے حیوانات سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ گویائی سے نوازا ہے، جس کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک انسان جب بہت سے انسانوں کو خطاب کر کے اپنے جذبات و احساسات اور مافی الضمیر کا اُن کے سامنے اظہار کرتا ہے تو اسے خطابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس خطابت میں جس قدر فصاحت ہوگی اور مخاطبین کو سمجھانے کا بہتر انداز ہوگا اسی قدر وہ کمال کی حامل ہوگی۔

لیکن فصاحت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان صرف مقفع اور مسجع عبارتیں پیش کر کے واہ واہی بٹورے، بلکہ اس انداز سے خطابت ہو کہ سامعین بآسانی خطیب کے کلام خطبہ کو سمجھ لیں، یہی ہے فصاحت۔

سمجھ میں صاف آجائے، فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والوں پر، بلاغت اس کو کہتے ہیں

مولانا اسماعیل میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو بات کہو صاف ہو، ستھری ہو، بھلی ہو

کڑوی نہ ہو، کھٹّی نہ ہو، مِصری کی ڈَلی ہو

خطابت زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح دین کی ضروریات میں بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بالخصوص عصر حاضر میں الیکٹرانک میڈیا کا سارا دارومدار اسی پر ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت وافادیت دوچند ہوگئی ہے۔ انسانوں کی خدمت اور دنیا کی تعمیر وترقّی میں جس طرح دیگر جماعتوں اور گروہوں نے غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہیں اسی طرح مقرّروں نے بھی زبردست کردار ادا کیے ہیں۔

چنانچہ تاریخ شاہدِ عدل ہے کہ جب کوئی قوم گناہوں اور بُرائیوں کے سمندر میں غرق آب ہوئی ہے اور فسق وفجور کے قعرِ مذلّت میں افتادہ ہوئی ہے تو ایک مقرّر ہی نے اپنی گویائی کے برقی کرشمے اور اپنی جادو بیانی سے بُرائیوں کو اچھّائیوں میں، گناہوں کو نیکیوں میں، خطاؤں کو اصلاحات میں اور فسق وفجور کو تقویٰ وزُہد میں تبدیل کر دیا ہے۔ غرض ایک مقرّر انسانوں کے خیالات وتصوّرات اور ان کے ارادوں پر جو اقتدار رکھتا ہے اور جس طرح اس کے لب ودہن کی ادنیٰ جنبش آنِ واحد میں سینکڑوں دِلوں کو پھیر دیتی ہے اور ماحول کی کایا پلٹ دیتی ہے، ایسا کام دنیا کا بڑے سے بڑا بہادُر، بڑے سے بڑا جادوگر بلکہ بڑے سے بڑا فرماں روائے سلطنت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو صرف ایک مقرّر ہی کا کمال ہوتا ہے۔ اور مقرّرین کے ایسے بڑے بڑے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

خطابت آنِ واحد میں قرنوں کا سفر کرتی اور کہیں سے کہیں لے جاتی ہے۔ چشم

زدن میں پلٹ کر ماضی میں پہنچاتی، ناگہانی فرّاٹے بھرتی ہوئی مستقبل کی طرف بڑھ جاتی ہے، اس کے لیے گردشِ زمانہ نہیں، وہ لیل ونہار کے طلوع وغروب سے آزاد ہے۔ وہ انسانی مجمعوں کو اِکائی میں ڈھالتی اور آوازوں کی لہروں کے ساتھ ماضی، حال اور مستقبل میں گھماتی پھراتی ہے۔

خطابت کی سب سے بڑی خوبی تصوّر کی پرواز ہے۔ ہم خیالوں کے سیناؤں پر چڑھ جاتے اور جذبات کے سمندروں کی تہہ تک اُتر جاتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر خیالات کی پرواز کا نام خطابت ہے کہ ایک انسان کی آواز اَن گنت انسانوں کا مافی الضمیر بن جاتی ہے۔ خطابت لسانی اِعجاز کا خمیر ہے، اس کے ہیولیٰ میں شاعری، موسیقی اور سنگ تراشی کے جوہر ہیں، اس کی روح ایٹمی توانائی سے کہیں بڑھ کر طاقت ور ہے۔ لارڈ وائسرائی نے غلط نہیں کہا تھا کہ ''دنیا آج بھی اُن کے ساتھ ہے جو بول سکتے ہیں۔''

پیش نظر کتاب **''خطباتِ آسان دین''** ہمارے قدیم شناشا رفیق دور جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ مولوی آصف صاحب بمبوی کی ان مختلف خطبات پر مشتمل ہے جو موصوف کی جانب سے وقتاً فوقتاً اطرافِ سورت کے علاوہ گجرات بلکہ ہند کے مختلف علاقوں میں کیے گئے۔

ماشاءاللہ موصوف محترم کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات سے نوازا ہے۔ جہاں ایک طرف وہ گجرات کی قدیم ومایۂ ناز درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ کی مسندِ تدریس پر فائز ہوکر طالبانِ علومِ نبوت کی تشنگی کا سامان کررہے ہیں وہیں دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے پلیٹ فارم سے عوام الناس کو بھی اپنے درد بھرے خطبات وپند ونصائح سے محروم نہیں رکھتے۔ وہیں تیسری طرف شوشیل میڈیا کی دلدادہ نسل نو کو بھی اپنی چینل

''آسان دین'' کے توسط سے مختلف پروگراموں سے فیض یاب کرتے رہتے ہیں۔
یہی وہ جامعیت ہے جس نے آپ کو طبقۂ شُبان بلکہ علاقے کے عمر رسیدہ کا بھی دلبر اور منظورِ نظر بنادیا ہے۔ اور یہ ساری صفات روزِ اوّل ہی سے آپ کو ودیعت کردی گئی تھیں جس میں بانیٔ جامعہ ہانسوٹ حضرت الاستاذ مفتی عبداللہ صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت وتلمذ نے چار چاند لگادیے۔ موصوف زمانۂ تلمذ ہی سے ہر میدان میں فائق وفائز رہے۔

زیرِ نظر خطبات آپ کے بیانات کی تیسری کڑی ہے، ابھی تو سینکڑوں خطبات جو پہلے ہی آپ کی چینل پر آچکے ہیں زینتِ تحریر بننے کے منتظر ہیں۔ ترتیبِ خطبات کا یہ سلسلہ قدیم زمانے سے مختلف زبانوں میں جاری رہا ہے اور ہر ایک کا ایک جداگانہ رنگ اور جداگانہ خصوصیت رہی ہے۔ پیشِ نظر خطبات میں دو خصوصیات نے خاص طور پر اسے دیگر خطبات سے ممتاز کرنے میں نمایاں کرادار ادا کیا ہے، نمبر ایک: خطیب موصوف کا ہر خطبہ وتقریر چاہے کسی بھی موضوع پر ہو، اسی متعین موضوع کو تھامے رہتا ہے اور سرِ مو اس سے انحراف نہیں ہونے دیتا، نیز اس کے تمام گوشوں کو جامع ہوتا ہے، یعنی آپ کہہ سکتے ہیں کہ مقرّرین کے لیے آپ نے پکا پکایا مواد تیار کر کے رکھ دیا ہے، بس اس کا مطالعہ کیجیے اور کرسی کو سنبھال لیجیے۔ ان شاء اللہ یہ خطبات آپ کو متعین موضوع پر مزید کتابیں کھنگالنے سے مستغنی کردیں گے۔ دیگر یہ کہ موصوف کا ہر خطبہ وتقریر آپ اُن کی چینل ''آسان دین'' پر پالیں گے، جس سے کسی وقت مطالعے کی عدیم الفرصتی میں بغورسماع پر اکتفا کر کے بھی کام چلایا جاسکتا ہے۔

دُعا ہے کہ یہ سلسلۂ ذہبیہ بلا کسی توقف کے جاری وساری رہے گا۔ حقیر موصوف محترم کو اس کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہے اور دُعا

کرتا ہے کہ آپ کے یہ خطبات چار دانگِ عالم میں اپنی خشبوں پھیلاتے رہیں اور خطیب محترم کے لیے سامانِ نجات اور صدقۂ جاریہ ہوکر ذخیرۂ آخرت بنیں۔

ایں دعا از من، واز جملہ جہاں آمین باد۔

والسلام مع الاحترام

محمد عرفان آنندی غفرلہ

جامعہ ابن عباس احمد آباد

۲۳ / جمادی الاولی / ۱۴۴۴ھ

مطابق: ۱۷/ ۱۲/ ۲۰۲۲ء

آسان دین Aasan Deen Media Services

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ. أَمَّا بَعْدُ.

اللہ ربّ العزت کا بے پایاں کرم اور اس کی بے انتہا نوازش ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے **''خطباتِ آسان دین''** کی جلد سوم کی تکمیل کی سعادت وتوفیق سے بہرہ مند فرمایا۔

یہ جلد رمضان المبارک میں پیش آنے والے اور ماہِ مبارک میں انجام دیے جانے والے امور سے متعلّق مضامین و بیانات پر مشتمل ہے، ماہِ مبارک کی تیّاری سے لے کر شوّال کے روزوں تک عاجز نے اپنی بساط کے مطابق بتوفیقِ الٰہی جو کچھ مواد جمع کیا تھا اور سامعین کے سامنے مختلف مواقع پر جو کچھ معروضات گوش گزار کرنے کی سعادت میسر آئی تھی اُنھیں اس جلد میں پیش کیا ہے علمی بے بضاعتی اور تہی دامنی کے احساس بلکہ مکمل اعتراف کے ساتھ۔ اس امید پر کہ احقر کے حق میں "أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ" (مسلم:۱۶۳۱) کے زمرے میں شامل ہوکر صدقۂ جاریہ ثابت ہو، نیز واعظین وخطبا کے لیے سہولت کا سامان اور مواد کی فراہمی ہو جائے۔

اس جلد میں بھی الحمد للہ ان تمام امور کی رعایت کی گئی ہے جن کا اہتمام سابق جلدوں میں کیا گیا، تمام آیاتِ کریمہ واحادیث شریفہ کو مع تخریج وتحقیق مکمّل اعراب کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، مستند ومعتبر کتابیں ہی پیش نظر رکھی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس موقع پر بھی وہی بات دہراتا ہوں جو جلد اوّل کے موقع پر عرض کی تھی کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی نفع بخش اور فائدہ مند باتیں نظر آئیں ان میں اس بے علم اور نااہل کا کچھ حصّہ نہیں، وہ اکابر کے مواعظ وفیوض کا عطر وخلاصہ ہے۔ اور اگر کہیں کمی، کوتاہی، غلطی ولغزش نظر آئے تو وہ اس

عاجز کی طرف سے ہے، قارئین مطلع فرما کر شکریے کا موقع عنایت فرمائیں۔

إِنْ تَجِدْ عَيْبًا فَسُدَّ الخَلَلَا　　فَجَلَّ مَنْ لَا عَيْبَ فِيْهِ وَعَلَا

اخیر میں بندہ ان سبھی حضرات کا نہایت سپاس گزار اور شرمندۂ احسان ہے جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں کسی بھی قسم کی معاونت و دست یاری کی، بطورِ خاص اپنے اساتذۂ کرام اور اکابر عظام کا جن کی آہِ نیم شبی اور نالہائے سحر گاہی کی بدولت عاجز یہ خدمت انجام دے سکا۔ اور خصوصاً ان حضرات کا شکر گزار ہے جنھوں نے گونا گوں مصروفیات کے باوجود گراں قدر تقاریظ مرحمت فرما کر حوصلہ افزائی کی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ اسی طرح ان رفقا کا بھی ممنون ہے جنھوں نے تقریر کو بقیدِ تحریر لانے میں، ترتیب، تصحیح وتخریج میں اعانت فرمائی۔ بالخصوص محسن وکرم فرما مولانا رشید احمد صاحب آچھودی (استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھروڈ گجرات) کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنھوں نے مصروفیات کے باوجود زیر نظر کتاب پر پوری توجّہ مبذول فرمائی اور بہترین کتابت فرما کر اہم کردار ادا فرمایا۔ ربّ کریم ہر ایک کو دارین میں بہترین بدلہ اپنی شایانِ شان نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اخیر میں راقم سطور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں، اُمّت میں صالح انقلاب کا ذریعہ بنائیں، علم وعمل میں ترقّی کا سبب بنائیں، مؤلف عاصی کے لیے ذخیرۂ آخرت، وسیلۂ نجات بنائیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ العَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الكَرِيْمِ.

محتاجِ دُعا
آصف بن اسماعیل مظاہری غفرلہٗ
۳؍ جمادی الثانیہ؍ ۱۴۴۴ھ
مطابق: ۲۷؍ ۱۲؍ ۲۰۲۲ء

کلامِ منظوم بہ سلسلۂ ''خطباتِ آسان دین''

کاوش: مفتی اُوَیس خان صاحب قاسمی اورنگ آبادی مدّ ظلہ

انداز کیا ہے پیارا خطبات میں تمھارا ۔۔۔ ہر لفظ ہے ستارا، انوار کا ہے دھارا

عوام و خواص سب کے دِل کو جگا رہا ہے ۔۔۔ ظلمات میں وہ شمعِ ایماں جلا رہا ہے
حق جس سے آشکارا، انداز کیا ہے پیارا ۔۔۔ ہر لفظ ہے ستارا، انوار کا ہے دھارا

الفاظ کے سحر میں توحیدِ حق عیاں ہے ۔۔۔ خطبات کیا ہے گویا ایک بحرِ بیکراں ہے
ہر دِل کو ہے سنوارا، انداز کیا ہے پیارا ۔۔۔ ہر لفظ ہے ستارا، انوار کا ہے دھارا

سارے جہاں میں پھیلی علم و عمل کی دعوت ۔۔۔ مِٹتی ہی جا رہی ہے عالم سے ساری ظلمت
عالم کو ہے نِکھارا، انداز کیا ہے پیارا ۔۔۔ ہر لفظ ہے ستارا، انوار کا ہے دھارا

خطبات میں ہے آصف! درِ دِجگر بھی شامل ۔۔۔ اس دورِ پُر فِتَن میں حق بات کا ہے حامل
ہر دِل نے ہے پُکارا: انداز کیا ہے پیارا ۔۔۔ ہر لفظ ہے ستارا، انوار کا ہے دھارا

KALAM E MANZOOM

روزے کا مقصد تقویٰ
حقیقت، اہمیت اور فوائد

PART-1
BAYAN QR CODE

PART-2
BAYAN QR CODE

PART-3
BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ التَّقْوىٰ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الفَلَاحِ، وَبَابًا مِنْ أَبْوَابِ النَّجَاحِ، وَمصْدَرًا لِكُلِّ سَعَادَةٍ وَهَنَاءٍ، وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلىٰ رَسُوْلِهِ الَّذِيْ أَرْشَدَنَا إِلىٰ سُبُلِ النَّجَاء. وَعَلىٰ اٰلِهِ وأَصْحَابِهِ المتَّقِيْنَ السَّالِكِيْنَ مَسْلَكَ النَّجَاةِ وَالرِّضَاءِ.

أَمَّا بَعْدُ، فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران : ۱۰۲]

وَقَالَ اللهُ تَعَالىٰ :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبة:۱۱۹]

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: "انْظُرْ، فَإِنَّكَ لَيْسَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوىٰ". (۱)

تمہید:

معزز و مکرّم عزیزو اور بزرگو! رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے ہم اُمّتِ مسلمہ پر روزے فرض فرمائے، جس کا مقصد بھی خود بیان فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة : ۱۸۳]

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے

(۱) مسند أحمد / حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه، الرقم : ۲۱٤۰۷.

لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے پیچھے بندوں کا جو فائدہ ہے اسے بیان فرمایا ہے کہ روزے تم پر اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو، پرہیزگاری پیدا ہو، تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بن جاؤ، جس سے معلوم ہوا کہ روزوں کی فرضیت کا مقصد تقویٰ ہے۔ تو تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اس کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کیا ہیں؟ حصولِ تقویٰ کے فوائد کیا ہیں؟ اور تقویٰ حاصل کیسے ہوتا ہے؟ ان چند امور کے متعلّق ہم گفتگو کریں گے۔

تقویٰ کی حقیقت:

تقویٰ کی تعریف سمجھنے سے پہلے آسان اور مختصر طور پر سمجھ لیں کہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کی عظمت کی وجہ سے پیدا ہوجائے، اور اس کے مؤاخذے کی فکر پیدا ہو جائے، جس کے اثر سے زندگی میں تیقظ یعنی دینی بیداری پیدا ہوجائے، تاکہ اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہر چیز سے انسان بچ سکے۔

تقویٰ کی تعریفات اور وضاحت کے لیے علمائے اُمّت نے مختلف تعبیرات استعمال فرمائی ہیں، اور کتاب وسنّت سے مختلف انداز میں اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے، مگر ان میں حضراتِ محققین نے جسے سب سے زیادہ راجح اور پسندیدہ قرار دیا ہے وہ ہے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی تعریف وتحقیق، جب آپ سے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کی حقیقت معلوم کی تو آپ نے بہت ہی آسان اور عام فہم مثال سے تقویٰ کی حقیقت سمجھائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال:

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو امیر المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسرے نمبر کے خلیفہ تھے، پھر آپ کو تقویٰ کی حقیقت کے بارے میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سوال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جب کہ خود آپ کو تفقہ فی الدین میں یہ مرتبہ حاصل تھا، علم دین کی ایسی گہرائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ کئی مواقع میں آپ کی رائے وحی کے موافق ہوئی، بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں آپ کے موقف اور رُجحان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے، جنھیں ''موافقاتِ عمر'' کہا جاتا ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا وہ عمر ہوتے۔ (۱) تو یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی کاتبین وحی میں سے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا: "أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ". (۲) کہ اُبی بن کعب تمام صحابہ میں سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے ہیں۔ قرآنِ پاک کی تلاوت میں آپ کی خصوصیت اس وجہ سے بھی مسلّم ہے کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمھارے سامنے سورۂ بینہ کی تلاوت کروں، اس پر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا کہ اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ ارشاد فرمایا ہے! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تمھارا نام ارشاد ہوا ہے، یہ سُن کر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں مارے خوشی کے اَشک بار ہوگئیں۔

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلّم، الرقم: ٣٦٨٦.

(٢) مسند أحمد / مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، الرقم: ١٣٩٩٠.

"عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيٍّ: "إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ قَالَ: وَسَمَّانِي؟ قَالَ: نَعَمْ فَبَكَىٰ". (١)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ صحیح اور حق بات معلوم کرنے کے لیے کسی سے بھی سوال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، اور یہی ایک متبحر عالم کی صفت ہوا کرتی ہے، لہٰذا آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا جواب:

تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا کبھی کسی کانٹوں والے راستے سے آپ کا گذر ہوا ہے؟ فرمایا: جی ہاں! کئی بار گذرا ہوں، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اس وقت آپ نے گذرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟ جواباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اس موقع پر خود کو اور اپنے کپڑوں کو نہایت سمیٹ کر بڑے احتیاط سے چلا ہوں کہ کہیں دامن کانٹوں سے اُلجھ نہ جائے، تب حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضرت! یہی تو تقویٰ ہے!"(٢)

میرے پیارے بھائیو! یہ دنیا ایک خار دار وادی ہے، اس خارستان میں ہر طرف گناہوں کے کانٹے موجود ہیں، اس لیے دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرنا کہ ہمارا ایمانی دامن گناہوں کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائے اُسی کا نام تقویٰ ہے، اور جو اس

(١) صحيح البخاري / كتاب مناقب الأنصار / باب مناقب أبي بن كعب، الرقم: ٣٨٠٩.
(٢) تفسير ابن كثير / سورة البقرة / الآية: ٢.

صفت سے متصف ہو جائے وہ متقی ہے۔

اس مضمون کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا فَهُوَ التُّقَىٰ

كُنْ فَوْقَ مَاشٍ فَوْقَ أَرْ ضِ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرَىٰ

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً إِنَّ الجِبَالَ مِنَ الحَصَىٰ

(ديوان ابن المعتز : ۲۹، مطبع دار صادر بيروت)

حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، وحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ".(۱)

اور مسلم شریف کی روایت میں "حُجِبَتْ" کی جگہ "حُفَّتْ"(۲) ہے، دونوں ہی ہم معنی ہیں۔

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے کسی نے کہا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِمَكْرُوهَاتِنَا

وَحُفَّتِ النِّيرَانُ مِن شَهَوَاتِنَا

یعنی جنّت کو ناپسندیدہ چیزوں کی باڑ اور پردے سے گھیر لیا گیا ہے، اور دوزخ کو مرغوبات وخواہشات کی باڑ سے، اب جو شہوات وخواہشات کی باڑ اور پردے سے بچ کر نکل گیا وہ ہے متقی، اور جو شہوات وخواہشات میں اُلجھ گیا وہ پھنس گیا۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الرقاق / باب حجبت النار بالشهوات، الرقم : ٦٤٨٧.

(۲) صحيح مسلم / الرقم : ۲۸۲۲.

تقویٰ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

تقویٰ کے لغوی معنیٰ ہیں بچنا، اپنی حفاظت کرنا، پرہیز کرنا۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے کلماتِ قرآنیہ کے لغوی معانی بیان فرمائے ہیں، آپ اپنی مشہور کتاب ''المفردات فی غریب القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ لفظ "وِقَايَةٌ" سے بنا ہے، جس کے لغوی معنیٰ ہیں: "حِفْظُ الشَّيْءِ مِمَّا يُؤْذِيْهِ وَيَضُرُّهُ"[1] یعنی کسی چیز کو تکلیف دہ اور نقصان دہ چیزوں سے بچانا، لہٰذا تقویٰ کے لغوی معنیٰ ہوئے: "جَعْلُ النَّفْسِ فِيْ وِقَايَةٍ مِمَّا يَخَافُ" یعنی انسان کا اپنی ذات کو ان تمام چیزوں سے بچانا جن کا خوف ہو۔ پھر آگے آپ نے فرمایا کہ اصطلاحِ شرع میں تقویٰ کے معنیٰ ہیں: "حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْثِم" یعنی انسان کا اپنی ذات کو ہر گناہ کے کام سے بچانا، تمام منہیات سے پرہیز کرنا، یہاں تک کہ بعض مباح چیزیں جن میں کسی وجہ سے کچھ شبہ پیش آجائے تو اُنھیں بھی چھوڑ دینا، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ اتَّقَىٰ الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ".[2]

یہ ایک طویل حدیث شریف کا حصّہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال اور حرام بالکل واضح ہیں، لیکن کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن میں کبھی حلت وحُرمت کا شبہ رہ جاتا

---

(۱) المفردات في غريب القرآن / كتاب الواو.

(۲) صحيح مسلم / كتاب البيوع / باب أخذ الحلال وترك الشبهات، الرقم: ۱۵۹۹.

ہے، تو مؤمن بندے کے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اُنھیں بھی از راہِ احتیاط چھوڑ دے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ شبہات والی چیزوں سے نہ بچنے کی وجہ سے حرام کا بھی ارتکاب ہو جائے۔ تو مؤمن بندے کے لیے تقویٰ کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ وہ شبہات سے بھی بچے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کی تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

"هِيَ: الخَوْفُ مِنَ الجَلِيْلِ، وَالعَمَلُ بِالتَّنزِيلِ، وَالقَنَاعَةُ بِالقَلِيلِ، وَالاستِعْدَادُ لِيَومِ الرَّحِيلِ".(۱)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ نام ہے ربّ جلیل سے ڈرنے کا، عمل بالقرآن کا اور تھوڑے پر قناعت کر کے آخرت کے دِن کے لیے تیّاری کرنے کا۔

اِمام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر کبیر" میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تقویٰ کی وضاحت یہ فرمائی ہے:

"أَنْ تُزَيِّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ كَمَا زَيَّنْتَ ظَاهِرَكَ لِلْخَلْقِ".(۲)

یعنی تقویٰ یہ ہے کہ اپنے اندرون کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایسا سنواریں جیسے اپنی ظاہری وضع قطع کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے پیش ہونے سے پہلے سنوارتے ہیں۔ جیسے ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں تو کپڑے ٹھیک طرح سے پہنتے ہیں، بال میں کنگھی کر لیتے ہیں، تاکہ لوگوں کے سامنے ہماری ہیئت بھدی معلوم نہ ہو، نئی دُلہن اپنے آپ کو سنوارتی ہے، تاکہ اپنے شوہر کو خوش کر دے، اسی طرح اپنے دِل کو منہیات کے اجتناب سے اس طرح سنوارنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، یہی تقویٰ ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ کا محل انسانی دِل کو قرار دیتے ہوئے تین

---

(۱) فتاوى النووي / باب في التفسير / الصفحة : ۲٤۰.

(۲) التفسير الكبير للرازي / سورة البقرة / الآية : ۲، ج : ۲ / الصفحة: ۲٦۸.

مرتبہ قلب مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "التَّقْوىٰ هٰهُنَا".[1]

نیز امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر تقویٰ کی ایک تعریف یہ بھی بیان فرمائی:

"وَيُقَالُ: "التَّقْوىٰ: أَنْ لَا يَرَاكَ مَوْلَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ".

یعنی تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں منہیات کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ دیکھیں۔ یعنی ہم مکمّل طور پر ان چیزوں سے دور رہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں۔

اسی طرح آپ نے تقویٰ کی وضاحت میں یہ بھی فرمایا ہے:

"وَيُقَالُ: "الْمُتَّقِي مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ الْمُصْطَفىٰ، وَنَبَذَ الدُّنْيَا وَرَاءَ الْقَفَا، وَكَلَّفَ نَفْسَهُ الْإِخْلَاصَ وَالْوَفَا، وَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَالْجَفَا".

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متقی شخص وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کرے، یعنی متبع سنّت ہو، دُنیا کو زیادہ خاطر میں نہ لائے، اپنی ذات کو اخلاص اور ایفائے عہد کا پابند بنائے، نیز محرّمات اور ظلم سے پرہیز کرے۔

تقویٰ کے ان تمام حقائق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ میں محرّمات سے اجتناب اصل اور بنیادی چیز ہے، جس طرح بیماری کے ڈر سے ہم بہت سی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کے ڈر سے گناہوں کو چھوڑ دینا، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دینا تقویٰ ہے۔

تقویٰ آسان اور عام ہے:

عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ متقی بننا مشکل ہے، یہ سب کے بس کی بات نہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنا بہت آسان کام ہے۔ اور متقی بننا ایک

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / الحث على ترك الغل والحسد / الرقم ٦٢٣٣، ٩ / ٤٢.

اختیاری عمل ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اتنی تاکید سے اس کا حکم ہی کیوں دیتے؟ جب کہ اہل ایمان کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ ربِ کریم نے انسانوں کو کوئی ایسا حکم ہرگز نہیں دیا جو ان کی طاقت اور استطاعت سے باہر ہو، اب جب تقویٰ کا بار بار حکم دیا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦]

یعنی جتنا تقویٰ اختیار کر سکتے ہو کرو! تو اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ تقویٰ آسان اور اختیاری عمل ہے، کوئی دشوار نہیں ہے، بس ذرا سا پختہ عزم کر کے ہمت سے کام لیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں تو قسم بخدا! تقویٰ اختیار کرنا آسان ہے، اور ہر مسلمان کم از کم ادنیٰ درجے کا متقی تو ضرور ہی بن سکتا ہے۔

دو گام چل کے کوئی اس راہ پر بھی دیکھے　　کتنی حسین ہیں راہیں، کتنا حسین ہے منظر

میرے بھائیو! ہمارے بہت سے نوجوان بھائی یہ خیال کرتے ہیں کہ تقویٰ بڑی مشکل چیز ہے، بڑے بُزرگوں کا کام ہے، جو تہجد اور دیگر نوافل کے پابند ہوں اُن ہی سے یہ کام ہوسکتا ہے، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے، تقویٰ کی حقیقت جو بیان کی گئی اس میں غور کرنے سے بھی بآسانی پتا چلتا ہے کہ محرّمات کو چھوڑ دینا اور معاصی سے پرہیز کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، اس پر ہر ایک عمل کرسکتا ہے اور متقی بن سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ متقی بندوں کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہی کافی ہے کہ قرآنِ پاک متقی بندوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کو سورۂ بقرہ ہی کی ایک آیت میں تمام لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ قرار دیا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

تو اولاً فرمایا: "هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ"، پھر فرمایا: "هُدًى لِّلنَّاسِ" جس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، نیز تمام متقیوں کے لیے بھی ذریعۂ ہدایت ہے، لہٰذا تمام لوگوں کا متقی ہونا بھی ضروری ہے۔ گویا جو بندہ متقی نہیں وہ انسان ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنیٰ میں متقی بنا دیں۔

آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں تقویٰ کے فوائد:

محترم دوستو! تقویٰ کی تعریف اور حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب ہم تقویٰ کے اُن فوائد کے بارے میں بات کریں گے جو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ تقویٰ کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ مولائی و مرشدی حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدّظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ''جیسے حلوے کی پلیٹ کو میوے سے سجایا جاتا ہے اسی طرح اللہ پاک نے اپنے کلام کو تقویٰ سے سجایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں تقویٰ کے فوائد بیان فرمائے ہیں۔

(۱)...... جیسے سورۂ طلاق ہی میں تقویٰ کے چار فوائد کا ذکر ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲﴾ [الطلاق : ۲]

''اور جو بندہ اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (دنیا و آخرت کے رنج وغم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں۔''

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ دُنیا دار التکلیف ہے، یہاں دوامی خوشی کسی کو میسّر نہیں، کبھی خوشی ہے تو کبھی غم ہے۔

خدا دیتا ہے جن کو عیش، اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی، وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بندہ متقی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تمام پریشانیوں سے نکلنے کی راہ ہموار کر دیتے ہیں، مصیبتوں سے اُسے نجات دیتے ہیں، اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں، اللہ تعالیٰ کا دُنیا میں ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ اپنے متقی بندوں کے لیے ایسے وقت میں جب کہ طرح طرح کی مشکلات نے چاروں سمت سے اُنھیں گھیر لیا ہو، ہر طرف بندش ہی بندش نظر آ رہی ہو، تحت الاسباب کوئی چارۂ کار اور کوئی راہِ رُستگاری دِکھائی نہ دے، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے راہیں کھول دیتے ہیں۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے راستے نکالے، جب کہ نہایت طاقت ور دُشمن تعاقب میں تھا، آگے کی طرف بحر احمر کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں، اب جائیں تو جائیں کہاں؟ ایسی کس مپرسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، بس دیکھتے ہی دیکھتے سمندر میں راستے بن گئے۔ (الشعراء: ۶۰-۶۶)

اسی طرح ہجرت کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار میں پناہ گزیں تھے، دُشمن انتہائی قریب آ چکے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ [التوبۃ: ۴۰] کہ فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، پھر دُشمن قریب آ کر بھی کچھ نہ دیکھ سکے۔ ایسی تو کئی مثالیں قرآن پاک میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی ہمیشہ حمایت وحفاظت فرماتے ہیں اور اُن کے

لیے راہیں ہموار فرما دیتے ہیں۔

(۲)......سورۂ طلاق کی اسی آیت کے بعد فوراً تقویٰ کے دوسرے فائدے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط﴾ [الطلاق : ۳]

''اور اس (متقی بندے) کو اس طرح رزق عطا فرماتے ہیں جس کا بندے کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ کئی انسان اپنی روزی اور معاش کے لیے پریشان رہتے ہیں، دو وقت کی روٹی کے لالے پڑ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی یہ پریشانی بھی حل فرما دیتے ہیں اور اُنھیں ایسے عجیب وغریب اسباب سے رزق پہنچاتے ہیں جن کا بندہ تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔

علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عوف بن مالک اَشجعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔(۱)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میرے بیٹے سالم کو دُشمنوں نے اغوا کرلیا ہے، اس کی والدہ کا رو رو کر بُرا حال ہوگیا ہے، علاوہ ازیں اس وقت ہم بہت ہی تنگ دستی اور فاقے کے شکار بھی ہیں، آپ کچھ راہ نمائی فرما دیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِتَّقِ اللهَ، وَاصْبِرْ، وَآمُرُكَ وَإِيَّاهَا أَنْ تَسْتَكْثِرَا مِنْ قَوْلِ "لَا حَوْلَ وَلَا

(۱) تفسير القرطبي / سورة الطلاق / الآية : ۲ - ۳.

قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ".

''کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صبر کرو، نیز میں آپ دونوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کا بہ کثرت وِرد کرتے رہو۔''

چنانچہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوئی، آپ گھر واپس آئے اور اپنی اہلیہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سنایا کہ ہمیں حکم ہے کہ ہم "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھتے رہیں۔ آپ کی اہلیہ کو یہ سن کر بہت تسلی ہوئی اور کہا کہ بہت بہتر حکم ہے، چنانچہ دونوں اس کلمے کا کثرت سے ورد کرنے لگے، اسی دوران دُشمن اُن کے بیٹے سے کچھ دیر کے لیے غافل ہوئے، اس موقع کو غنیمت جان کر اُن کا بیٹا اُن کی چار ہزار بکریوں کو بھی اپنے ساتھ ہانک کر لے آیا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب ان بکریوں کے بارے میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بکریاں تمھارے لیے حلال ہیں۔

اس واقعے میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کے ساتھ صبر کیا تو آپ کی دونوں پریشانیاں ایک ساتھ اللہ تعالیٰ نے حل فرما دیں، بیٹا بھی واپس مل گیا اور بکریاں ملنے سے فاقہ کشی کا علاج بھی ہو گیا۔

(۳)......اس کے بعد والی آیت میں تقویٰ کے تیسرے فائدے کا ذکر ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤﴾ [الطلاق : ٤]

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تو) وہ اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے۔''

تقویٰ کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے تمام امورِ دُنیا و

آخرت کو آسان فرما دیتے ہیں، دُنیوی مشکلات کا حل بھی تقویٰ اختیار کرنے میں ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ متقی بندوں کو نجات عطا فرمائیں گے۔

(۴)......اس کے بعد والی آیت میں تقویٰ کا چوتھا فائدہ مذکور ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا۝۵﴾ [الطلاق:۵]

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اُس کے چھوٹے گناہوں کو اس (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیتا ہے اور اَجر و ثواب کو اُس کے لیے بڑا کر دیتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کے دو فوائد یکجا بیان کیے گئے ہیں کہ متقی بندے کے صغائر اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، یہ دفع مضرت سے متعلّق فائدہ ہے، پھر متقی بندے کے اعمالِ صالحہ کا اجر بڑھا دیا جائے گا، یہاں اجر و ثواب کتنا بڑھایا جائے گا؟ اس کی مقدار بیان نہیں کی گئی، جس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ متقی بندے کے اجر و ثواب میں اضافہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوگا، بہت سے متقی بندے ایسے بھی ہوں گے جن کے اعمالِ صالحہ کے اجر کو بے حساب بڑھا دیا جائے گا۔ یہ جلبِ منفعت سے متعلّق مستقل فائدہ ہے۔

(۵)......تقویٰ کا پانچواں فائدہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۝۷۲﴾ [مریم:۷۲]

''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دے دیں گے۔ اور ظالموں کو اس (جہنّم) میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو بشارت دی ہے کہ اُنھیں آخرت میں عذابِ جہنّم سے بچا لیا جائے گا، جب کہ کفّار و نافرمان بندوں کو جہنّم کے

عذاب میں رکھا جائے گا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مؤمن بندہ ایسا ہوگا جسے اُس کے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جہنّم میں ڈالا ہوگا تب بھی وہ ہمیشہ جہنّم میں نہیں رکھا جائے گا، بلکہ ادنیٰ درجے کے تقویٰ یعنی نفس ایمان کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اُسے ایک وقت کے بعد جہنّم سے نجات عطا فرما دیں گے۔ جب کہ کفّار کے لیے عذابِ جہنّم ابدی سزا ہوگی۔ (۱)

(۶)......تقویٰ کا چھٹا فائدہ قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹﴾ [الأنفال:۲۹]

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو گے (تو) وہ تمھارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے والی حجت (وہدایت) مقرّر فرما دے گا اور تمھارے (دامن سے) گناہوں کو مٹا دے گا اور تمھاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کے تین ضمنی فوائد بیان ہوئے ہیں، اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے فرقان یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت عطا فرمائیں گے، جس سے بندہ صحیح اور غلط کے درمیان بآسانی تمیز کر سکتا ہے، متقی بندے کی فراست ایمانی اس قدر بلند ہوگی کہ اس کا ضمیر خود ہی حق و باطل کے درمیان فرق کی گواہی دے گا۔ یہ بہت بڑی روحانی دولت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بہت خوش نصیب بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

---

(۱) تفسير القرطبي / سورة مريم / الآية : ۷۲.

بعض مفسرین نے یہاں ''فرقان'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مُراد دُنیا و آخرت میں ہر شر سے نجات ہے۔[1] اس صورت میں معنیٰ ہوں گے کہ اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں دُنیا و آخرت میں نجات عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کردہ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ کی وجہ سے وہ مؤمنین کے سیئات یعنی صغائر کو مٹا دیں گے اور بخشش فرما دیں گے۔ بعض مفسرین نے یہاں تکفیر سیئات اور مغفرت دونوں کا مفہوم ایک ہی قرار دیا ہے، جب کہ علّامہ ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تکفیر سیئات کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے گناہوں کو مٹا دیں گے، جب کہ مغفرت کے معنیٰ ہیں کہ متقی بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور مؤاخذہ نہیں ہوگا۔[2]

(۷) ......تقویٰ کے حصول کا ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [آل عمران:٧٦]

''ہاں جو اپنا وعدہ پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے (اس پر واقعی کوئی مؤاخذہ نہیں) سو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت فرماتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جو بندہ عہد و پیمان کو نبھانے والا ہو، خواہ وہ معاہدات بندوں سے کیے ہوں یا اللہ تعالیٰ سے، دونوں کو نبھائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند فرماتے ہیں، اُن سے محبّت فرماتے ہیں۔ میرے بھائیو! تصوّر کرو کہ جسے اللہ تعالیٰ کی محبّت نصیب ہو جائے وہ بندہ کتنا قابل رشک ہوگا۔

---

(١) تفسير البغوي / سورة الأنفال / الآية : ٢٩.

(٢) تفسير الطبري / سورة الأنفال / الآية : ٢٩.

(۸)......حصولِ تقویٰ کا آٹھواں فائدہ قرآن پاک میں یہ بیان کیا گیا:

﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴿۳۶﴾﴾ [التوبة: ٣٦]

''اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کی ایک بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ تقویٰ کی وجہ سے اُن کو اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے، تعلق مع اللہ قائم ہو جاتا ہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصّہ نازل ہوتی ہے جو ان کے لیے فتح و کامرانی کا سبب بنتی ہے، یہ معیت خداوندی اتنی عظیم الشان دولت ہے کہ اسے پانے کے لیے اولیاء اللہ رات دِن ایک کر دیتے ہیں، یقیناً اس دولت کے حصول کی کوشش بھی وہی متقی بندہ کرتا ہے جو اس کی قدر و قیمت جانتا ہے۔

میرے دوستو! یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حاضر و ناظر ہے، وہ اپنے تمام بندوں کے تمام احوال سے ہمیشہ بخوبی واقف رہتا ہے، لہٰذا اس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی معیت تمام ہی بندوں کو حاصل رہتی ہے، خواہ بندہ کافر ہو یا مؤمن، جیسا کہ ایک اور آیت کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۴﴾﴾ [الحدید: ٤]

''وہ (اللہ تعالیٰ) تمھارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اُسے) خوب دیکھنے والا ہے۔''

یہاں معیت کے معنیٰ تمام بندوں کے حق میں عام ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام احوال و کوائف، اور اعمال و اقوال وغیرہ کو ہمیشہ دیکھتا اور سنتا ہے، بندے کا کوئی بھی مخفی عمل بندے کے لیے مخفی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ یہ

معیت مؤمنین اور کفّار تمام کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے متقی بندوں کے لیے جو معیت بیان فرمائی ہے اس کے معنیٰ ہیں کہ اُن کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بلند ہوتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں، اور اس معیت خاصہ کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں جاری رہتی ہیں۔

(۹)......تقویٰ کا نواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الأعراف : ٩٦]

''اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔''

اس آیت کریمہ میں ایمان وتقویٰ کا فائدہ بیان فرمایا کہ اگر تمام قومیں ایمان لے آتیں اور تقویٰ اختیار کرتیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے خزانے کھول دیتے، یعنی تقویٰ کی برکت کی وجہ سے اُن پر رحمت الٰہیہ کا بے انتہا نزول ہوتا۔

اس آیت کریمہ میں اکثر مفسّرین نے آسمانی برکتوں سے بارِش اور زمینی برکتوں سے نباتات کو مُراد لیا ہے۔[1] اس لیے کہ ان دونوں چیزوں پر ہر جاندار کی بقا موقوف ہے، لہٰذا خصوصی طور پر ان کو ذکر فرمایا، اس آیت کریمہ کا مفہوم اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کو بیان فرمایا جو آپ نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

(١) تفسير القرطبي / سورة الأعراف / الآية : ٩٦.

مِّدۡرَارًا ﴿١١﴾ [نوح : ١٠ - ١١]

”تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا۔“

(۱۰)......تقویٰ کا دسواں فائدہ یہ ہے کہ اس سے دارین کی خوشی نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ [یونس: ٦٣ - ٦٤]

”(وہ) ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) تقوٰی شعار رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی عزّت و مقبولیت کی) بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مغفرت و شفاعت کی، یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حُسنِ مطلق کے جلوے اور دیدار ہیں)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین متقین کے لیے دُنیا و آخرت دونوں میں بشارت کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دُنیا میں بھی خوش رہیں گے اور آخرت میں بھی۔

یہاں ”بُشریٰ“ کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے چند اقوال ہیں۔[۱] ان میں سے ایک حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا، فَقَالَ: "مَا سَأَلَنِي أَحَدٌ عَنْهَا غَيْرُكَ مُنْذُ أُنْزِلَتْ، هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ، أَوْ تُرَىٰ لَهُ".[۲]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

---

(١) تفسير القرطبي / سورة يونس / الآية : ٦٥، ج : ٨ / ص : ٣٥٩.

(٢) سنن الترمذي / أبواب الرؤيا / باب قوله : لهم البشرى في الحيوة الدنيا، الرقم : ٢٢٧٣.

اس ''بشریٰ'' کے متعلّق دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے تمھارے سوا کسی نے مجھ سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا (جس سے طلب علم کے لیے سوال کی اہمیت معلوم ہوتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد نیک اور اچھے خواب ہیں جو مسلمان بندہ دیکھتا ہے، یا کسی دوسرے مسلمان بندے کے بارے میں اُسے دِکھائے جاتے ہیں۔

تابعین عظام میں سے حضرت قتادہ، عطاء اور زُہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بشارت ہے جو ملائکہ کی جانب سے بندۂ مؤمن کو دُنیا میں موت کے وقت سنائی جاتی ہے۔

اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندے کی روح قبض کرتے وقت ملک الموت آکر اس کو سلام پیش کرتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی! آپ پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو سلام پیش کرتے ہیں، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ [النحل:٣٢]

''جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (نیکی وطاعت کے باعث) پاکیزہ اور خوش وخرم ہوں (ان سے فرشتے قبضِ روح کے وقت ہی کہہ دیتے ہیں:) تم پر سلامتی ہو۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جنّت اور ثواب کی وہ بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں مؤمنین کو عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۝۳۰﴾ [فصلت : ۳۰]

''اور تم جنّت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

(۱۱)......اسی طرح تقویٰ کا گیارہواں فائدہ یہ ہے کہ متقی بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے علمِ دین عطا ہوتا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ [البقرة : ۲۸۲]

''اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ تمھیں (دین کی) تعلیم دیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں اوّلاً قرض وغیرہ کے آپسی معاملات سے متعلّق احکام بیان کیے گئے، قرآنِ پاک میں جگہ جگہ احکام سے متعلّق آیات کے بعد تقویٰ کی تاکید کی گئی ہے، اسی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے بطورِ تاکید فرمایا کہ تم تقویٰ اختیار کرو، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں علم دین عطا فرمائیں گے، یعنی احکامِ شریعت کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔

(۱۲)......تقویٰ اختیار کرنے کا بارہواں فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اعمالِ صالحہ قبول فرماتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ۝۲۷﴾ [المائدة : ۲۷]

''اللہ تعالیٰ تو اپنے متقی بندوں کے (اعمال) قبول فرماتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مؤمن بندے جو ہر طرح شرک سے باز رہتے ہیں اُن کے اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔(۱)

---

(۱) تفسير القرطبي / سورة المائدة / الآية : ۲۷.

(۱۳)......تقویٰ کا تیرہواں فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دُشمنوں سے ہماری حفاظت فرماتے ہیں، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ [آل عمران:۱۲۰]

’’اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ پر جمے رہو تو ان کا فریب تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تم صبر اور تقویٰ پر استقامت اختیار کرو گے تو تقویٰ کی برکت کے سبب تمھاری ہر طرح سے حفاظت کی جائے گی، پھر دُشمن خواہ کتنی ہی بُری تدبیریں، ناپاک سازشیں اور فریب کرتے رہیں، تمھارا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ گویا تقویٰ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے متقی بندوں کے لیے حصار اور پناہ کی جگہ ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہو گیا وہ محفوظ ہو گیا۔

علّامہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرتا ہے تو جن و انس اور جو بھی اسے دیکھے وہ اس سے ڈرتا ہے۔ متقی بندوں کی زندگی میں ایک نمایاں فرق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی عظمت و ہیبت عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱۴)......تقویٰ کا چودھواں فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ کے سبب اپنے متقی بندوں کو جنّت میں بے انتہا نعمتوں سے نوازیں گے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾﴾ [الحجر: ۴۵]

''بے شک متقی بندے باغات اور چشموں میں رہیں گے۔''

اُخروی نعمتوں کے ذریعے متقی بندوں کی خوب نوازش ہوگی، یہ مضمون قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہر کہ دارد خوفِ حق در دل دوام
جنّت الماویٰ دہد او را مقام

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچّا ہے:

جو بندہ تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی اور سہولت پیدا فرمائیں گے۔ اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کے باوجود جب کبھی پریشانی آئے تو سمجھ لو کہ تقویٰ میں ضرور کمی آئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، دنیا اور آخرت کی ساری سعادتیں تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں، تقویٰ دارین کی نعمتوں کا سر چشمہ ہے۔ اسی لیے کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

يُرِيْدُ الْمَـرْءُ أَنْ يُّعْـطَـىٰ مُنَاهُ وَيَـأْبَى اللهُ إِلاَّ مَـا يُـرَادُ
يَقُوْلُ الْمَرْءُ: فَائِدَتِيْ وَذُخْرِيْ وَتَقْوَى اللهِ أَفْضَلُ مَا يُسْتَفَادُ

یعنی انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اُس کی اُمیدیں اور تمنّائیں پوری ہوتی رہیں، حالانکہ ہوتا وہی ہے جو منظورِ الٰہی ہوتا ہے، انسان ہمیشہ اپنا نجی فائدہ اور دُنیوی مال و متاع کا ذخیرہ چاہتا ہے، حالانکہ تقویٰ سے بہتر کوئی فائدے کی چیز نہیں۔

تقویٰ کے برخلاف اگر گناہوں اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا جائے تو قرآن پاک بار بار یہی بتا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان اور تقویٰ سے محروم اور عاری ہیں وہ دارین

کی کامیابی اور ہمیشہ کی لذتوں سے تو خیر محروم ہی ہیں، دُنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری اور سطحی ہوتا ہے اور اندر سے بالکل کھوکھلا ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! یہ چند فوائد صرف مثال کے طور پر ذکر کیے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لیے دُنیا و آخرت کے بے شمار فوائد قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم تمام اللہ تعالیٰ کے مقبول و متقی بندوں میں شامل ہونے کی بھرپور کوشش کریں۔ رمضان المبارک کے روزے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض فرمائے اس میں بھی اخیر میں اسی مقصد کو بیان فرمایا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔

تقویٰ کے تین درجات:

محترم دوستو! جب ہم نے تقویٰ کی حقیقت اور اس کے فوائد وفضائل جان لیے تو اب ہم یہ جانیں گے کہ تقویٰ حاصل کیسے ہوتا ہے؟ ہمیں کیا اسباب وعوامل اختیار کرنے ہوں گے جس سے ہم میں تقویٰ پیدا ہو؟ آسانی سے سمجھنے کے لیے اولاً یہ جان لیں کہ علمائے کرام نے تقویٰ کے تین درجات بیان فرمائے ہیں:

پہلا درجہ:

تقویٰ کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ بندہ کفر اور شرک سے بچ جائے، یہ سب سے کم اور ادنیٰ درجہ ہے، جو الحمدللہ! ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ اور تب ہی تو وہ آخرت کے دائمی عذاب سے محفوظ رہے گا، اسی لیے تقویٰ کا یہ درجہ فرض ولازم قرار دیا گیا ہے، ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ﴾ [الفتح:٢٦]

''انھیں کلمۂ تقویٰ پر مستحکم فرما دیا اور وہ اسی کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل (بھی) تھے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ کلمۂ تقویٰ سے مُراد کلمۂ شہادت ہے۔[1] جس کا دِل وزبان سے اقرار کر کے بندہ ایمان لاتا ہے اور شرک وکفر سے بچتا ہے۔

تقویٰ کا یہ درجہ ہر ایک پر فرض ہے، اسی وجہ سے خطبے میں جو پہلی آیت کریمہ پیش کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے حکم بعد فوراً یہ تاکید فرمائی کہ تمھاری موت اسی حالت میں ہونی چاہیے کہ تم مسلمان ہوں، یعنی مؤمن ہوں، شرک اور کفر سے دور رہنے والے ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''متقی وہ قوم ہے جو شرک اور بت پرستی سے بچتی ہے اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتی ہے۔'' (گلدستۂ تفاسیر: ۱/۴۹)

دوسرا درجہ:

تقویٰ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک انسان جیسے کفروشرک سے بچتا ہے، تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے بھی بچ جائے، یہ درمیانی درجے کا تقویٰ ہے، جو ہر مسلمان پر واجب ہے، اور محاورے میں اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اب جو شخص جتنا زیادہ گناہوں سے بچے گا اور بچنا چاہے گا وہ اُتنا ہی زیادہ متقی ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''متقی شخص وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔'' (گلدستۂ تفاسیر: ۱/۴۸)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے فرمائش کی کہ آپ زُہد وتقویٰ پر ایک کتاب لکھیں! تو

---

(۱) تفسير القرطبي / سورة الفتح / الآية : ٢٦.

آپ نے ارشاد فرمایا: "قَدْ صَنَّفْتُ كِتَابًا فِي الْبُيُوْعِ".[1] میں نے خرید و فروخت اور دوسرے معاملات پر ایک کتاب لکھ دی ہے، مقصد یہ تھا کہ معاملات میں شریعت کے احکام کی پابندی اور محرّمات سے بچنا تقویٰ پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتا ہے اور گناہوں سے بچنا چاہتا ہے ربِ کریم اسے ضرور بالضرور اپنا پیارا بناتے ہیں اور گناہوں سے بچاتے ہیں، چنانچہ آیت قرآنی میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۧ﴾ [العنكبوت : ٦٩]

''اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انھیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے۔''

لہٰذا سب سے بڑا تقویٰ یہی ہے کہ بندہ ہر قسم کے معاصی اور محرّمات سے بچ جائے، جسے یہ درجہ حاصل ہو جائے وہ متقی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴﴾ [الأنفال:٣٤]

''اس کے اولیا (یعنی دوست) تو صرف پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں، مگر ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) جانتے ہی نہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ښ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ۭ﴾ [يونس : ٦٢ - ٦٣]

---

(١) حلية طالب العلم / الصفحة : ١٤٧. دارالعاصمة، المملكة العربية السعودية، رياض.

''خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔ (وہ) ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) تقویٰ شعار رہے۔''

میرے محترم بھائیو! تقویٰ کا یہ دوسرا یعنی درمیانی درجہ ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک بندے پر فرض ہے، اور اسے حاصل کرنا بھی کتنا آسان ہے کہ بندہ معاصی کو چھوڑ دے اور محرّمات سے پرہیز کر لے، بس اتنا کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا ولی بن جائے گا۔

تیسرا درجہ:

تقویٰ کا تیسرا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اللہ اور انجام کے خوف سے تمام گناہوں سے تو بچتا ہی ہو، اس کے ساتھ ساتھ مکروہات اور مشتبہات سے بھی بچ جائے اور اپنے باطن کو غیر اللہ میں مشغول نہ کرے، خیال ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کا، محبّت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی۔ تقویٰ کے زینے کی اس سیڑھی پر پہنچ کر انسان خود میں ضم ہو جاتا ہے، پھر دُنیا کی ساری مرغوبات اور طمع و حرص اس سے کوسوں دور ہو جاتی ہیں۔ یہی حق تقویٰ اور حقیقی تقویٰ ہے۔

سلفِ صالحین اور ان میں بھی خصوصاً متقدمین کا تقویٰ اسی درجے کا تھا۔ اس سلسلے میں متقدمین کے تو بڑے ہی عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

چنانچہ امامنا العلام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے تجارت میں اپنے ایک شریک (حضرت حفص بن عبد الرحمٰن) کے پاس کچھ کپڑا بھیجا، کپڑے کا ایک تھان ذرا سا عیب دار تھا، تو

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ خریدار کو اس سے ضرور آگاہ کر دینا۔ اتفاق سے وہ خریدار کو بتلانا بھول گئے (اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ عیب دار تھان کس کے ہاتھ فروخت کیا؟) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا تو بہت افسوس کا اظہار فرمایا، پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سارے تھانوں سے حاصل ہونے والی قیمت صدقہ کر دی، جس کی رقم تیس ہزار درہم (چاندی کے سکّے) تھی، تاکہ مشتبہ مال سے مکمّل اجتناب ہو۔

(کتابوں کی درسگاہ میں: ۵۲)

یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے، جو فرض تو نہیں، البتہ افضل ضرور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچنا ادنیٰ درجے کا تقویٰ ہے، فسق و فجور سے بچنا اوسط درجے کا تقویٰ ہے، اور ہر اس چیز سے بھی بچنا جس سے اللہ تعالیٰ کی محبّت میں رُکاوٹ پیدا ہوتی ہو، جیسے شکوک و شبہات والی مشتبہ چیزوں وغیرہ سے بچنا اعلیٰ درجے کا تقویٰ ہے۔

تقویٰ کیسے حاصل ہوگا؟

میرے بھائیو! اب ہم بات کریں گے کہ تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا اسباب و وسائل اختیار کرنے ہوں گے؟ تاکہ ہماری زندگی میں تقویٰ پیدا ہو، خطبے میں جو دوسری آیت پیش کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچّے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔'' یعنی ایسے اہل اللہ اور اولیاء اللہ جن کا ظاہر و باطن ایک ہے وہ حقیقت میں صادقین ہیں، اُن کی صحبت اختیار کرنی چاہیے، تاکہ اُن کی صحبت کی برکات ہم میں بھی منتقل ہوں۔ میرے دوستو! صحبت کی تاثیر مسلّم ہے، اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، صحبت غیر شعوری طور پر بھی انسان میں اپنا اثر ضرور دِکھاتی ہے، خواہ صحبت بُری ہو یا اچھّی، بُری صحبت بُرے اثرات پیدا کرے گی اور اچھّی صحبت اچھے اثرات پیدا کرے گی، تو جب ہم اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں، اہل اللہ اور اولیاء اللہ

کی صحبت اختیار کریں گے تو اُن کی برکات سے ہمیں بھی کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور مل جائے گا۔ نیک لوگوں کی صحبت کی تاثیر کے بارے میں حدیث پاک میں مروی ہے:

"قَالَ: يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ".(١)

یہ ایک طویل روایت کا حصّہ ہے، جس میں ایسے بندے کا ذکر ہے کہ جو اتفاقاً نیک لوگوں کی مجلس میں شریک ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجلس کے تمام شرکا کے لیے مغفرت کا اعلان ہوا تو ملائکہ میں سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں بندہ تو ان میں پہلے سے شریک نہیں تھا، وہ تو اپنے کسی کام کے لیے آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ایسے نیک بندوں کی مجلس ہے جن کا ہم نشین بھی ان کی برکات کی وجہ سے محروم نہیں رکھا جاتا۔

بہت سے لوگوں کے دِل میں یہ سوال ہوتا ہے کہ آج کے دور میں اولیاء اللہ ہیں کہاں؟ جن کی صحبت ہم اختیار کریں، ہمیں تو کوئی بھی اسلاف و اکابر جیسا دِکھائی نہیں دیتا، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ عیوب دِکھائی دیتے ہیں، تو یہاں یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں کہ اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہر دور میں رہے ہیں اور رہیں گے، تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ہم اہل ایمان کو ان کی صحبت اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، البتہ یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ اکثر ان بھائیوں کو ہوتا ہے جو موجودہ دور کے اہل اللہ کا تقابل ماضی کے ساتھ کرنے لگتے ہیں، اُن کو ہر اللہ کا ولی اُویس قرنی، حسن بصری، جنید بغدادی اور بایزید بسطامی رحمہم اللہ جیسا چاہیے، یا کم از کم حاجی امداد اللہ، حکیم الامت حضرت تھانوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہم اللہ جیسا تلاش کرتے ہیں، اور جب نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ اب کے دور میں پہلے جیسے اولیاء اللہ نہیں رہے۔ درحقیقت یہ معیار قائم کر لینا غلط

(١) صحيح البخاري / كتاب الدعوات / باب فضل ذكر الله عزّ وجل، الرقم: ٦٤٠٨.

ہے، ہر دور میں موجود بندوں کی طبیعتوں اور اُن کے رُجحانات کے مناسب اہل اللہ ہوا کرتے ہیں، یہی ضابطۂ الٰہیہ ہے، لہٰذا ہمارے دور میں موجود اولیاء اللہ سے رجوع کر کے اُن کی صحبت اختیار کریں، اُن کے ارشادات سنیں اور ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

بُری صحبت سے اجتناب:

میرے دوستو! حصولِ تقویٰ کے لیے جس طرح اچھّی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے اسی قدر بُری صحبت سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے، اچھّی صحبت رقّت قلبی (دِل کی نرمی) کا سبب ہے تو بُری صحبت قساوتِ قلبی (دِل کی سختی) کا سبب ہے۔ ہمارے نوجوان بھائی جو بُرے دوستوں کی صحبت میں رہتے ہیں اُن کو اکثر والدین یا اساتذہ کی نصیحتیں ناگوار معلوم ہوتی ہیں، بطورِ خیر خواہی کوئی اچھّی بات کہی جائے تو اُنھیں بُرا لگ جاتا ہے۔ اُن کی حالت زار کچھ ایسی ہو جاتی ہے:

ناصحا! مت کر نصیحت دِل میرا گھبرائے ہے
میں اُسے سمجھوں ہوں دُشمن جو مجھے سمجھائے ہے

نصیحت اور خیر خواہی کا بُرا لگنا یہ دِل کی سختی اور اس کی مُردنی کی علامت ہے کہ انسان اپنے خیر خواہ کو بھی اپنا دُشمن سمجھنے لگتا ہے۔

حدیث پاک میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھّی اور بُری صحبت کے درمیان کا فرق ایک بہت ہی واضح اور محسوس مثال سے بیان فرمایا:

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ

صَاحِبِ الْمِسْكِ: إِمَّا تَشْتَرِيهِ، أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الْحَدَّادِ: يُحْرِقُ بَدَنَكَ، أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً". (۱)

''کہ نیک اور بُرے ہم نشین کی مثال مشک بیچنے والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے، مشک بیچنے والے ہم نشین سے یا تو آپ خوشبو خریدو گے، یا کم از کم خوشبو محسوس ضرور کرو گے، جب کہ لوہار کی بھٹی یا تو کپڑے کو جلا دے گی، یا بدن کو جلائے گی، یا پھر بد بو سے تو جائے فرار ہے ہی نہیں۔''

بُری صحبت کے ایسے بے شمار منفی اور نقصان دہ اثرات ہی کے پیش نظر حدیث پاک میں اُسے لوہار کی بھٹی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بُری صحبت اُن برکات کے درمیان حائل ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت سے ہم حاصل کرتے ہیں۔

حرام غذا سے پرہیز:

میرے محترم دوستو! تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ہم جن اسباب کو اختیار کریں اُن میں حرام اور مشتبہ رزق سے اجتناب بھی بہت ضروری ہے، انسان کی فطرت یہی ہے کہ جیسی غذا اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے ایسے ہی اعمال اس سے صادر ہوتے ہیں، اعمالِ صالحہ میں پاکیزہ رزق کا بڑا دخل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام رسولوں کو بھی دیا گیا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُواْ صَٰلِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾ [المؤمنون : ٥١]

''اے رُسُلِ (عظام!) تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو (جیسا کہ تمھارا معمول ہے) اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک میں جو عمل بھی تم کرتے ہو اس سے خوب

(۱) صحيح البخاري / كتاب البيوع / باب في العطار وبيع المسك، الرقم : ٢١٠١.

واقف ہوں۔''

اس آیت کریمہ میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ پاکیزہ رزق کھانے کے حکم کے بعد فوراً اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکیزہ رزق کا تعلق اعمالِ صالحہ کے ساتھ ہے۔ ہمارے اسلاف واکابر کے بارے میں کئی واقعات ایسے منقول ہیں کہ مشتبہ چیز بھی کھانے سے اُن کو روحانی برکات میں کمی محسوس ہوتی تھی۔

خلاصہ:

میرے بھائیو! گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جب ہم نے تقویٰ کی حقیقت، اہمیت اور اس کے فوائد جان لیے تو اب ایسے اسباب بھی ہمیں اختیار کرنے ہوں گے جو تقویٰ کے حصول میں ہمارے لیے معاوِن ہوں، ان میں نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا، بُری صحبت سے بچنا، حرام غذا سے بچنا اور دُعا کا اہتمام بنیادی چیزیں ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ تعلیم اُمّت کی خاطر اللہ تعالیٰ سے ہدایت وتقویٰ کی دُعا مانگتے تھے:

"عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَىٰ وَالتُّقَىٰ، وَالْعَفَافَ وَالْغِنَىٰ". (۱)

''اے اللہ! میں آپ سے ہدایت وتقویٰ، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دُعا کریں کہ اے اللہ! آپ ہمیں آپ کے خوف وخشیت اور تقویٰ کی دولت عطا فرمادیجیے کہ ہم ظاہر وباطن میں، خلوت وجلوت میں ہر جگہ اور ہر وقت آپ سے ڈرنے والے بن جائیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

(۱) صحيح المسلم / كتاب الذكر والدعاء / باب التعوذ من شر ما عمل، الرقم: ۲۷۲۱.

روزے کے
دینی و دُنیوی فوائد

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ١٨٣﴾ [البقرة : ١٨٣]

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "الصَّوْمُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ."(١)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ماہِ رمضان ایک عظیم نعمت:

محترم برادرانِ اسلام، عزیزو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے ہم سب کی زندگی میں پھر ایک مرتبہ رمضان المبارک کا قیمتی مہینہ عطا فرمایا، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرادا کریں کم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان کی اتنی بڑی نعمت دی کہ حدیث پاک میں مروی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مہینے پہلے رمضان تک پہنچنے کی دُعا مانگی:

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ."(٢)

نیز ایک روایت میں ہے کہ ایک رمضان ختم ہونے کے بعد عید الفطر کے دِن

(١) صحيح البخاري / كتاب التوحيد / باب قول الله تعالىٰ: يريدون أن يُبدِّلوا... الرقم: ٧٤٩٢.
(٢) شعب الإيمان للبيهقي/ باب تخصيص شهر رجب بالذكر، رقم الحديث : ٣٥٣٤.

سے آئندہ آنے والے رمضان کے لیے جنّت کو خوشبو کی دھونی دی جاتی ہے۔ (١)

ہمارے یہاں جب کوئی معزز مہمان آتا ہے تو اُسے بد بو سے تکلیف نہ ہو اس لیے ہم روم فریشنر (Room Freshner) کا استعمال کرتے ہیں، خوشبو کا چھڑکاؤ کرتے ہیں، اسی طرح رمضان کے استقبال کے لیے جنّت کو خوشبو کی دھونی دی جاتی ہے، جنّت تو سراپا خوشبو کی جگہ ہے، لیکن پھر بھی اس میں رمضان المبارک کے اعزاز میں خوشبو کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے، یہ اتنا مبارک مہینہ ہے۔

ہمیں اس مبارک مہینے کی قدر کرنی ہے، اس کی اَہمیت اور فضیلت کو سمجھنا ہے کہ کتنا مبارک مہینہ ہے، کتنا قیمتی مہینہ ہے۔ اور خطبے کے دوران جو آیت کریمہ پڑھی گئی اس کی مختصر تفصیل اور تشریح کرنی ہے اور اس مبارک مجلس میں روزے کے فوائد بتانے ہیں کہ روزہ رکھنے کے کیا کیا فائدے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مؤمنین سے خطاب:

قرآن مجید کے دوسرے پارے کی جو آیت کریمہ پڑھی گئی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! اے میرا حکم ماننے والو! اے توحید کے علمبردارو! اے روزِ اَزل سے حسن حقیقی کے ساتھ پیمانۂ وَفا رکھنے والو! اللہ تعالیٰ نے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا﴾ کا لفظ پورے قرآن مجید میں ۸۹ مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔

رئیس المفسرین حبر الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب اپنے شاگردوں کو تفسیر پڑھاتے اور قرآن مجید میں ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا﴾ کا لفظ آتا تو آپ فرماتے: لوگو! سنبھل جاؤ، احکم الحاکمین رب العالمین تم سے براہِ راست خطاب فرما رہے ہیں۔

(١) عمدة القاري / كتاب الصوم / باب هل يقال "رمضان" أو "شهر رمضان"؟ ١٠ / ٢٦٩.

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت کریمہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری ماننے والو! ہمیں براہِ راست پکار کر روزے کا حکم فرمایا ہے۔

دنیا کا بادشاہِ وقت اگر کسی بھنگی (باتھ روم صاف کرنے والے) کو ڈائریکٹ آڈر کرے اور بیچ میں کسی واسطے کو استعمال نہ کرے تو وہ بھنگی اپنے لیے بہت فخر کی بات سمجھے گا کہ بادشاہ نے ڈائریکٹ مجھے آرڈر دیا ہے، تو جو تعلق اور نسبت بادشاہِ وقت اور بھنگی کے درمیان ہے اس سے بدرجہا بلند نسبت ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے، کہ بادشاہِ وقت اور بھنگی دونوں انسان ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین، خالق، مالک اور رازق ہیں، اور ہم سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس رب العالمین نے ہمیں ایمان کے لقب کے ساتھ خطاب فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں ۸۹ مرتبہ اس طرح خطاب فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے میری ماننے والو! تو یہ ہمارے لیے کس قدر اعزاز اور خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں براہِ راست خطاب فرمایا ہے۔

فرضیت صیام:

آگے فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے۔ ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جس طرح تم سے پچھلی اُمتوں کے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے۔ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں، ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ﴾ کا لفظ بتارہا ہے کہ ایمان والوں پر روزہ انتہائی اَہم فرض ہے۔ "كُتِبَ" اور "عَلٰی" کا لفظ ہے، یہ دونوں بتارہے ہیں کہ فرضیت کی اَہمیت بہت زیادہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہم نے بہت سی مرتبہ سنی اور پڑھی

ہے: "بُنِيَ الإسْلَامُ عَلىٰ خَمْسٍ" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اسلام کی بنیاد اور اُس کا فاؤنڈیشن (Foundation) جن پانچ پلرس (Pillars) ستونوں پر ہے اُن میں سے ایک رمضان کا روزہ ہے۔ (۱)

ان دونوں چیزوں کو ملایا جائے تو رمضان کے روزے کی اُہمیت اور اس کی فرضیت کا مقام سمجھ میں آتا ہے۔ اگر کوئی ایمان والا جان بوجھ کر بلا کسی عذر کے روزہ نہیں رکھتا تو گویا اس کے اسلام کی بنیاد اَدھوری اور ناقص ہے، اس سے اسلام کا ایک اَہم رُکن ترک ہو رہا ہے اور اس کی دینی عمارت ناقص ہو رہی ہے، بلا کسی مجبوری اور ضرورتِ شدیدہ کے اسلام میں روزوں کو چھوڑنا ناجائز اور حرام ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة:١٨٤]

ایسا مرض اور ایسی بیماری کہ مسلمان ماہر ڈاکٹر نے روزہ نہ رکھنے کی تاکید کی ہو کہ روزہ رکھنے سے تمھاری بیماری بڑھ جائے گی یا یہ کہ روزہ رکھنا تمھارے لیے مہلک اور جان لیوا ہوسکتا ہے تو ماہر ڈاکٹر کے مشورے سے روزہ چھوڑنے کی رُخصت ہے۔

﴿أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ سفر شرعی۔ اس سفر کی بنیاد پر بھی روزہ نہ رکھنے کی اِجازت ہے، لیکن اُس میں بھی قرآن مجید نے یہی کہا ہے کہ ﴿وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اگر مجبوری اور پریشانی نہ ہو اور برداشت کر سکتے ہو تو تمھارے لیے روزہ رکھ لینا بہتر ہے، اس لیے کہ یہ ایک روزہ تمھاری زندگی کا قضا ہو جائے گا۔ اور حدیث پاک میں مروی ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے اور اس کے بعد پوری زندگی روزہ رکھتا رہے تب بھی رمضان کے ایک روزے کی برابری نہیں ہوسکتی۔ (۲)

(١) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب دعاءكم إيمانكم/ الرقم : ٨.

(٢) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب إذا جامع في رمضان، أبوداود، الرقم : ٦٣٩٦، الترمذي، الرقم : ٧٢٣.

رمضان کے بعد چھوٹا ہوا روزہ رکھنے سے قضا تو ہو جائے گی، لیکن جو مقام و مرتبہ اور جو فضیلت و برکت رمضان المبارک کے روزے کی ہے وہ بعد میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

روزے کے سلسلے میں مسلمانوں کی کوتاہیاں:

آج مسلمان معمولی سے اَعذار اور حیلوں و بہانوں کی بنیاد پر روزہ چھوڑ دیتے ہیں کہ مجھے شوگر ہے، آپ نے ماہر ڈاکٹر سے پوچھا؟ مفتی صاحب سے پوچھا کہ آپ کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اِجازت ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہاں تک عذر کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! مجھے ذرا بیڑی پینے کی عادت ہے، چار پانچ گھنٹے بیڑی نہیں پیتا تو میرا سر چکرانے لگتا ہے، اس لیے میں روزہ نہیں رکھتا، اب یہ کوئی عذر تھوڑی ہے جس کی بنیاد پر اسلام کا فرض روزہ چھوڑ دیا جائے!

بڑے بڑے شہروں میں اور مسلم محلوں میں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ ہوٹلیں کھلی ہیں، ہوٹل کے مسلمان مالکان ہوٹل کے دروازے پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اَندر کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے، سمجھنے والی بات یہ ہے کہ میرے پیارے! تو نے انسانوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے یہ پردہ لگا دیا ہے اور اَندر سب کام چل رہا ہے، کیا ایسا بھی کوئی پردہ ہے جو اس رب العالمین کی نگاہ سے بچا سکتا ہو؟ ہرگز نہیں، اس لیے کہ وہ تو دِل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾﴾ [المؤمن : ١٩]

’’اللہ تعالیٰ نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ دلوں میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔‘‘

روزے کی فضیلت:

ہمیں روزے کی فرضیت اور اہمیت کو سمجھنا ہے، حدیث پاک میں نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ."(۱)

''جس ایمان والے بندے نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ، تو اس کے سارے اگلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔''

یہاں دو چیزیں بتائی گئیں: (۱) ایمان کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔

اس حدیث پاک کو سمجھنا ہے کہ رمضان کے روزے میں دو شرطیں پائی جائیں گی تو اگلے سب گناہ معاف ہوجائیں گے:

(۱) "إِيْمَانًا" ایمان کی حالت میں روزہ رکھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان کی قید کیوں لگائی؟ بہت سارے واقعات اور خبریں ہم پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ فلاں غیر مسلم شخص اِتنے سالوں سے روزہ رکھتا ہے، اور فلاں بندہ ۲۷ رمضان المبارک کا روزہ ہر سال رکھتا ہے، حالانکہ وہ مسلمان نہیں ہے، تو یہ لوگ روزہ تو رکھتے ہیں، لیکن انھیں وہ ثواب اور مقام نہیں ملے گا جو ایمان والوں کو ملتا ہے، ایمان والا بندہ اگر روزہ رکھے گا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی، غیر مسلم کو یہ فضیلت نہیں ملے گی۔

(۲) "اِحْتِسَابًا" اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھے کہ اِس روزے پر اللہ تعالیٰ مجھے کیا عطا فرمائیں گے اور مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

(۱) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، الرقم: ۳۸.

مجھے آج کی مجلس میں یہ بات زور دے کر سمجھانی ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں روزے کے حوالے سے دِل و دِماغ پر ایک غلط فہمی چھائی ہوئی ہے کہ روزہ بہت طویل اور سخت ہے، اس کو اِتنا بولا جارہا ہے، اِتنا دِماغ پر لیا جارہا ہے کہ بار بار بولنے کی وجہ سے روزے کی سختی محسوس ہورہی ہے، لوگ ریسرچ کررہے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ پچھلے تینتیس (۳۳) سال اور پچھلے چھتیس (۳۶) سال کا سب سے طویل روزہ اس سال کا ہے۔

ارے پیارو! اگر اس سال کا روزہ سب سے بڑا ہے تو اس کا ثواب بھی سب سے بڑا ہوگا، یہاں تک ریسرچ ہورہا ہے کہ کس ملک کا روزہ سب سے بڑا ہے اور کہاں کا روزہ سب سے چھوٹا ہے؟ پھر دِل ہی دِل میں یہ تمنا بھی انگڑائی لے رہی ہوتی ہے کہ کاش! میں بھی آرجنٹینا پہنچ جاؤں اور وہاں کے گیارہ گھنٹے کے روزے میں میرا بھی کام چل جائے، ''روزہ بہت بڑا ہے'' اس ہوّے کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

"اِحْتِسَابًا" اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھنا چاہیے کہ اگر روزہ بڑا ہے تو اس کا ثواب بھی بہت بڑا ملے گا۔

مَحبت مشکل کام کو آسان بنانے کا نسخہ:

اور ایک بات یاد رکھیے کہ محبت مشکل سے مشکل کام کو آسان کردیتی ہے، جب دِل میں محبت ہوتی ہے، دل میں کسی کی محبت کی آگ لگ جاتی ہے تو مشکل ترین کام بھی آسان ہوجاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں راسخ ہو تو طویل سے طویل روزہ بھی آسان معلوم ہوگا۔

ڈائٹنگ (Dieting) کے لیے لوگ کتنے بھوکے رہتے ہیں، اپنے بدن کی فٹنیس (Fitness) کے لیے لوگ کتنی مشقت برداشت کرتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہمیں اِتنی بھی محبت نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام پر بھوکے رہ سکیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ہوّے کو ختم کیا جائے اور اپنے دِل و دِماغ میں یہ بات بٹھالی جائے: "اِحْتِسَابًا" کہ مجھے کس قدر عظیم ثواب ملنے والا ہے۔ ثواب کی اُمید ذہن میں رکھو اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں بٹھالو، یہ محبت اگر دِل میں راسخ ہوگی تو بڑے سے بڑا روزہ رکھنا آسان ہوجائے گا۔

بہرحال مجھے "اِحْتِسَابًا" پر خاص توجہ دلانی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھا جائے۔

علم اور یقین دونوں الگ الگ چیزیں ہیں:

آج کے دور میں ایمان والے بہت سے اعمال کی فضیلت کا علم رکھتے ہیں، دیکھو! فضیلت کا علم الگ چیز ہے، اور اس فضیلت کا یقین الگ چیز ہے، مثلاً ہم نے حدیث پاک میں سنا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنے پر دَس نیکیاں ملتی ہیں۔ (۱)

یہ بات ہمارے علم میں ہے، اکثر لوگ جانتے ہیں کہ ایک حرف پڑھنے پر دَس نیکیاں ملتی ہیں، یہ علم الگ چیز ہے اور اس علم کا یقین الگ چیز ہے کہ مجھے ضرور دَس نیکیاں ملیں گی۔ اب اس یقین کا مقتضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے۔

ہمارے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس یقین کا فرق ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی علم تھا اور ہمیں بھی علم ہے، لیکن ہمارا یقین کمزور ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یقین پختہ تھا۔

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب فضائل القرآن / باب من قرأ حرفا...الخ، الرقم : ۲۹۱۰.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یقین:

ہم نے صحابی رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنا ہے کہ انھیں کسی نے آ کر خبر دی کہ حضرت! آپ کا مکان جل گیا ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، میرا مکان نہیں جلا، اُس شخص نے کہا کہ ہم دیکھ کر آ رہے ہیں کہ آپ کا مکان جل گیا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ نہیں جلا، چلو! جا کر دیکھتے ہیں، جب جا کر دیکھا تو پتا چلا کہ گھر کے قریب تک آگ آ چکی تھی، لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے گھر کو آگ نہیں لگی، اس شخص نے پوچھا کہ آپ اِتنے اعتماد اور یقین کے ساتھ کیسے فرما رہے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک دُعا سنی ہے، اس دُعا کی فضیلت میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی کہ جو بھی اس دُعا کو پڑھنے کا اہتمام کر لے تو دِن بھر اس بندے پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی، اور آج صبح میں نے یہ دُعا پڑھی تھی۔

وہ دُعا یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، مَا شَاءَ اللهُ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، أَعْلَمُ أَنَّ اللهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا، إِنَّ رَبِّيْ عَلىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ."(۱)

حاصل یہ کہ "اِحْتِسَابًا" یعنی ثواب ملنے کا یقین ہو کہ ضرور یہ فضیلت اور

(۱) عمل اليوم والليلة / باب ما يقول إذا أصبح / الرقم : ٥٧.

نعمت ہمیں مل کر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا:

﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [البقرۃ : ۱۸۳]

اے اُمت محمدیہ! (عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) یہ روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں ہیں، بلکہ پچھلی اُمتوں پر بھی فرض تھے، ''از آدم تا ایں دَم''، بلکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ دُنیا میں جتنے مذاہب اور ریلیجنس (Religions) ہیں سب میں روزے کی شکل پائی جاتی ہے، صورتیں الگ ہیں، نام اور طریقے الگ ہیں، کوئی اُپواس کہتا ہے، کوئی کچھ اور کہتا ہے، شکلیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن روزے کا تصور تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

روزے کے فوائد:

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾﴾ [البقرۃ : ۱۸۳]

اصل بات اس مجلس میں آج یہی بتانی ہے کہ روزے کے فوائد کیا ہیں؟ اگر کوئی آقا و مالک اپنے غلام ونوکر کو کسی کام کا حکم دے کہ تجھے فلاں کام کرنا ہے، تو اس آقا کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اگر تو اس کام کو کرے گا تو میں تجھے فلاں انعام دوں گا، تجھے یہ فائدہ ملے گا، اور نہ ہی اُس غلام ونوکر کو یہ پوچھنے کا اختیار ہے، لیکن قربان جائیے اس آقا احکم الحاکمین ورب العالمین پر کہ اس نے ہمیں جو حکم فرمایا اس کا فائدہ بھی بتایا کہ دیکھو مسلمانو! یہ کام کرو گے تو تمھیں یہ فائدہ ہوگا، نماز پڑھو گے تو تمھیں یہ فائدہ ہوگا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ﴾ [العنکبوت : ٤٥]

''نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔'' اور روزہ رکھو گے تو کیا فائدہ ہوگا؟

فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝١٨٣﴾ تمھاری زندگی میں تقویٰ آئے گا۔

اب روزے کے فوائد سمجھ لیجیے، روزے کے فوائد کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(١) روزے کے دُنیوی فائدے۔

(٢) روزے کے اُخروی فائدے۔

روزے کے دُنیوی فوائد:

(١) روزے کا دُنیوی فائدہ یہ ہے کہ روزہ رکھ کر جب بندہ بھوکا رہتا ہے تو اُسے غریب کی غربت اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اس کے تئیں اس کا دِل نرم ہوتا ہے کہ میں سال بھر میں گیارہ مہینے تک کھاتا رہتا ہوں، وہیں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، جن کے گھر میں ایک وقت کی روٹی مشکل سے بنتی ہے، اُن کے گھر کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟ ہمیں سال بھر اس کا احساس نہیں ہوتا، تو روزہ ہمیں غریب کی غربت کا اور اس کی تکلیف کا اِحساس دِلاتا ہے، جس سے انسان کا تکبّر ٹوٹتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار بندہ بنتا ہے۔

(٢) روزے کا دوسرا دُنیوی فائدہ: طبرانی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے: "صُوْمُوْا تَصِحُّوْا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ رکھو! تندرست ہو جاؤ گے۔ [١]

معلوم ہوا کہ روزہ انسان کی تندرستی کا ضامن ہے، اس سے انسان تندرست

---

(١) رواه الطبراني في المعجم الأوسط / باب الميم / من اسمه موسىٰ، الرقم : ٨٣١٢.

رہتا ہے۔

روزہ معدے کی سروس:

ہمارا معدہ ایک قسم کی مشین ہے، جب نئی گاڑی شوروم سے خریدتے ہیں تو اسے سال بھر مسلسل نہیں چلاتے، بلکہ کچھ مہینوں کے وقفے سے اس کی سروِس کرانی پڑتی ہے، اسی طرح ہمارے پیٹ کی مشین جو معدے کی شکل میں ہے، رمضان اس کی سروِس کا مہینہ ہے، معدے کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ انسانی صحت کا ضامن ہے۔

(۳) روزے کا تیسرا دُنیوی فائدہ: فضائلِ اَعمال کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان صبر کا عادی بن جاتا ہے، یہ بھی کتنا عظیم فائدہ ہے۔

یہ صبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ آسان مثال سے سمجھیے کہ ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ روزانہ دَس بجے اپنے گھر پہنچتا ہے، گھر کا نظام الاوقات طے ہے کہ بیگم صاحبہ مامور ہیں کہ سوادس بجے دسترخوان تیار کردیں، ایک دِن معمول کے مطابق وہ آدمی گھر پہنچا، لیکن اتفاق سے سوا دَس بجے دسترخوان تیار نہیں ہوسکا، بیوی نے کہا کہ میرے سردار! پندرہ منٹ رُک جائیں، کھانا تیار ہوجائے گا، اب جناب کا پارہ چڑھ گیا اور کہنے لگے کہ تمھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ میں صبح کا بھوکا پیاسا آتا ہوں، اور کھانے کا وقت ہوچکا، پھر بھی اب تک کھانا تیار نہیں ہوا؟ اِسے کہتے ہیں بے صبری۔

جو بندہ پندرہ منٹ کے لیے بھوک برداشت نہیں کرسکتا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر پندرہ گھنٹے تک بھوکا رہ سکتا ہے، تو اب اس بندے کے لیے پندرہ منٹ کی بھوک برداشت کرنا آسان ہوجائے گا، اس طرح روزے سے انسان کا نفس صبر کا عادی بن

جاتا ہے۔

(۴) روزے کا چوتھا دُنیوی فائدہ: حدیث پاک میں یہ بتایا گیا کہ جو شخص مالی تنگی یا کسی اور وجہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ زنا کاری میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گا۔

"وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ."[۱]

روزہ انسان کی شہوانی قوت کو روکنے اور توڑنے والا ہے، لہٰذا شہوت پر لگام رکھنے کے لیے بھی روزہ رکھنا ضروری ہے، یہ بھی روزے کے بڑے فوائد میں سے ہے۔ حاصل یہ کہ روزہ رکھنے سے بندے کو اپنی نفسانی خواہشات وشہوات پر قابو حاصل ہوتا ہے، جس سے نفسانی شہوات کے غلط استعمال سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۵) روزے کا پانچواں دُنیوی فائدہ: بیہقی کی روایت میں ہے کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے، اور انسان کے بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔[۲]

جس طرح ہم مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں اسی طرح بدن کی زکوٰۃ روزے کی شکل میں ادا ہوتی ہے۔

(۶) روزہ رکھنے سے قوتِ ارادی، وِل پاور (Willpower) مضبوط ہوتی ہے۔ اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابو طالب کو جب قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ دین پر خوب طعنے دینا شروع کیا تو چچا ابو طالب نے ان سے پریشان ہو کر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ بھتیجے! اَب مجھ پر اِتنا بوجھ مت لادو جو

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة / رقم الحديث: ۱۹۰۵. ومسلم/ رقم الحديث: ۱۴۰۰.

(۲) سنن ابن ماجه / كتاب الصوم / باب في الصوم زكوٰة الجسد / رقم الحديث : ۱۷۴۵، شعب الإيمان للبيهقي/ الجزء: ۵ / الصفحة :۱۹۸.

میری برداشت سے باہر ہو، دُشمنوں کے طعنے سن کر میں پریشان ہو گیا ہوں، اس میں اشارہ تھا کہ آپ اپنے تبلیغ کے کام سے باز آجایئے! اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً جو جملہ ارشاد فرمایا وہ قوتِ اِرادی کی یادگار مثال ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَا عَمِّ! وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ."[1]

اگر یہ دُشمن میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، میں اپنی تبلیغ کا کام جاری ہی رکھوں گا۔ اسے کہتے ہیں قوتِ اِرادی۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی تعریف میں جمعہ کے خطبے میں ہم سنتے ہیں: "أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوْ بَكْرٍ."[2] میری اُمت میں سب سے زیادہ رحم دِل شخص ابوبکر ہیں۔ زبانِ رسالت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ رحم دِل ہونے کا خطاب ملا، لیکن آپ کی قوتِ اِرادی اس قدر مضبوط تھی کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرماگئے، اور ایک قبیلے کے لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکالی اور فرمایا کہ جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اونٹ کی رَسّی بھی دیتا تھا تو اُسے بھی میں آج تلوار کے زور پر وصول کر کے رہوں گا۔[3]

---

(١) البداية والنهاية: ٣ / ٤٧ - ٤٨. الإسلام قبل الهجرة / باب أمر الله رسوله بإبلاغ الرسالة.

(٢) سنن الترمذي / أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب مناقب معاذ بن جبل / رقم الحديث: ٣٧٩٠. سنن ابن ماجه : ١٥٤.

(٣) صحيح البخاري / كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة / باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم / رقم الحديث : ٧٢٨٥، البداية والنهاية : ٦ / ٣١١.

اس کا نام ہے قوتِ اِرادی۔ اور ایسی مضبوط قوتِ اِرادی کے حصول میں روزہ بے حد معاون ہے۔

(۷) اسی طرح روزے کا دُنیوی آخری فائدہ یہ ہے کہ جسم انسانی میں بیماریوں سے لڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ دِفاع (Immunity) رکھی ہے اُسے تقویت حاصل ہوتی ہے، اس کو دلیل سے سمجھو! دنیا میں جتنی تعداد میں انسان بستے ہیں اُن کو بیماریاں بھی ہوتی ہیں، ان کے ڈاکٹر اور حکیم بھی الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن کیا جتنی تعداد میں دنیا میں جانور رہتے ہیں اُن کے بھی ڈاکٹر اسی تعداد میں ہیں؟ نہیں، اُن کے ڈاکٹر انسانوں کے مقابلے میں کم کیوں ہیں؟ وہ اس لیے کہ اکثر جانور اپنی بیماری کا ایک گھریلو علاج یہ جانتے ہیں کہ جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں، یہ کھانا چھوڑ دینا ان کی شفایابی کا سبب بن جاتا ہے، جسم میں بیماری سے لڑنے کے لیے جو قوتِ دِفاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے بھوک سے اُسے مضبوطی ملتی ہے، لہٰذا جانور بھوکا رہ کر اپنی بیماری دور کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ روزے کا ایک دُنیوی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے جسم کی قوتِ دِفاع کو تقویت مل جاتی ہے۔

روزے کے اُخروی فوائد:

اب روزے کے اُخروی فوائد بھی ملاحظہ فرمائیں!

(۱) روزے کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فائدہ وہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں بیان فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة:۱۸۳] روزہ رکھنے کی وجہ سے تمھاری زندگی میں تقویٰ پیدا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہوگا۔

روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ڈر کیسے پیدا ہوگا؟ تو

اسے مثال سے سمجھیے کہ روزے کی حالت میں ہم ایک بند کمرے میں ہوں، جہاں فریج بھی موجود ہو، پانی بھی موجود ہو، لیکن ہم نہیں پیتے، کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، یہاں تک کہ وضو میں کُلّی کرنے کے لیے جو پانی منہ میں ڈالا ہے اس میں بھی ہم احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں حلق میں کوئی قطرہ نہ اُتر جائے، میرا روزہ ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، یہ تصوّر ہمیشہ رہتا ہے، تقویٰ یہ ہے کہ ہمیں ہر وقت اس بات کا استحضار رہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس لیے مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے، اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے، اور یہی روزے کے ذریعے چاہا جارہا ہے، جس کی مشق اس طرح کرائی جاتی ہے کہ تین جائز چیزوں (کھانا، پینا اور جماع) کو چھوڑ دو، اور ٹریننگ اس طرح ہوئی کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مان کر ایک مہینے تک تین جائز چیزیں چھوڑ سکتا ہے تو وہ گیارہ مہینے کی زندگی میں حرام چیزوں کو بآسانی چھوڑ سکتا ہے۔

ایک وہم کا اِزالہ:

یہاں کسی کو سوال ہوسکتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے تو معلوم ہوا کہ روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ سچا کلام کسی کا نہیں ہوسکتا:

﴿وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴾ [النساء: ۸۷]

﴿وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا ﴾ [النساء: ۱۲۲]

اس آیت کریمہ کے تناظر میں ہم اپنے گریبان میں جھانکیں تو پتا چلے گا کہ ہم میں سے کوئی تیس پینتیس سال سے روزہ رکھ رہا ہے، کوئی چالیس پچاس سال سے روزہ رکھ رہا ہے، تو پھر اتنے سالہا سال کے روزے ہم میں اللہ تعالیٰ کا ڈر کیوں پیدا نہیں کر رہے ہیں؟ ہماری زندگیوں میں تقویٰ کہاں ہے؟ جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو اس کا فائدہ

کیوں نظر نہیں آ رہا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: "اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ"[(۱)] روزہ ڈھال ہے۔ڈھال کسے کہتے ہیں؟ ڈھال اس آلے کا نام ہے جس سے دُشمن کے حملے کو روکا جائے،تو روزہ ڈھال ہے،جس کے ذریعے نفس وشیطان کی طرف سے ہونے والے حملوں کو روکا جاتا ہے۔

لیکن میرے بھائیو! اگر ڈھال پھٹی ہوئی ہو تو وہ دُشمن کے حملوں کو روکنے میں ناکام رہے گی اور دُشمن وار کرنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جائے گا، اسی طرح ہمارے روزے بھی کوتاہیوں سے خالی نہیں ہیں، اسی لیے اُن سے جو فوائد ہمیں حاصل ہونے چاہیے تھے وہ نہیں ہو رہے ہیں۔

ہمیں اگر بس (Bus) کے ذریعے سفر کرنا ہو تو ہم ٹکٹ خریدتے ہیں،ٹکٹ خریدتے وقت اگر کنڈکٹر کو ہم پھٹا ہوا نوٹ دیں تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا، وہ فوراً کہے گا کہ یا تو دوسرا نوٹ دو یا بس سے اُتر جاؤ، جب اس فانی دُنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے پھٹا ہوا نوٹ کام نہیں دیتا تو ظاہر سی بات ہے کہ کوتاہیوں سے بھرے ہوئے روزوں کے ذریعے ہم میں تقویٰ کیسے پیدا ہوگا؟ اور ہمیں جنّت کا ٹکٹ کیسے مل سکے گا؟

ہمارے روزے مختلف قسم کی کوتاہیوں سے بھرے ہوئے ہیں، روزے میں ہم تینوں چیزیں تو چھوڑ دیتے ہیں،لیکن غیبت پھر بھی ہوتی ہے، بدنگاہی بھی ہوتی ہے، زبان پر جھوٹ بھی جاری رہتا ہے، درحقیقت ان گناہوں کے سبب ہمیں روزے کا نور اور تقویٰ حاصل نہیں ہو پاتا۔

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب الإيمان / باب ما جاء في حرمة الصلوٰة / رقم الحديث : ۲٦۱٦.

ایک حسّی مثال:

دیکھو! ہم کسی عالی شان مسجد میں بیٹھے ہوں، جہاں اے سی کی ٹھنڈک، کولنگ (Cooling) سے ہم فائدہ اُٹھارہے ہوں، تو اس ٹھنڈک کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں دو باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، ایک یہ کہ اے سی کی سوئچ آن (Switch on) ہو اور دوسرا یہ کہ تمام دروازے اور کھڑکیاں ہمیں بند رکھنی ہوں گی، تب ہی ہم اے سی کی ٹھنڈک سے فائدہ اُٹھا سکیں گے، اسی طرح روزے کی روحانیت اور نورانیت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ہمیں دو کام کرنے پڑیں گے، ایک تو سحری یا نیت کے ذریعے سوئچ آن کرنی پڑے گی، اور دوسرا کام یہ کہ دِن بھر گناہوں کو ترک کرنا ہوگا، اگر ہم نے سحری کے ذریعے روزے کی سوئچ تو آن کر دی، لیکن گناہوں کی کھڑکیاں اور دروازے بند نہیں کیے تو روزے کا نور اور تقویٰ ہماری زندگی میں پیدا نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ سالہا سال کے روزے بھی ہماری زندگیوں میں تقویٰ کا انقلاب پیدا نہیں کر پا رہے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ روزے کا اُخروی فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہماری زندگیوں میں تقویٰ پیدا ہوگا۔

(۲) روزے کا دوسرا اُخروی فائدہ: ایک حدیث قدسی میں مروی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" الصَّوْمُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ."(۱)

”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“

(۱) صحيح البخاري / رقم الحديث : ۷٤۹۲.

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم جتنی بھی عبادتیں کرتے ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی تمام عبادتوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں، پھر اس حدیث پاک میں خصوصی طور پر روزے ہی کے بارے میں یہ کیوں فرمایا کہ ”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“

شراحِ حدیث نے اس سوال کے جواب میں فرمایا ہے کہ ہم جتنی عبادتیں کرتے ہیں اُن تمام میں سب سے زیادہ اِخلاص روزے میں پایا جاتا ہے، روزے میں اعلیٰ درجے کا اِخلاص ہے، اور وہ اس لیے کہ دیگر عبادتوں کی کیفیت میں غور کریں تو پتا چلے گا کہ اگر ہم مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں تو سب دیکھیں گے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، گھر میں نماز پڑھیں گے تو گھر والے دیکھیں گے کہ نماز پڑھ رہے ہیں، زکوٰۃ دے رہے ہوں تب بھی غریب کو پتا چلے گا کہ سیٹھ صاحب نے مجھے زکوٰۃ دی ہے، اور ہمارے معاشرے میں حج کے تو کیا کہنے! مہینوں پہلے سے اعلان شروع ہو جاتا ہے کہ حاجی صاحب فلاں تاریخ کو سفرِ حج پر روانہ ہوں گے، دعوتِ طعام دی جا رہی ہے، پھر سفرِ حج سے واپسی پر بھی اِعلان ہوتا ہے کہ حاجی صاحب حج کر کے تشریف لائے ہیں، اب یہ ”حاجی صاحب“ کہلاتے ہیں، ایک فرض عبادت کی ادائیگی پر یہ ڈگری مل گئی! حالانکہ فرض کی ادائیگی تو ضروری ہے، اس پر اس قسم کے اَلقاب دیے جائیں تو نماز پڑھنے پر نمازی، روزہ رکھنے پر رمضانی، زکوٰۃ دینے پر زکاتی بھی ہونا چاہیے! یہ ہمارے معاشرے کا بگاڑ ہے کہ حج جیسی فرض عبادت کی ادائیگی پر خود کو ”حاجی صاحب“ کہلوانا حج کے اِخلاص کو ضائع کرنا ہے۔

معاشرے میں رِیاکاری کا بگاڑ:

اس رِیاکاری کا بگاڑ ہمارے معاشرے میں کس حد تک پھیل گیا ہے اس کا اندازہ ایک حکایت سے لگائیے کہ ایک ایسے ہی حاجی صاحب کے یہاں کچھ مہمان آئے، میزبان حاجی صاحب نے اُن کی خاطر داری کے لیے اپنے بیٹے کو پکارتے ہوئے کہا: بیٹا! مہمان آئے ہیں، ان کو آبِ زَم زَم پلاؤ، اور اُس صراحی سے پلاؤ جو ہم سولہویں حج کے موقع پر لائے تھے۔ حاجی صاحب دراَصل یہ بتانا چاہتے تھے کہ انھوں نے سولہ حج کیے ہیں۔ ایسی رِیاکاری عمل کی برکت اور ثواب کو ختم کر دیتی ہے۔

بہرحال روزے میں اِخلاص دیگر تمام عبادات کے مقابلے میں زیادہ پایا جاتا ہے، اس لیے کہ جب تک روزے دار بندہ خود نہ بتائے وہاں تک اس کا روزے دار ہونا کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا، روزے دار کی ظاہری ہیئت دیکھ کر کوئی نہیں بتا سکتا کہ حضرت روزے سے ہیں یا ''روز جیسے'' یعنی بغیر روزے کے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ بندہ روزے سے ہے یا نہیں، لٰہذا روزے میں اِخلاص زیادہ پایا جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "الصَّوْمُ لِيْ" روزہ میرے لیے ہے۔ پھر روزے کا فائدہ بھی بیان فرمایا کہ "وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ" روزے کا ثواب میں خود دوں گا۔

ہم جتنے بھی نیک اَعمال کرتے ہیں اُن کا ثواب اللہ تعالیٰ ہمیں فرشتوں کے ہاتھوں دِلواتے ہیں، لیکن روزے کے ثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزے کا ثواب اس قدر عظیم ہے کہ میں خود اپنی جانب سے اس کا بدلہ دوں گا، درمیان میں فرشتوں کا واسطہ نہیں ہوگا۔ سوچو کہ روزے کی فضیلت کتنی بڑی ہے۔

جس کا رَب اُس کا سب:

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے اعلان کیا کہ مجھے اپنا خزانہ رِعایا کے درمیان تقسیم کرنا ہے، جس کی شکل یہ ہوگی کہ سب لوگ آئیں اور جو جس چیز پر ہاتھ رکھے گا وہ چیز اُسے مل جائے گی، رِعایا میں سے کسی نے سونے پر، کسی نے چاندی پر، کسی نے موتی پر، غرض جس کو جو چیز پسند آئی اس پر اپنا ہاتھ رَکھ دیا، ایک سمجھ دار اور ہوشیار باندی نے سب سے آخر میں بادشاہ پر اپنا ہاتھ رَکھ دیا، اب جس نے سونے پر ہاتھ رکھا تھا اُسے سونا ملا، جس نے چاندی پر ہاتھ رکھا تھا اُسے چاندی ملی اور جس باندی نے بادشاہ پر ہاتھ رکھا تھا اُسے بادشاہ کے واسطے سے پورا خزانہ مل گیا، بادشاہ جس کا ہوگیا پورا خزانہ اسی کا ہوگیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کا ہوگیا اس کا سب کچھ ہوگیا، بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ ساری کائنات اسی کی ہوگئی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور دونوں کے درمیان تمام موجودات کے مالک ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ [المائدة : ١٨]

حاصل یہ کہ روزے کی فضیلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ میں خود ہوں۔

(۳) ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ جو بندہ روزہ رکھے گا اُس کے اگلے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ."(١)

(۴) حدیث پاک میں روزے کا ایک اور فائدہ بتایا گیا ہے کہ جنّت کے

---

(١) صحيح البخاري/ رقم الحديث : ٣٨.

آٹھ دروازے ہیں، اُن میں سے ایک دروازے کا نام "بَابُ الرَّیَّان" ہے، یہ دروازہ روزے دار بندوں کے لیے مخصوص ہوگا، اِس دروازے سے صرف روزے دار بندے ہی داخل ہوں گے۔

"فِيْ الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيهَا بَابٌ يُسَمَّىٰ رَيَّانَ، لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ."(۱)

باب الریّان کی دُنیوی مثال:

روزے دار بندوں کی اس خصوصیت کو ایک مثال سے سمجھیے کہ ہوائی جہاز سے سفر کے لیے جب ہم ائیر پورٹ پہنچتے ہیں تو کسٹم کی جگہ پر تین لائن ہوتی ہیں، ایک لائن اُن مسافرین کی ہوتی ہے جو اُسی ملک کے باشندے ہیں، جو کہیں سے آرہے ہوتے ہیں یا کسی اور ملک میں جارہے ہوتے ہیں، دوسری لائن ان مسافرین کی ہوتی ہے جو کسی دوسرے ملک سے آئے ہوں یا دوسرے ملک جارہے ہوتے ہیں، وہ اسی ملک کے باشندے نہیں ہوتے، ان دونوں لائنوں میں کسٹم والوں کی چیکنگ بڑی سخت ہوتی ہے، جب کہ تیسری لائن فلائٹ کے اسٹاف کی ہوتی ہے، فلائٹ کے عملے کی چیکنگ صرف مخصوص ٹوکن (بلاّ) بتادینے سے پوری ہوجاتی ہے، ان کی چیکنگ دیگر مسافرین کی طرح سخت نہیں ہوتی۔

ایک نکتہ:

یہاں ضمناً ایک علمی نکتہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنّم کے سات اور جنّت کے آٹھ دروازے رَکھے ہیں، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) صحيح البخاري/ كتاب بدء الخلق / باب صفة أبواب الجنة / رقم الحديث : ۳۲۵۷.

﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ [الحجر: ٤٤]

’’جہنّم کے سات دروازے ہیں۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب کے مقابلے میں وسیع ہے، اللہ تعالیٰ خود یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بندے جنّت میں جائیں، اس لیے جنّت کے آٹھ دروازے اور جہنّم کے سات دروازے بنائے گئے ہیں۔

(۵) اسی طرح حدیث پاک میں ہم نے سنا ہے کہ اِفطار کے وقت روزے دار بندہ جو دُعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لِلصَّائِمِ عِنْدَ إِفْطَارِهِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ."(۱)

جس طرح مزدور جب اپنے مالک کا کوئی کام اچھّی طرح کر کے اس کو خوش کر دے تو مالک اسے کہتا ہے کہ تو جو مزدوری چاہے مانگ لے، میں تجھے دے دوں گا، اسی طرح ایسا روزے دار جس نے اپنا روزہ تمام مکروہات سے بچتے ہوئے مکمّل کیا ہو، پھر اِفطار کے وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے تو اُس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اِفطار کا وقت بہت ہی مبارک اور دُعا کی قبولیت کا وقت ہے، بڑے اَفسوس کی بات ہے کہ اِتنا قیمتی وقت عموماً ہم ضائع کر دیتے ہیں، اکثر مرد حضرات اِفطاری کا سامان خریدنے میں اور خواتین گھر والوں کی مختلف فرمائش کے مطابق مختلف النوع کھانے پکانے میں اپنا قیمتی اور مبارک وقت ضائع کر دیتی ہیں۔ اس طرح دُعا کی قبولیت سے ہم خود بھی محروم اور گھر والے بھی محروم رہتے ہیں۔

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / فصل ما يفطر الصائم عليه... / رقم الحديث: ٣٦٢٤.

آج کی اِس مبارک مجلس میں آپ حضرات کی خدمت میں خصوصی پیغام یہ پیش کرنا ہے کہ اپنے گھروں کا ایسا ماحول بنائیں کہ قبیل الافطار، افطار سے دس پندرہ منٹ پہلے گھر کے تمام اَفراد بچوں کے ساتھ دسترخوان پر جمع ہو جائیں اور دُعا میں مشغول ہوں۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بے حد پسند آئے گی کہ تمام نعمتیں موجود ہیں، لیکن معصوم بچّے تک ان نعمتوں کو ہاتھ نہیں لگا رہے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ہماری اِس ادا کو ضرور پسند فرمائے گا اور اس وقت اِجابت میں ہم جو دُعا مانگیں گے ضرور قبول ہوگی، اس لیے عزم کر لیں کہ ہمیں اس فضیلت کو کبھی بھی گنوانا نہیں ہے۔

یہ روزے کے کچھ دُنیوی اور اُخروی فوائد وفضائل بتائے گئے، اب مجھے دو چار باتیں اور بھی بتانی ہیں۔

رمضان کا کورس:

حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ماہِ رمضان کا ایک کورس بنایا ہے اور فرمایا کہ رمضان میں چار کام کرو:

(۱) تقلیل طعام۔ (کم کھانا)

(۲) تقلیل منام۔ (کم سونا)

(۳) تقلیل کلام۔ (کم بولنا)

(۴) تقلیل الاختلاط مع الانام۔ لوگوں سے ملنا جلنا اور ملاقات کم کرنا۔

اس پس منظر میں ہمیں اپنی رمضان کی راتوں کے بارے میں بہت غور وفکر کی

ضرورت ہے کہ ہمارا کھانا، پینا اور سونا اس مبارک مہینے میں کم ہوا ہے یا زیادہ؟ اُفسوس کی بات ہے کہ ماہِ رمضان میں ہمارا معمول دیکھ کر تو یہ لگتا ہے کہ گویا رمضان کھانے پینے اور سونے کا مہینہ ہے، جب کہ حقیقت میں رمضان عبادت کا مہینہ ہے۔

تقلیلِ طعام:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فضائلِ اعمال'' میں اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سحری میں سیر ہو کر کھالیا، حفظ ما تقدّم ہوگیا، پھر اِفطاری میں دِن بھر کی تلافی کر لی، بلکہ کھانے کے اَوقات اور بڑھ جاتے ہیں، عام دِنوں میں تین وقت کھاتے ہیں، جب کہ رمضان میں اولاً سحری میں کھاتے ہیں، پھر مغرب کی اَذان ہوتے ہی اِفطاری کا کھانا، پھر مغرب کی نماز کے بعد بھی کھانا پینا چلتا ہے، اور تراویح کے بعد بھی ایک دور چلتا ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس ماہِ مبارک کے مبارک وقت کو ہم کھانے میں کم اور عبادت میں زیادہ صرف کرتے۔

ماہِ رمضان میں زیادہ کھانے کی وجہ سے پریشانیاں کتنی بڑھ جاتی ہیں اس کے متعلّق ایک واقعہ سنو! ایک نئے نئے حافظ صاحب تراویح میں تلاوت فرما رہے تھے، پیچھے مصلی حضرات میں سے ایک صاحب خوب سیر ہو کر کھانا کھانے کے بعد تشریف لائے تھے، اب وہ ڈکار کی آواز نکال رہے ہیں اور حافظ صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے اس لیے لقمہ دیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ لقمہ نہیں، بلکہ بارگاہِ بطن میں لقمہ شرفِ قبول سے ہمکنار ہوا اس کا اعلان تھا! اس طرح مجمع میں ڈکارنے سے عام لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔

فتاویٰ عالمگیری کے حاشیے میں ایک بات لکھی ہے کہ جو انسان بسیار خور (بہت

کھانے والا) ہوتا ہے، جس کو ہر وقت کھانے کی عادت ہوتی ہے، اس کو دنیا میں یہ نقصان ہوتا ہے کہ اس کی بات کا کسی پر اثر نہیں ہوتا اور اُسے بھی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، ایسے بسیار خور کو دنیا میں ہی عذاب ملتا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مطلب کی آیات واَحادیث خوب یاد رہتی ہیں، رمضان میں تقلیل طعام کے فضائل بیان ہوں گے تو فوراً سوال ہوگا کہ حدیث پاک میں تو ہے کہ رمضان میں مؤمن کا رِزق بڑھادیا جاتا ہے۔

"شَهْرٌ يَزْدَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ".(۱)

ہمارے پاس دلیل ہے، اس لیے ہم زیادہ کھانا کھا رہے ہیں۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ رِزق صرف کھانے کو ہی نہیں کہا جاتا، بلکہ رزق کے مفہوم میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جن سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اُٹھاتا ہے، اور حدیث پاک میں یہی مفہوم مراد ہے، روزے کا اصل مقصد تو شہوت کو کم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بڑھانا ہے، یہ مقصد تقلیل طعام کی صورت ہی میں حاصل ہوسکتا ہے۔

تقلیل کلام:

کم کھانے پینے کے ساتھ کم بولنے کا معمول بھی رمضان میں بنانا چاہیے، اگر چہ یہ بہت ہی دُشوار ہے، کسی زمانے میں یہ مشہور تھا کہ عورتیں بہت بولتی ہیں، اس پر یہ لطیفہ بھی بنایا گیا کہ ایک مرتبہ مقابلہ ہوا کہ سب سے زیادہ جھوٹ کون بولتا ہے؟ تو پہلا نمبر وہ شخص لے گیا جس نے یہ کہا کہ ''پانچ عورتیں ایک ساتھ جمع ہوئیں اور وہ تمام خاموش تھیں۔'' پہلے یہ اِلزام صرف عورتوں پر تھا، لیکن آج کل کا معاشرہ بتا رہا ہے کہ

(۱) صحيح ابن خزيمة / كتاب الصيام / باب فضائل شهر رمضان إن صح الخبر / المجلد الثالث / رقم الحديث : ١٨٨٧.

اب یہ اِلزام غلط ہے، مرد حضرات اُن سے زیادہ بکواس کرتے ہیں۔

قرآنِ پاک میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے قصے میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم فرمایا تھا کہ اگر آپ کسی کو دیکھیں تو کہہ دیں کہ میں نے آج کسی سے بھی بات نہ کرنے کے روزے کی نذر مانی ہے:

﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا﴾ [مریم:۲۶]

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ روزہ ہم پر شاق کیوں گذرتا ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری زبان قینچی کی طرح چلتی رہتی ہے، غیبت کرتی رہتی ہے اور ہمیں تنبہ بھی نہیں ہوتا، ابتدا کسی اچھّی بات سے ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ غیبت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور غیبت کو غیبت نہیں سمجھتے، اس پر ''اِظہارِ حقیقت'' کا پردہ ڈالتے ہیں۔ اس مبارک مہینے میں ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ بوقت ضرورت بقدرِ ضرورت ہی بولیں، کچھ بھی بولنے سے پہلے سوچ لیں کہ کہیں یہ لایعنی بات تو نہیں ہو جائے گی؟ جس میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو نہ دُنیوی فائدہ، کوئی فائدہ نہ ہو تو بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ بعض اللہ والے فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں چپ رہنے کے مزے کا پتا چل جائے تو ایک لفظ بولنا بھی بھاری بوجھ ہو جائے، چپّی کے اپنے مزے ہیں۔

بہر حال تیسری چیز کم بولنا ہے، اور اگر کم بولنا ہے تو یہ بھی ضروری ہو جائے گا کہ ہم لوگوں سے بے وجہ ملنا جلنا کم کر دیں، بے مقصد میٹنگ کم کر دیں، دوست واَحباب کے ساتھ بلا وجہ بیٹھنا بھی کم کر دیں اور اِس ماہِ مبارک کے ایک ایک سیکنڈ اور ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھ کر اُسے پوری طرح وصول کرنے کی کوشش کریں۔

ماہِ رمضان کی تین تبدیلیاں:

کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کی آمد کے بعد نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر تمام صلحائے اُمت کے معمولات میں تین تبدیلیاں آتی تھیں:

(۱) اُن کی عبادتوں میں اِضافہ ہوجاتا تھا، اُن کی عبادتیں بڑھ جاتی تھیں، لہٰذا اس ماہِ مبارک میں ہم بھی اپنی عبادتوں کو بڑھانے کا اہتمام کریں، عام دِنوں میں اگر تہجد کی توفیق نصیب نہیں ہوتی تو رمضان میں سحری کی وجہ سے یہ آسان ہوجاتا ہے، سحری کے لیے بیدار ہوتے ہی ہیں تو تہجد کا بھی اہتمام کریں، اوّابین، چاشت اور دیگر نوافل کا بھی اہتمام کریں۔

(۲) اس مبارک مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت، آپ کا صدقہ تیز آندھی سے بھی زیادہ ہوجاتا تھا، جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ."(۱)

(۳) تلاوتِ قرآن پاک اور دُعاؤں کا اہتمام کریں، قرآن مجید اور رمضان کا بہت گہرا رِشتہ ہے، اس لیے کہ قرآنِ پاک رمضان ہی میں نازل ہوا۔ بقول مولانا

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب أجود ماكان النبي...الخ / الرقم: ۱۹۰۲.

عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ: ''اس بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار نغمۂ اَزل کی سُریلی آواز بے ہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت، جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت عالم تصوّر میں نہیں۔'' چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرة : ١٨٥]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ ''فضائلِ اعمال'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگرچہ بندہ اپنی نااہلی سے کچھ نہیں کر پاتا، لیکن گھر کی مستورات یومیہ بیس پارے پڑھنے کا اہتمام کرتی ہیں۔''

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [المطففين : ٢٦]

عبادت میں ہمیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کومپیٹیشن (Competition) یہاں ہونا چاہیے کہ اس بندے نے ایک دِن میں پانچ پارے پڑھے تو میں سات پڑھوں گا، اس طرح رمضان المبارک کو زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن میں گذارنے کی ضرورت ہے۔

اس مبارک مہینے میں ہم سب عہد کرلیں کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کا اہتمام کریں گے اور بات چیت کم سے کم کریں گے، جتنی لایعنی باتیں کم ہوں گی، مجلس بازی کم ہوگی اتنی ہی تلاوت زیادہ ہوگی۔ اللہ رب العزت ہمیں عمل کی توفیق سے نوازیں۔

دُعاؤں کا اہتمام:

آخری بات یہ ہے کہ دُعاؤں کا خوب اہتمام کریں، دُنیا میں کوئی بھی مقصد حاصل کرنا ہو، کوئی بھی کام کسی سے کروانا ہو تو عموماً تین طریقے آزمائے جاتے

ہیں: (۱) زر (۲) زور (۳) زاری۔

''زر'' کے معنیٰ ہیں مال، یعنی پیسے دے کر بہت سی جگہ کام کروایا جاتا ہے، بسا اوقات لوگ غلط کام بھی پیسوں کے ذریعے کروا لیتے ہیں۔

دوسرا زور ہے، یعنی جہاں مال کی قوت کام نہ کر سکتی ہو وہاں جاہ یعنی مقام و مرتبہ یا جسمانی قوت کام کر جاتی ہے اور مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ کسی کا زَر چل سکتا ہے اور نہ زور، وہاں نہ پیسہ کام آسکتا ہے نہ رُتبہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں تو صرف بندے کی ''زاری'' یعنی رونا اور گڑگڑانا اور آنسوؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو منانا کام آسکتا ہے، پورے سال کے اَحوال جو ہمارے سامنے رونما ہوئے ان سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں سے بہت ناراض ہیں، اس مبارک مہینے کا موقع ہمیں ملا ہے، لہٰذا جلد از جلد اللہ تعالیٰ کو گریہ و زاری کر کے منالیں۔

﴿وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ﴿۳۰﴾﴾ [الشوریٰ : ۳۰]

''تم پر جو کوئی بھی مصیبت آتی ہے وہ تمھارے کرتوتوں ہی کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ تو (بغیر سزا کے) معاف فرما دیتا ہے۔''

ہمارے گناہ تو اِتنے زیادہ اور اِتنے سنگین ہیں ہم سخت سزا کے مستحق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہی ہے کہ وہ ہمارے بہت سے گناہ تو بغیر سزا کے ہی معاف فرما دیتا ہے، بس ہمیں متنبہ کرنے اور چوکنا رکھنے کے لیے ہمارے کچھ گناہوں کی سزا کے طور پر دُنیا میں سخت حالات پیدا فرماتے ہیں۔ ﴿لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ﴿۴۱﴾﴾ [الروم:٤١] ہم پر لازم ہے کہ اس مبارک مہینے میں ہم اپنے

رب کو منا لیں، اس سے تعلق کو مضبوط کرلیں، اپنے گناہوں پر سچی ندامت کا اِظہار کریں۔

ماہِ رمضان کی نا قدری:

ایک اور بات بطورِ خاص ملحوظ رکھیں کہ ہمارے بہت سے بھائی رمضان میں کچھ گناہوں کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ اچھّی بات ہے، لیکن رمضان کے بعد بھی ان گناہوں کا دوبارہ ارتکاب نہ ہو، اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، توبہ کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم بھی ہو، مثلاً ہم اپنے بہت سے بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ رمضان کا لحاظ کرتے ہوئے ڈاڑھی نہیں منڈواتے، لیکن افسوس کہ عید کا چاند نظر آتے ہی سب سے پہلا رُخ حجام کی دُکان ہوگا کہ رمضان تو گذر گیا، اب کلن شیو(Clean Shave) کروالو، ظاہری بات ہے کہ یہ رمضان المبارک کی کھلی نا قدری ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ترکِ معصیت کی توفیق بخشی تھی اُسے بھی بندے نے ٹھکرا دیا۔ شیخ طریقت حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ ’’ایسا شخص رمضان کا نا قدرا ہے، اس کو رمضان کی قدر نہیں ہے، اگر رمضان کی قدر ہوتی تو پہلے دِن یہی دُعا کرلیتا اور ارادہ کرلیتا کہ آج سے اِس گناہ کو نہیں کرنا ہے، حالانکہ رمضان شروع ہوتے ہی اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ رمضان بھر نہیں کٹواؤں گا، چاندرات کو کٹوا لوں گا۔‘‘ یہ توفیق الٰہی کی نا قدری ہے، جو بہت خطرناک اور سنگین ہے۔

ہمیں کوئی بھی گناہ صرف وقتی طور پر نہیں چھوڑنا ہے کہ رمضان آ گیا، اس لیے ہم اس گناہ کو چھوڑ دیں گے، بلکہ پختہ طور پر دائمی ارادہ کرلیں کہ زندگی بھر کے لیے ہم

اپنی جان اس گناہ سے چھڑا دیں گے۔

ادائے زکوٰۃ کا اہتمام:

اس ماہِ مبارک میں جن عبادت کو خصوصی طور پر ادا کیا جاتا ہے ان میں سے ایک عبادت زکوٰۃ بھی ہے، ماشاء اللہ اُمت مسلمہ میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو زکوٰۃ نکالتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی جان و مال میں خوب برکت عطا فرمائیں، لیکن عام طور پر اب بھی زکوٰۃ کے بہت سے مسائل سے ناواقفیت ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم علمائے کرام سے مسائل معلوم کریں کہ میرے پاس فلاں قسم کا مال اِتنی مقدار میں اِتنے وقت سے ہے، اس میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی صرف رمضان المبارک ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جیسے ہی اموالِ زکوٰۃ پر سال مکمّل ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، خصوصی طور پر رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس لیے ہوتی ہے کہ رمضان میں ایک فرض عبادت کا ثواب ستر فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔

اس ماہ میں نیکیوں کا بھاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھا دیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ اس ماہ میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ملتا ہے۔(۱)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے:

" تَسْبِيْحَةٌ فِيْ رَمَضَانَ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ تَسْبِيْحَةٍ فِيْ غَيْرِهِ."(۲)

''ماہِ رمضان میں ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنا غیر رمضان میں ایک ہزار مرتبہ

---

(۱) مشكوٰة المصابيح / كتاب الصوم / رقم الحديث : ۱۹۶۵، ضعيف.

(۲) سنن الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، الرقم : ۳۴۷۲.

کہنے سے بڑھ کر ہے۔''

اس کو ایک مثال سے سمجھو کہ اگر کوئی حکومت اپنی رِعایا میں یہ اعلان کر دے کہ جس کے پاس جتنی مقدار میں لوہا ہے وہ اسے حکومت کے خزانے میں جمع کروا دے اور اس کے عوض میں سونا لے جائے، تو ظاہر سی بات ہے کہ کئی لوگ اپنے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں تک بھی توڑ کر ان میں سے لوہا نکال کر جمع کروائیں گے، تالا وغیرہ بھی توڑ کر جمع کروادیں گے، یہی سوچیں گے کہ ابھی ان لوہے کی چیزوں سے کمائی حاصل کرلو، بعد میں پھر بسائیں گے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ کہ رمضان المبارک کی عظمتوں، برکتوں اور فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مکمّل قدردانی کی جائے، اس کی حرمت کا پورا لحاظ کیا جائے کہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے پاس گویا شاہی مہمان ہے، ہمارے پاس یہ مہینہ بوجھ بن کر نہیں، بلکہ رحمت کی موج بن کر آتا ہے، اس لیے خدارا اُس کی حرمت کے منافی کوئی بھی کام ہم سے سرزد نہ ہو، اس کا خاص خیال رکھیں۔

رمضان کی حرمت کا لحاظ بھی سببِ مغفرت ہے:

علّامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک مجوسی نے اپنے بیٹے کو رمضان کے مہینے میں دِن میں کھاتے ہوئے دیکھ لیا تو اُسے مارا، کہ تو نے اس مہینے کی حرمت کا بھی لحاظ نہ کیا؟ کہتے ہیں کہ پھر اسی ہفتے اس کا انتقال ہوگیا، تو شہر کے کسی عالم نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنّت میں ہے، تعجب سے پوچھا: ''میاں! تم یہاں کیسے؟'' تو اس شخص نے کہا: ''جب میری موت کا وقت آیا تو حرمتِ رمضان کی

وجہ سے مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق دی گئی، لہٰذا میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور الحمد للہ! میرا خاتمہ ایمان پر ہوا۔(۱)

اللہ رب العزت ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، سب سے زیادہ اس عاجز کو توفیق عمل سے نوازیں، اِن مبارک اَیام کے لمحات کو مکمّل طور پر وصول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اس ماہِ مبارک سے متعلّق تمام عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، خاص طور پر زکوٰۃ کے اہتمام کی توفیق سے نوازیں۔

آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

Aasan Deen Media Services

(۱) نزهة المجالس / باب فضل رمضان والترغيب في العمل الصالح فيه وما فيه من الفضل.

رمضان المبارک کی تیّاری

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الحمدَ للهِ، نَحْمَدُهُ وَنستَعِينُهُ، وَنَستَغفِرُهُ وَنَتُوبُ إِلَيهِ، وَنعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنفُسِنَا وَمِن سَيِّئَاتِ أَعمَالِنَا. مَن يَهدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَأَصحَابِهِ وَمَن تَبِعَهُم بِإِحسَانٍ إِلىٰ يَومِ الدِّينِ، وَسَلَّمَ تَسلِيمًا. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۸۵﴾﴾ [البقرة : ۱۸۵]

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ:

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ".(۱)

تمہید:

محترم قارئین! عن قریب چند ہی دِنوں میں رمضان المبارک کی بہاریں ہم پر برکت ورحمت بن کر چھانے والی ہیں، رمضان المبارک کا مہینہ چوں کہ سیّد الشہور یعنی سال کے دیگر تمام مہینوں کا سردار ہے، اس لیے وہ نہایت مہتم بالشان مہینہ ہے، اور جو چیز جتنی عظیم الشان ہوتی ہے اس کے لیے تیّاریاں بھی اسی کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ اسی مناسبت سے آمد رمضان اور استقبالِ رمضان سے متعلّق چند شرعی ہدایات کے

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / باب صوم شعبان : ۵ / ۳۴۹.

بارے میں ہم بات کریں گے۔

مہتم بالشان چیز کی تیّاری:

محترم بھائیو! ذرا تصور کیجیے کہ جب ہمارے گھر کسی بڑے عظیم مہمان کی آمد ہوتی ہے تو ہم اور آپ کیا کرتے ہیں؟ بہت ساری تیّاریاں کرتے ہیں، گھر کی صاف صفائی کرتے ہیں، گھر آنگن کو خوب سجاتے ہیں، خود بھی زینت اختیار کرتے ہیں اور بال بچوں کو بھی اچھے کپڑے پہناتے ہیں، پورے گھر میں خوشی کا ماحول ہوتا ہے، بچّے خوشی سے اُچھل کود کرتے ہیں، مہمان کی خاطر تواضع کے لیے کئی طرح کے پُر تکلف سامان تیار کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی گھر میں بچّے کی ولادت کا وقت قریب آ رہا ہے تو کئی دِنوں پہلے سے گھر میں خوشیوں کا ماحول بن جاتا ہے، چہل پہل اور رونقیں بڑھ جاتی ہیں، بچّے کے لیے ضروری سامان وغیرہ پیشگی تیّار کیا جاتا ہے، ولادت کی خوشی میں تقسیم کی جانے والی شیرینی بھی پہلے سے تیّار رکھی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص حج کے ارادے سے حج کمیٹی میں اپنا فارم درج کرتا ہے، کئی سال تک نام درج کرواتا رہتا ہے، پھر کچھ سال بعد جب حج کے لیے نام زد ہو جاتا ہے تو اس کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہتی، جیسے جیسے ایامِ حج قریب آتے ہیں اس کی خوشیوں اور پُر مسرّت جذبات میں اِضافہ ہو جاتا ہے، جو کہ اچھّی بات ہے۔

رمضان المبارک کا استقبال:

جب ایک مہمان، اولاد یا حج وغیرہ کے لیے اس قدر تیّاری ہم کرتے ہیں تو اللہ ربّ العزت کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان سیّد الشہور رمضان ہو تو اس کی تیّاری کس قدر ہونی چاہیے؟ ہمیں جس طرح دُنیوی نعمتیں میسّر ہونے سے خوشی ہوتی ہے اسی طرح

دینی نعمت حاصل ہونے پر بھی وہی خوشی ہونی چاہیے، اور اس کے لیے اسی کے شایانِ شان تیّاریاں بھی کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے اخیر میں اس مہینے کی عظمت اور شان وشوکت کو بیان فرمایا، تاکہ لوگوں کو اس کی قدر ومنزلت کا علم ہو سکے اور وہ رمضان کے اعمال کو کما حقہ ادا کر سکیں۔

رمضان المبارک اتنا عظیم الشان مہینہ ہے کہ اس کے استقبال کے لیے جنّت کو ایک سال پہلے سے آراستہ کیا جاتا ہے۔[1] غور کرنے کا مقام ہے کہ جنّت جو کہ خود نعمتوں کا مرکز ہے، کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے نعمتوں کا خزانہ بنایا ہے، ہر نعمت وہاں موجود ہے، لیکن رمضان جیسے عظیم الشان مہینے کے استقبال کے لیے اُسے بھی مزین کیا جاتا ہے، اس سے بھی ہم رمضان المبارک کی عظمتوں کا انداز الگا سکتے ہیں، جنّت کو خوشبو کی دُھنی دی جاتی ہے، اس کی مثال ہم اس طرح سمجھیں کہ ہمارے گھر کوئی بڑے معزز مہمان آنے والے ہوں تو گھر میں بدبو نہ ہونے کے باوجود ہم گھر کے کمروں کو معطّر کرتے ہیں، پورا گھر خوشبودار بنا دیتے ہیں، اسی طرح رمضان کے استقبال میں جنّت کو خوشبو کی دُھنی دی جاتی ہے۔

رمضان سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیّاری:

خطبے میں جو حدیث پاک پیش کی گئی اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کی آمد سے دو مہینے پہلے ہی رمضان کے استقبال کی تیّاری شروع فرما دیتے اور اللہ ربّ العزت کے حضور یہ دُعا کرتے رہتے کہ

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ".

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / كتاب الصيام / فضائل شهر رمضان، الرقم : ۳۳۵۹.

''اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمائیے اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچا دیجیے۔''

اس دُعا میں رمضان المبارک تک پہنچانے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ کس بندے کی عمر کہاں تک ہے؟ لہٰذا دُعا مانگی گئی کہ اے اللہ! میری عُمر دراز کر دی جائے، تاکہ میں رمضان المبارک کو پالوں اور اس میں عبادت و استغفار کر کے تجھے راضی کرلوں۔

اس حدیث پاک سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کی تیّاری بہت پہلے سے فرماتے تھے، اسی کے قریب مضمون کو ایک اور طویل حدیث میں بھی بیان کیا گیا جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْه قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا...الخ"(۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں شعبان کے آخری دِن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! عن قریب تم پر ایک عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہوگا، نہایت بابرکت مہینہ ہے، ایک ایسا مہینہ جس میں ایک رات تو ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض فرمایا ہے اور رات کے قیام کو نفل فرمایا۔

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / باب فضائل شهر رمضان : ۵ / ۲۲۳.

اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے رمضان المبارک کی تیّاری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان کے اواخر سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے۔

اسی طرح رمضان المبارک کی تیّاری کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان میں بہ کثرت روزے رکھتے تھے، ایک حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ! لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ؟ قَالَ: "ذٰلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلىٰ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ".(۱)

’’حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس قدر آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس قدر میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان میں (آتا) ہے اور لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، حالانکہ اس مہینے میں (پورے سال کے) اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال روزے دار ہونے کی حالت میں پیش کیے جائیں۔‘‘

شعبان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہ کثرت روزہ رکھنے کے معمول کے بارے میں ایک اور حدیث ہے:

---

(۱) سنن النسائي / كتاب الصيام / باب صوم النبي صلى الله عليه وسلم، الرقم : ۲۳۵۷.

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يَصِلُ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ".(١)

"اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی مسلسل دو مہینے تک روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر آپ شعبان میں اتنی کثرت سے روزے رکھتے کہ گویا اسے رمضان سے ملا دیتے۔"

ماہِ شعبان رمضان کا مقدّمہ:

میرے محترم بھائیو! ماہِ شعبان ماہِ رمضان کے لیے مقدّمے کے مانند ہے، لہٰذا اس میں وہی اعمال بجالانے چاہیے جن کی کثرت رمضان المبارک میں کی جاتی ہے، یعنی روزے اور تلاوتِ قرآنِ کریم۔

علّامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ "لطائف المعارف" (ص: ۲۵۸) میں لکھتے ہیں کہ "ماہِ شعبان میں روزوں اور تلاوتِ قرآنِ کریم کی کثرت اِس لیے کی جاتی ہے تاکہ ماہِ رمضان کی برکات حاصل کرنے کے لیے مکمّل تیّاری ہو جائے اور نفس رحمٰن کی اِطاعت پر خوش دلی اور خوب اطمینان سے راضی ہو جائے۔"

نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول سے بھی اِس حکمت کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ شعبان میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كَانَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلَ شَعْبَانُ أَكَبُّوا عَلَى الْمَصَاحِفِ فَقَرَؤُوهَا، وَأَخْرَجُوْا زَكٰوةَ أَمْوَالِهِم تَقْوِيَةً لِلضَّعِيفِ وَالْمِسْكِينِ عَلٰى صِيَامِ رَمَضَانَ".

(١) سنن النسائي / كتاب الصوم / ذكر حديث أبي سلمة، الرقم: ٢١٧٥.

''شعبان کے شروع ہوتے ہی مسلمان قرآن کی طرف لپکتے، اپنے اَموال کی زکوٰۃ نکالتے، تاکہ غریب لوگ روزے رکھ کر ماہِ رمضان بہتر طور پر گذار سکیں۔''

میرے بھائیو! ہم رمضان المبارک کے ایک ایک لمحے سے، ایک ایک ساعت سے مکمّل فائدہ اٹھائیں، کیوں کہ آدمی غفلت کی حالت میں مہینہ شروع کر دیتا ہے اور بات آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ٹلتی چلی جاتی ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے آدمی اس کی تیّاری کر لے۔

یہ مہینہ روزوں کا مہینہ ہے، اس کی راتوں میں تراویح سنّت مؤکّدہ قرار دی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ پورا مہینہ مسلمانوں کو ایک نئی زندگی دینے والا مہینہ ہے۔ گیارہ ماہ تک ہم اپنی دنیوی مصروفیات میں لگے رہتے ہیں، ان مصروفیات کی وجہ سے بسا اوقات ہم پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اللہ جلّ جلالہٗ کے ساتھ جو مضبوط تعلق ہونا چاہیے وہ کمزور پڑ جاتا ہے، اس لیے یہ مہینہ عطا فرمایا گیا کہ جو لوگ سال کے گیارہ مہینوں میں اللہ تعالیٰ سے دور چلے گئے ہیں، ان کو اس مہینے میں قریب لایا جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبّت، اس کی خشیت اور تعلق میں اضافہ ہو۔

رمضان کا مہینہ ایک تربیتی نصاب:

یہ مہینہ اس لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ایک طرح سے گویا ٹریننگ کورس ہے جس سے ہر مسلمان کو گذارا جاتا ہے۔ یہ تربیت کا زمانہ ہے، اپنی روح کو بالیدگی، تازگی دینے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کو متوجّہ کرنے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے، یہ انسان کو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور عادت ڈلوانے کا مہینہ ہے۔

روزوں کی فرضیت کا بنیادی مقصد:

روزہ بذاتِ خود بہت عظیم عبادت ہے، لیکن اس کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی عادت پڑے، اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾﴾ [البقرة: ١٨٣]

روزوں کی فرضیت کا اصل مقصد تقویٰ ہے۔ اور تقویٰ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کے دل میں کوئی غلط خواہش پیدا ہورہی ہے، غلط جذبہ پیدا ہورہا ہے، دل میں بُرائی کی اُمنگ پیدا ہورہی ہے، بُرائی کا میلان پیدا ہورہا ہے، تو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کو، اس کی خشیت وجلال کو مدّنظر رکھ کر اپنی اس خواہش کو دبا دے اور کُچل دے۔ مثلاً دل میں خواہش پیدا ہورہی ہے کہ میں اپنی نظر کا غلط استعمال کروں اور اس کے ذریعے کوئی گناہ کی چیز دیکھوں، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میری ایک ایک نقل وحرکت اس کی نگاہ میں ہے اور کل مجھے اپنی ایک ایک نقل وحرکت کا جواب بھی دینا ہے، وہ اپنی نگاہ کو اس غلط جگہ سے بچالے۔ اسی طرح دل میں غیبت کرنے اور جھوٹ بولنے کا داعیہ پیدا ہورہا ہے، مجلس جمی ہوئی ہے، غیبت ہورہی ہے، دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی اس میں کوئی حصّہ ڈالوں، لیکن اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وخشیت اور جلال کو دل میں لاکر اپنے آپ کو اس سے روک لے۔

تو روزے کے ذریعے تقویٰ کی تربیت دی جاتی ہے، وہ اس طرح کہ ہر

مسلمان جب روزہ رکھ لیتا ہے کہ مغرب کے وقت تک نہ کچھ کھائے گا اور نہ کچھ پیے گا اور نہ بیوی کے ساتھ جائز خواہش پوری کرے گا، تو کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو بھوک پیاس کی وجہ سے روزہ توڑ دے، حالانکہ کھانا موجود ہے، اس کی خوشبو آرہی ہے، کھانے کو دِل مچل رہا ہے، لیکن وہ روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے صبر کر رہا ہے۔

اسی طرح گرمی کے موسم میں حلق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، سامنے ٹھنڈا پانی موجود ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی بندۂ مؤمن روزہ توڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس وقت کسی مسلمان کو لاکھوں روپے کی پیشکش کردی جائے کہ تم روزہ توڑ دو تو یہ پیسے تمھارے ہیں، تو بھی کوئی مسلمان گوارا نہیں کرے گا کہ روزہ توڑ دے۔

جو چیز بندۂ مؤمن کو اپنی خواہشات سے روک رہی ہے یہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے، اس کے جلال اور اس کے علم کا احترام ہی ہے، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزہ اس لیے فرض کیا ہے تاکہ تمھارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ جس طرح تم نے باوجود شدید بھوک اور پیاس کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر کھانا پینا چھوڑ دیا، اسی طرح تمھاری عام زندگی میں بھی یہ عادت ہونی چاہیے کہ جب تمھارا دل کسی گناہ کے لیے مچلے تو تم اس خواہش کو اللہ تعالیٰ کی خاطر دبا دو اور اس پر عمل کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اس تربیتی کورس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے سے اس کی تیاری کرلیں۔

رمضان المبارک کی تیّاری کا طریقہ:

محترم بزرگو اور دوستو! ہمیں جب بھی کوئی اہم کام انجام دینا ہوتا ہے تو پیشگی طور پر ہم اس کی تیّاری کر لیتے ہیں، پیشگی تیاری ہمارے مقصد کی کامیابی میں بڑا رول ادا کرتی ہے، ایک منظّم منصوبہ بندی سے کوئی کام کیا جائے تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور یوں سمجھ لیجیے کہ بہتر منصوبہ بندی کسی بھی کام کی نصف کامیابی شمار ہوتی ہے۔ انگریزی زبان کا مشہور مقولہ ہے: "Well Planned half done" یعنی اچھّی منصوبہ بندی کسی بھی کام کی آدھی کامیابی ہے۔ اگر اہم کام بغیر کسی پیشگی تیّاری کے اور بغیر کسی نظام الاوقات کے کیا جائے تو اس کی انجام دہی میں بندہ سستی اور غفلت برتنے لگتا ہے، وہ کام آسان ہونے کے باوجود مشکل محسوس ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تو ہم ذہن میں رکھیں کہ چار بنیادی کام ہیں جو ہمیں رمضان المبارک میں کرنے ہیں:

(۱) رمضان المبارک کا ادب (۲) رمضان المبارک کے روزے رکھنے ہیں۔ (۳) گناہوں سے بچنا ہے۔ (۴) عبادات کی کثرت کرنی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں آپ نے رمضان المبارک کے متعلّق چار باتوں کی بطورِ خاص تاکید فرمائی ہے:

"وَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لاَ غِنًى بِكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ: فَشَهَادَةُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا اللَّتَانِ لاَ غِنًى بِكُمْ عَنْهمَا:

فَتَسْأَلُونَ اللهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ".[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ چار چیزوں کی اس مہینے میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے، اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمھیں چارۂ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرلو وہ کلمۂ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے۔ اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں: جنّت کی طلب اور جہنّم سے پناہ۔

پھر بیک وقت اِن چاروں چیزوں کے لیے نہایت آسان اور مختصر دُعا یہ بھی ہے: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ، أَسْأَلُكَ الجَنَّةَ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ".

قبل از رمضان کرنے کے کام:

میرے معزز دوستو! رمضان المبارک کی آمد سے پہلے اس کے استقبال اور ہماری تیّاری کے طور پر کچھ امور ایسے ہیں جنھیں ہم انجام دیں تو رمضان المبارک کے فوائد ہمیں زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں گے اور اس ماہِ مبارک میں سکون واطمینان کے ساتھ بڑی آسانی سے ہم اللہ ربّ العزت کی جانب رجوع کرسکیں گے۔

☆ علمائے کرام سے احکام ومسائل رمضان سیکھنے کی کوشش کریں۔

☆ رمضان المبارک کے فضائل کا بہ کثرت مطالعہ کریں۔

☆ کم از کم بیس سورتیں (تجوید کے ساتھ) حفظ کرنے کا اہتمام کریں۔

☆ ہر کام سنّت کے مطابق سیکھنے اور کرنے کی نیت وارادہ کریں اور اپنی زندگی میں شامل کریں۔

---

(۱) صحيح ابن خزيمة / باب فضائل شهر رمضان: ۳ / ۱۹۱.

☆ روز مرّہ کی مسنون دُعائیں یاد کرنے اور عمل میں لانے کا اہتمام کریں۔

☆ رمضان المبارک کے روز مرّہ کے معمولات کا خاکہ تیار کریں۔

☆ اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے۔ اگر اہل اللہ میں سے کسی سے بیعت ہوں اور خانقاہی نظام میں شرکت میسّر ہو تو اور بھی بہتر ہے۔

☆ اپنے آپ کو دنیوی جھمیلوں سے فارغ کرلیں۔ اہم کاموں کو رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی نمٹادیں، بیچ رمضان میں کوئی اہم کام آجائے تو اگر ممکن ہو تو عید تک اُس کو ٹال دیں، کام کاج کے وقت میں کمی کرلیں، ضروری اَشیا کی خریداری رمضان سے پہلے ہی کرلیں، حتیٰ کہ کپڑے وغیرہ بھی پہلے ہی خریدلیں۔ پورا رمضان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہوکر رجوع ہونے کے لیے خاص کر دیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ان شاء اللہ کما حقہ رمضان کے مہینے سے استفادہ کرسکیں گے اور یہی مضان کا صحیح استقبال ہے۔

☆ باورچی خانے کی ضروریات اور سودا سلف کا بندوبست بھی حتی الامکان رمضان سے پہلے کرلیں۔

☆ سہولت کے لیے رمضان کٹ (Kit) تیّار کرلیں، جس میں رمضان المبارک کے استعمال سے متعلّق اپنی چیزیں ایک جگہ پہلے ہی جمع کرلی جائیں اور مقرّرہ جگہ پر رکھ دی جائیں، تاکہ وقت کے ضیاع سے بچ سکیں۔ مثلاً قرآنِ پاک، دعاؤں کی کتاب، جائے نماز، تسبیح، سحر و افطار کے لیے کیلنڈر وغیرہ۔

☆ صدقہ باکس: زیادہ سے زیادہ انفاق فی سبیل اللہ پر عمل آسان ہوجائے اس کے لیے ایک صدقہ باکس بنایا جائے، جس میں روزانہ کچھ نہ کچھ صدقے کی رقم ڈالی

جائے، خواہ وہ ایک روپیہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کی ترغیب گھر کے دیگر افراد اور بچّوں کو بھی دی جائے۔ پھر یہ جمع شدہ رقم مستحق لوگوں تک پہنچادی جائے۔

☆ حلال غذا کا اہتمام: ہم اپنی غذا، خوراک کا جائزہ لیں، اور ایسی چیزوں کو ترک کردیں جو مشتبہ یا مشکوک ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرکے ان چیزوں کو اپنی خوراک کا حصّہ بنائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناوُل فرمائیں۔ اس سے ہماری صحت بھی بہتر ہوجائے گی اور دیگر جنک فوڈز (Junk Food) اور نقصان دہ چیزوں سے بچ جائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کا ثواب بھی ہمیں حاصل ہوجائے گا۔

رمضان المبارک کے لیے ذہنی تیاری:

میرے بھائیو! رمضان المبارک کی تیّاری کے لیے اولاً ہم اپنے ذہن کو تیّار کریں اور سوچیں کہ سال کے گیارہ مہینے ہم اس طرح گذارتے ہیں کہ ہمارے صبح و شام کے زیادہ تر اوقات دنیوی کاموں مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت اور روزگار کی تلاش میں گذرتے ہیں، اپنے لیے جسمانی لذتیں حاصل کرنے کی فکر میں گذرتے ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی فرائض شرعیہ کا پابند بھی ہو تو وہ ان فرائض اور دُنیوی کاموں میں مشغولیت کا تناسب دیکھے کہ کتنا وقت کس طرف لگ رہا ہے؟ اگر وہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہے تو ساری نمازوں میں صَرف ہونے والا وقت گھنٹہ دو گھنٹہ بنتا ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ دل کہیں ہے اور دماغ کہیں ہے، خشوع کا تقاضا بھی پورا نہیں ہوتا۔ دل ودماغ دنیا کے ان ہی مشاغل میں اُلجھے ہوئے ہیں جن کو چھوڑ کر نماز کے لیے آئے تھے، اور نماز کے بعد جن کی طرف دوبارہ جانا ہے۔ جب کہ باقی سارا وقت اپنے

جسم کے لیے راحت ولذت مہیا کرنے اوراس کے لیے غذا فراہم کرنے کی خاطر گذرتا ہے۔ ہماری زیادہ تر محنت وسعی جسم کوراحت وسہولیات فراہم کرنے کے پیچھے خرچ ہوتی ہے، جب کہ روح کوسنوارنے کے لیے ہماری کوشش وسعی بالکل نہ کے برابر رہتی ہے، تو رمضان کا مہینہ ہماری روحانی تربیت کا ضامن ہے، بشرطیکہ ہم اس سے حاصل ہونے والے روحانی فوائد کو کما حقہ وصول کرسکیں، جس کے لیے پہلے سے تیّاری اور مضبوط منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے۔

رمضان سے روحانی فوائد کیسے حاصل ہوں؟

اس مہینے سے روحانی فوائد اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ہم اپنی عبادتوں کی مقدار بڑھادیں اور دُنیوی مصروفیات کم سے کم کردیں، گیارہ مہینے جسم کی پرورش کی، اب اس مہینے میں اپنی روح کی پرورش کی طرف دھیان دیں اور روحانی ترقّی حاصل کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اس کے لیے اس ماہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزے کے ذریعے کھانے پینے کی مقدار کم فرمادی اور تراویح کو سنّت قرار دے کر پانچوں نمازوں جتنا وقت اس میں صرف فرمادیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقصود بندوں سے یہ ہے کہ بندے اس مہینے کی قدر کر کے اس میں اپنے جسم کے تقاضوں کو کم کریں اور روح کے تقاضوں کو غالب کریں، وہ کام زیادہ کریں جوان کی روح کو نشوونما دینے والا ہو، روح کو پروان چڑھانے والا ہو، لہٰذا اس مہینے میں اپنی دُنیوی مصروفیات کم سے کم کی جائیں۔ دوستیوں اور میل جول سے پرہیز کریں، مجلس آرائیوں کے مشغلوں سے بچیں، اپنی ذاتی مصروفیات کو جس حد تک کم کرسکتے ہوں کم کر کے زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کریں۔

رمضان المبارک کا لائحہ عمل:

رمضان المبارک کے مہینے میں کچھ باتوں کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔ عام دنوں میں نفلی عبادتوں کا موقع نہیں ملتا یا توفیق نہیں ہوتی، تو کم از کم رمضان المبارک میں ان کا اہتمام کرلیں، مثلاً تہجد ہے، یہ اتنی عظیم عبادت ہے اور اس کے اتنے عظیم فوائد ہیں اور اس کے ذریعے انسان کی روح کو اتنی ترقّی ملتی ہے کہ جو کسی اور نفلی عمل سے حاصل نہیں ہوتی۔ عام دنوں میں ہم لوگ اکثر اس عبادت سے محروم رہتے ہیں، کیوں کہ ہماری معاشرتی زندگی اس انداز پر چل پڑی ہے کہ جو رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے سونے کے لیے بنائی ہے وہ آدھی سے زیادہ جاگنے میں گذر جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر شب میں بیدار ہونا تو کُجا فجر کی نماز کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں۔

عام دنوں میں رات کے آخری پہر میں اُٹھنے کی توفیق نہیں ہوتی، لیکن رمضان المبارک میں پیٹ کی خاطر ہی سہی مگر بیدار ہونا ہی پڑتا ہے، جب بیدار ہونا ہی ہے تو ذرا کچھ پہلے اٹھ جائیں اور وضو کر کے آٹھ رکعات تہجد پڑھ لیں۔ دُعا کی قبولیت کے لیے وہ وقت بھی بڑا قیمتی وقت ہے۔ اس میں رمضان کے بعد بھی یہ معمول جاری رہنے کی دُعا کرلیں۔

نوافل کا اہتمام:

اسی طرح اشراق کی نماز، سورج نکلنے کے بارہ پندرہ منٹ بعد دو یا چار رکعت پڑھنا مسنون ہے، اگر عام دنوں میں اس کی توفیق نہیں ہوتی تو رمضان المبارک میں اس کا اہتمام ضرور کرلیں۔ مغرب کے بعد چھ سے بیس رکعات تک ثابت ہے، جس کو ''اوّابین'' کہا جاتا ہے، ان کا بھی رمضان المبارک میں اہتمام کرلیں۔

تلاوت قرآنِ کریم کا معمول:

دوسری بات یہ کہ رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کی تلاوت کا خاص معمول بنائیں، کیوں کہ قرآنِ کریم کو رمضان المبارک سے خاص نسبت حاصل ہے، خطبے میں جو آیت تلاوت کی گئی اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کی عظمت کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہم نے اس مہینے میں قرآن کریم نازل کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو نازل کرنے کے لیے اس مہینے کا انتخاب فرمایا، اس لیے اس مہینے کی قرآنِ کریم سے خاص نسبت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔[1] اس لیے اس ماہ میں جتنا زیادہ ہو سکے تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔

ہمارے جن بھائیوں کو تلاوت کا صحیح طریقہ نہیں آتا وہ اس عرصے میں کسی صحیح تلاوت کرنے والے سے تلاوت کا صحیح طریقہ سیکھ لیں۔ الف سے لے کر یاء تک (۲۹) اُنتیس حروف ہیں، ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے کسی خاص مشق کی ضرورت نہیں پڑتی، ذرا سی کوشش سے ادا ہو جاتے ہیں، چند حروف ہیں جن میں قدرے محنت کرنی پڑتی ہے، مثلاً ہم لوگ ثاء، سین اور صاد ادا کرتے ہوئے اردو میں کوئی فرق نہیں کرتے، لیکن قرآنِ کریم میں یہ الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ذال، زاء، ضاد اور ظاء میں فرق بھی قرآنِ کریم کی تلاوت میں ملحوظ رکھا جاتا ہے، ہر مسلمان کے ذمے اس کو سیکھنا ضروری ہے، فرضِ عین ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري / باب كيف كان بدء الوحي / الرقم : ٦.

کثرتِ ذکراللہ کا اہتمام:

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! جیسے پہلے بھی گذرا کہ یہ مہینہ اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کا مہینہ ہے، لہٰذا اس ماہ میں جتنا زیادہ ہو سکے ذکراللہ کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بندہ اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ ذکراللہ میں بطورِ خاص تیسرے کلمے "سُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ للهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ العَلِيِّ العَظِيْمِ" کا وِرد بہ کثرت کیا جائے۔

دُعا کا خاص اہتمام:

ایک اور اہم بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ دُعاؤں کی قبولیت کا مہینہ بنایا ہے، اس مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دُعاؤں کی قبولیت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں کثرت سے دُعائیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اگر بندہ اپنی دُنیوی ضرورت کے لیے بھی دعا کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں شمار ہوتی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا: "الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ". [1] دُعا خود ایک عبادت ہے۔ کوئی اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے دُعا مانگ رہا ہے، کوئی اپنے روزگار کے لیے اور کوئی اپنی معاشی خوشحالی کے لیے دُعا مانگ رہا ہے، تب بھی یہ دُعا بذاتِ خود عبادت بن جاتی ہے۔

اکابر کا معمول:

ہمارے بہت سے بزرگوں کا ایک معمول رہا ہے اور اس کی انجام دہی بھی کچھ مشکل نہیں، نہایت آسان ہے کہ اگر ہم عصر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جائیں اور

(۱) سنن الترمذي / أبواب التفسير / باب : ومن سورة البقرة، الرقم : ٢٩٦٩.

وہیں پر مغرب تک اعتکاف کی نیت کر کے بیٹھ جائیں، پھر جو کچھ تلاوت وذکر کی توفیق ہو وہ کرتے رہیں، پھر باقی وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگنے میں گذار دیں، یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جائے تو اس کے بڑے انوار و برکات ہیں۔ کوشش کی جائے کہ اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت خداوندی سے قوی اُمید ہے کہ یہ رمضان ہم سب کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنے گا، ہمارے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا، ہمارے لیے ترقّی درجات کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین یا ربّ العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

رمضان ماہِ غفران

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِه وَصَحْبِه وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر: ٦]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۚ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥٣﴾ [الزمر: ٥٣]

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ أَنِّيْٓ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٤٩ وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ ۝٥٠﴾ [الحجر: ٤٩ - ٥٠]

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

تمہید:

قابلِ صد احترام بزرگو، دوستو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم، انعام اور احسان سے ہمیں رمضان المبارک کا یہ قیمتی مہینہ عنایت فرمایا ہے۔ رمضان سال بھر کے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ عظمتوں، فضیلتوں، برکتوں اور رحمتوں والے مہینے کا مشہور نام ہے، جو گویا ایمان واعمال کو ریچارج کرنے کے لیے ہے۔

''رمضان'' کی وجہِ تسمیہ:

لفظ ''رمضان'' عربی مصدر "رَمَضٌ" سے بنا ہے، جس کے معنیٰ ڈکشنری اور لغت کے اعتبار سے جلانے اور شدّتِ حرارت کے ہیں، اس مہینے کو رمضان اس

مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ اس ماہ میں ربّ العالمین اپنی خاص رحمت سے ایمان والوں کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں، چنانچہ بعض علما فرماتے ہیں کہ اس مہینے کو رمضان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو جلا کر ختم کر دیتا ہے۔

"وَقِيْلَ: "سُمِّيَ بذٰلِكَ لِأَنَّهُ يَرْمَضُ الذُّنُوْبَ، أَيْ: يُحْرِقُهَا". (۱)

کیا کمایا؟ کیا گنوایا؟

جب رمضان المبارک کا یہ مہینہ اتنی عظمت وفضیلت کا حامل ہے تو اب ہمیں سوچنا ہے اور اپنا احتساب کرنا ہے کہ اس مہینے کی ہم نے کتنی قدر کی؟ رحمت ومغفرت کے اس مہینے میں ہم نے اپنی مغفرت کے لیے کیا کچھ کیا ہے؟ کتنی کوتاہی ہوئی ہے؟ ہم سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے، اس کے غلام اور مزدور ہیں، مزدور جب اپنا کام پورا کر لیتے ہیں تو اس کا جائزہ لیتے ہیں، تاجر بھی اپنے کاروبار کا حساب وکتاب کرتا ہے کہ میں نے کتنا سرمایہ لگایا تھا؟ اس پر کتنے وقت میں کتنا نفع ہوا؟ کتنا نقصان ہوا؟ کتنی محنت لگی ہے؟ اسی طرح ہمیں رمضان المبارک کے بارے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرنا ہوگا کہ اس مبارک مہینے میں ہم نے کیا حاصل کیا؟ اور کیا ہم سے ضائع ہو گیا؟ روزے کے مقاصد سے ہم کتنا فائدہ حاصل کر پائے اور کتنی کوتاہی ہوئی؟ ورنہ زندگی کے قیمتی رمضان اسی طرح غفلت میں گذرتے چلے جائیں گے اور ہمیں پتا تک نہیں چلے گا کہ ہماری زندگیوں میں کوئی صالح انقلاب کیوں پیدا نہیں ہوا؟

رمضان ماہِ قرآن:

رمضان المبارک کی سب سے بڑی عظمت وفضیلت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے

---

(۱) مرعاة المفاتيح للمباركفوري / كتاب الصوم / الفصل الأوّل: ٦ / ٣٩٩.

نزول کی ابتدا رمضان المبارک ہی سے ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار نغمۂ ازل کی سریلی آواز، بے ہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت، جس سے اونچی کوئی نعمت اور جس سے برتر کوئی رحمت عالمِ تصوّر میں نہیں۔''

ارشادِ ربّانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرة : ١٨٥]

اس سے ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید رمضان میں آیا تو رمضان کا تذکرہ قرآن میں آیا، دونوں میں خاص مناسبت ہے۔ علّامہ سیّد عبدالمجید ندیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے انوکھے انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ ''رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے، رمضان جسم ہے تو قرآن روح ہے۔''

ماہِ صیام! تیرا کیوں نہ ہو احترام
کہ نازل ہوا تجھ میں اللہ کا کلام

اسی لیے ہمارے بزرگوں نے رمضان میں صیام و قیام کے علاوہ قرآن کی تلاوت کو سب سے بہتر عبادت فرمایا۔

رمضان کے حروف:

امامِ ربّانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ رمضان کے روحانی اسرار بیان کرتے ہوئے ایک انوکھی بات ارشاد فرمائی ہے:

"رَمَضَانُ" خَمْسَةُ أَحْرُفٍ، اَلرَّاءُ: رِضْوَانُ اللهِ، وَالْمِیْمُ: مَحَبَّةُ اللهِ،

وَالضَّادُ: ضَمَانُ اللهِ، وَالأَلِفُ: أُلْفَةُ اللهِ، وَ النُّوْنُ: نُوْرُ اللهِ".(۱)

''رمضان'' پانچ حروف سے مل کر بنا ہے، جن میں سے ہر ایک کی مُراد حسب ذیل ہے:

(راء) سے مراد رضوان اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔
(میم) سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبّت وعطا ہے۔
(ضاد) سے مراد اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے۔
(الف) سے مراد اللہ تعالیٰ کی اُلفت ہے۔
(نون) سے مراد اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔

معلوم ہوا کہ رمضان رضائے الٰہی، عطائے الٰہی، ضمانتِ الٰہی، اُلفتِ الٰہی اور نورِ الٰہی کا مہینہ ہے۔ شاید اس کی ان ہی عظمتوں کی وجہ سے رمضان کو شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) اور سیّد الشہور (مہینوں کا سردار) کہا جاتا ہے۔

اور بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ راء سے مقرّبین کے لیے رضائے الٰہی اور میم سے گنہگاروں کے لیے مغفرتِ خداوندی اور ضاد سے مطیعین کے لیے ضمانت باری اور الف سے متوکلین کے لیے اُلفت الٰہی اور نون سے صادقین کے لیے نوالِ الٰہی (اللہ تعالیٰ کے عطیات) کی طرف اشارہ ہے۔(۲)

رمضان المبارک کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ رمضان مغفرت کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینے میں ہماری مغفرت کے بہت سے مواقع رکھے ہیں، اللہ ربّ العزت چاہتے ہیں کہ اپنے بندوں کو معاف فرمادیں۔

---

(۱) الغنية لطالبي طريق الحق عزّ وجل : ۲ / ۱۵، مجلس في فضائل شهر رمضان / فصل رمضان خمسة حروف.

(۲) نزہۃ المجالس مترجم: ۱/ ۳۳۰۔

شیطان اِنسان کا کھلا دُشمن ہے:

خطبے میں قرآن پاک کی جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان تمھارا دُشمن ہے، لہٰذا تم بھی اسے اپنا دُشمن بنا لو۔ اسی طرح قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۵﴾ [یوسف:۵] شیطان انسان کا کھلا دُشمن ہے۔ دوستی اور دُشمنی دونوں ایسے امر ہیں کہ جن کا تعلق جانبین سے ہوتا ہے، دوستی اور دُشمنی کبھی ایک طرف سے نہیں ہوتی، جب شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ وہ تمھارا کھلا دُشمن ہے، تو اب دوسری جانب سے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ کسی طرح اپنے مکروفریب میں ہمیں پھنسا کر اپنی مراد میں کامیاب نہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس ماہِ مبارک میں ہمارے اس دُشمن کو ہم سے دور رکھا ہے، قید کیا ہے، تا کہ اس پورے مبارک مہینے میں ہمارے لیے رجوع الی اللہ آسان ہو اور اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرما دیں، اس ماہِ مبارک کے ختم ہوتے ہی کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دوبارہ شیطان سے دوستی کرنے لگیں، اس کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ کو زندگی بھر کے لیے اپنانا ہوگا اور ہمیشہ اس بات کو مستحضر رکھنا ہوگا کہ کہیں کسی بھی موقع پر شیطان ہمیں غافل پا کر اپنی جانب سے بُرے وساوس ڈال کر ہم پر حملہ آور نہ ہو۔

شیطان ہمارا دُشمن کیوں بنا اور کیسے بنا؟ اس کی وضاحت قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سجدے کا حکم دیے جانے کے بعد اس نے تکبّر کرتے ہوئے سجدے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجے میں اسے بارگاہِ خداوندی سے دور کر دیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب

سے ہمیشہ کی لعنت کا مستحق ٹھہرا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝٣٤﴾ [الحجر : ٣٤]

”(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا، اس لیے کہ تو مردود (راندۂ درگاہ) ہے۔“

تب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم سے اظہارِ دُشمنی کرتے ہوئے ربّ العالمین ہی کو چیلنج کر دیا:

﴿قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝٦٢﴾ [الإسراء : ٦٢]

اگر تو مجھے آدم اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کی قدرت اور قیامت تک مہلت دے دے تو میں ان کے اکثر لوگوں کو اپنا غلام، فرماں بردار اور تابع دار بنا کر یہ ثابت کر دوں گا کہ انسان کو تو نے خلافت ارضی اور افضلیت کا جو شرف بخشا ہے فی الواقع وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے احوالِ واقعی سے بخوبی واقف ہیں اور انھیں دُنیوی زندگی میں امتحانات کے مراحل سے گذار کر ان کی افضلیت کو ظاہر کر دینا چاہتے تھے؛ اس لیے شیطانی چیلنج کا جواب بڑی شانِ بے نیازی سے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۝٦٣﴾ [الإسراء : ٦٣]

”فرمایا: جا! تجھے (بنی نوعِ انسان کو بہکانے کے لیے وسوسے کی حد تک قدرت بھی دی اور قیامت کے نفخۂ اولیٰ تک کی مہلت بھی دی، اس سے فائدہ اٹھا کر تو

میرے بندوں کو جس طرح آگے پیچھے، دائیں بائیں سے آکر بہکا سکتا ہو بہکا لے، اپنا سارا زور صرف کرلے، جو کرسکتا ہو کرلے، میرے مخلص بندے مکمّل اور دائمی طور پر تیرے بہکاوے میں آنے والے نہیں، جو غیر مخلص بندے اپنے ارادے واختیار سے خود ہی تیرے بہکاوے اور قابو میں آجائیں تو پھر وہ میرے عذاب سے بچنے والے نہیں) اور جو تیرے تابع دار بن جائیں گے انھیں بھی اور تجھے بھی پوری پوری سزا دینے کے لیے جہنّم کافی ہے۔''

ایسے ابدی دُشمن کو اگر ہم دُشمن نہ سمجھیں اور اُسے دوست سمجھ کر اس کے جال میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں تو یقیناً یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

شیطان کے مکروفریب اور اس کے وسوسے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ہمیں اُس کی جانب سے ڈالے جانے والے بُرے وساوس بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں، شیطان ہمارا خیر خواہ اور ناصح بن کر اس طرح کے وساوس ڈالتا ہے کہ ہمیں اس کی دوستی پر اعتماد اور بھروسا ہوجاتا ہے، پھر حقیقت میں ہمارے خیر خواہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور ماں باپ وغیرہ کچھ نصیحت کرتے ہیں تو وہ ہمیں بُری لگتی ہے، نصیحت کرنے والے بھی بُرے لگتے ہیں، اس وقت شیطانی جال میں پھنسا ہوا دِل یہ کہتا ہے:

ناصحا! مت کر نصیحت، دِل میرا گھبرائے ہے
میں اُسے سمجھوں ہوں دُشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

نیک بندوں کے دُشمن:

میرے عزیزو! یہاں ہمیشہ کے لیے یاد رکھنے کے قابل ایک بہت ہی اہم نکتے کی بات ہمیں سمجھنی ہے، جو یاد رکھنے میں نہایت آسان اور ان شاء اللہ تمام مواقع

میں ہماری حفاظت کا ذریعہ بنے گی، وہ یہ کہ اُردو زبان میں لفظ ''دُشمن'' چار حروف سے مل کر بنا ہے، جن سے ہمارے چار دُشمنوں کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

پہلا حرف ''دال'' ہے، جس سے دُنیا مراد ہے، انسان جب دُنیا کے حصول میں حدِّ اعتدال کی پرواہ نہیں کرتا اور دُنیا کی محبّت اپنے دِل میں بسا لیتا ہے تو انجام کار یہ دُنیا اُس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآنِ پاک میں دُنیا کی زندگی کو بھی دھوکے کا سامان قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

''اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

لفظ ''دُشمن'' میں دوسرا حرف ''شین'' ہے، جس سے شیطان مراد ہے، جیسا کہ گذر چکا کہ اس کی دُشمنی تمام انسانیت کے ساتھ روزِ اوّل سے ہے اور تا قیامت جاری رہے گی۔

تیسرا حرف ہے ''میم''، جس سے ماحول مراد ہے، انسان فطری طور پر اپنے اِرد گرد کے ماحول سے متاثّر ہو جاتا ہے، نیک ماحول میسّر ہو تو انسان میں نیکی کے اثرات آتے ہیں اور بُرے ماحول سے بدی کے اثرات آتے ہیں۔

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم مظاہر علوم سہارن پور) فرمایا کرتے تھے:

"الصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ، وَالأَخْلَاقُ مُتَعَدِّيَةٌ، وَالطَّبِيْعَةُ مُتَسَرِّقَةٌ".

یعنی صحبتیں اثر انداز ہوتی ہیں، اخلاق متعدی ہوتے ہیں، اچھے یا بُرے اخلاق کا اثر بھی دوسروں پر پڑتا ہے، اور طبیعتیں چُرا لیتی ہیں، یعنی غیر شعوری طور پر

انسان اپنے مصاحبین سے، ساتھ رہنے والوں سے بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔

تو بُرا ماحول بھی انسان کا دُشمن ہوتا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ بندۂ مؤمن کا ایمان اتنا مضبوط ہو کہ بُرے ماحول کو اپنے ایمانی و عملی رنگ میں رنگ کر ایک نیک ماحول تیّار کرے، نہ یہ کہ خود بُرے ماحول کے اثر کو قبول کر کے بدی میں مبتلا ہو جائے۔

چوتھا حرف ہے ''نون''، جس سے نفس مراد ہے، انسان کا نفس بڑا مکّار، دسیسہ کار، عیّار اور چالاک ہوتا ہے، بعض علما نے یہاں تک لکھا ہے کہ نفس کی دُشمنی شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لیے کہ شیطان جو کہ معلم الملائکہ اور فرشتوں کا سردار تھا اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سجدے سے حکم عدولی پر اس کے نفس ہی نے اُبھارا تھا، یعنی شیطان سے نافرمانی کسی شیطان نے نہیں بلکہ اس کے نفس نے ہی کروائی۔ معلوم ہوا کہ نفس امّارہ بہکانے میں شیطان سے بھی بڑا رول ادا کرتا ہے۔

نفس کا دھوکہ:

انسانی نفس بھی شیطان کی طرح انسان کے دل میں وساوس پیدا کرتا ہے، غلط اور بُرا کام بھی انسان کے سامنے اچھّا بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ فجر کی اذان جماعت کے وقت سے تقریباً آدھا گھنٹا پہلے ہوتی ہے، جب بندہ اذان کی آواز سن کر جاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا نفس یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ ابھی تو اذان ہو رہی ہے، جماعت قائم ہونے میں آدھا گھنٹا باقی ہے، دو تین منٹ میں استنجا، دو تین منٹ میں وضو اور دو تین منٹ میں فجر کی سنّت پڑھ لوں گا، کُل ملا کر دس منٹ لگیں گے، کیوں نہ پہلے بیس منٹ سو جاؤں، یہی سوچ کر بندہ گہری نیند سو جاتا ہے اور بالآخر فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔

کسی بُرے عمل کے متعلّق انسانی نفس اچھّا ہونے کا خیال پیدا کرے اسے تزیینِ عمل سوء کہا جاتا ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں کافر بندے کے لیے فرمایا گیا:

﴿ اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ ﴾ [فاطر : ۸]

’’بھلا جس شخص کے لیے اس کا بُرا عمل آراستہ کر دیا گیا ہو اور وہ اُسے (حقیقۃً) اچھّا سمجھنے لگے۔‘‘ (کیا وہ مؤمنِ صالح جیسا ہو سکتا ہے؟)

بندے کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ توفیق سلب فرما لیتے ہیں، یہ انتہائی درجہ خطرے کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ "إِنَّ أَعْدَیٰ عَدُوِّكَ مَا بَيْنَ جَنْبَيْكَ". کہ تیرا سب سے بڑا دُشمن تیرے پہلو میں ہے، یعنی انسانی دِل جو نفس کے بُرے خیالات و وساوِس کا مرکز بنتا ہے۔

اپنے نفس کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے رہنا چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا، أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا". (۱)

’’اے اللہ! ہمارے نفوس کو تقویٰ نصیب فرما، اور ان کا تزکیہ فرما دے، تو ہی ان کا بہترین تزکیہ کر سکتا ہے، تو ہی نفوس کا مالک اور آقا ہے۔‘‘

شیطان کو دیے گئے مخصوص اختیارات:

حاصل کلام یہ کہ نفس اور شیطان دونوں ہی انسانوں کے بڑے دُشمن ہیں، شیطان کو جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سبب راندۂ بارگاہ کر دیا گیا اور اس نے انسانوں

(۱) صحيح مسلم / كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار / باب التعوذ، الرقم : ۲۷۲۲.

کو گمراہ کرنے کی چیلنج کی، جس کے لیے اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا یہ مطالبہ قبول کیا گیا، اسی کے ساتھ اس کو چند خصوصیات بھی دی گئیں جن سے وہ انسانوں کے دِل و دِماغ پر حاوی ہو کر اُنھیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ شیطان کو قیامت تک کے لیے مہلت دی گئی ہے، جس سے پہلے اسے موت نہیں آئے گی، لہٰذا وہ انسانوں کو بہکانے کی کوشش قیامت تک جاری رکھے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے اس کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔

(۲) شیطان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو کھانے، پینے، سونے اور آرام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اُسے بھوک، پیاس اور تھکن نہیں لگتی، یہ تمام بشری تقاضے انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، شیطان ان کے برخلاف ان تمام تقاضوں سے آزاد ہے، اس لیے وہ ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ انسانوں کو بہکانے کے مشن میں وہ تنہا نہیں ہے، اس کی پوری نسل اس کام میں لگی ہوئی ہے، تو (Team Work) اجتماعی عمل کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

(۴) شیطان کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے، ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے، اس کی یہ خصوصیت قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی:

﴿إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾ [الأعراف: ۲۷]

’’بے شک وہ (خود) اور اس کا قبیلہ تمھیں (ایسی ایسی جگہوں سے) دیکھتا (رہتا) ہے جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔‘‘

شیطان کو دور کیسے رکھا جائے؟

یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ شیطان جب انسانوں کا ایسا دُشمن ہے جو انسانوں کو نظر نہیں آسکتا تو پھر انسان اس کا مقابلہ کیسے کرے گا؟ اُس کو اپنا دُشمن کیسے بنائے گا؟

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہت سی جگہوں پر ہم کو ایسے نسخے بتائے ہیں جن سے ہم شیطان کا مقابلہ کر کے اس کو خود سے دور کر سکتے ہیں، ان میں سب سے پہلا نسخہ ہے ذکر اللہ، جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اسے برداشت نہیں کر سکتا اور وہ ذاکر بندے سے دور ہو جاتا ہے، لہٰذا ذکر اللہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب اور شیطان سے دور اور اس کے نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں شیطان کا ایک صفتی نام "خَنَّاس" بھی ذکر ہوا ہے:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ [الناس: ٤]

جس کے معنیٰ ہیں کھِسک جانے والا۔ شیطان کا حال یہ ہے کہ جب بندہ ذکر اللہ میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان اس سے کھسک جاتا ہے اور دور ہو جاتا ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو اس کی تفسیر میں مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ قَالَ: "الشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، فَإِذَا سَهَا وَغَفَلَ وَسْوَسَ، وَإِذَا ذَكَرَ اللهَ خَنَسَ.(١)

"شیطان انسان کے دِل کے ساتھ لگا رہتا ہے، جب انسان اللہ تعالیٰ کے

(١) مصنف ابن أبي شيبة / كتاب الزهد / كلام ابن عباس رضي الله عنهما: ٧ / ١٣٥.

ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہاں سے چپکے سے نکل جاتا ہے۔''

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت، کھاتے پیتے اور سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اس بندے سے اور اس کے گھر سے مایوس ہوجاتا ہے؛ لیکن جب بندہ ان مواقع میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنے مقصد ومشن کی تکمیل کے لیے ان پر مسلط ہوجاتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُوْلِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ، فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُوْلِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالعَشَاءَ".(۱)

معلوم ہوا کہ بندہ جب تک ذکر اللہ میں رہتا ہے شیطان کے شر ونقصان سے محفوظ رہتا ہے، اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجاتا ہے تو بہ طورِ سزا من جانب اللہ شیطان اس پر مسلط ہوجاتا ہے، اسی کو قرآنِ پاک میں فرمایا گیا کہ جن پر شیطان کا تسلط ہوجاتا ہے وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتے ہیں۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ [المجادلة : ۱۹]

''ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا اور انھیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

(۱) صحيح مسلم/كتاب الأشربة /باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما. الرقم : ۲۰۱۸.

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ [الزخرف:۳٦]

''اور جو بندہ رحمٰن کے ذکر سے غفلت کرے ہم اس پر شیطان مقرّر کر دیتے ہیں، تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''

جو ہر وقت اس کے ساتھ رہ کر نیکیوں سے روکتا اور بُرائیوں پر آمادہ کرتا ہے، حتیٰ کہ آخرت میں بھی جب یہ شخص قبر سے اُٹھے گا تو شیطان اس کے ساتھ ہوگا اور دونوں کو ساتھ ہی جہنّم میں داخل کر دیا جائے گا۔

شیطان کی جانب سے ہونے والے اس خسران و نقصان سے بچنے کے لیے کثرت سے ذکر اللہ کا اہتمام کرنا چاہیے، یہ شیطان کے لیے آسمانی و ایمانی کوڑا ہے، جہاں بندہ ذکر کرتا ہے شیطان کو کوڑا پڑتا ہے اور وہ بھاگتا ہے۔

شیطان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اولادِ آدم کو توبہ و استغفار کا ہتھیار بھی دیا گیا ہے، انسان زندگی بھر کے گناہ لے کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئے اور سچّے دل سے توبہ و استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں،(۱) اس موقع پر شیطان افسوس کرتا رہ جاتا ہے کہ اس کی ساری کوششیں اکارت ہو گئیں۔ بندے کی ندامت کے آنسو کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہت اہمیت ہے۔

گر صد بار توبہ شکستی باز آ:

محترم دوستو! ہمارے بہت سے بھائیوں کو یہ شبہ رہتا ہے کہ ہم توبہ و استغفار تو کرتے ہیں، لیکن توبہ پر ہمیشہ قائم نہیں رہ پاتے، کوشش کے باوجود گناہ صادر ہو ہی جاتے ہیں اور توبہ ٹوٹ جاتی ہے، اس لیے توبہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ تو ہمیں یہاں یہ

(۱) سنن الترمذي / الرقم : ۳٥٤۰.

بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہم سے بار بار گناہ سرزد ہوں تو بار بار توبہ کرنی چاہیے، توبہ کرنے سے ہمیں تھکنا نہیں ہے، یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہی ہے کہ جب بار بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو پھر توبہ کیوں کی جائے؟ لہٰذا ہمیں ہمیشہ توبہ واستغفار کی عادت ڈالنی ہوگی۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ جس طرح وضو ٹوٹ جائے تو ہم دوبارہ وضو کرتے ہیں، اس وقت ہم یہ نہیں سوچتے کہ وضو تو ٹوٹ ہی جاتا ہے، پھر وضو کیوں کیا جائے؟ بلکہ ہم بار بار وضو ٹوٹنے پر بار بار وضو کرتے ہیں، اسی طرح توبہ واستغفار کا حال ہے کہ بتقاضائے بشریت بندے سے گناہ تو ہوں گے ہی، لیکن اللہ تعالیٰ کا محبوب و پسندیدہ بندہ وہ ہے جو گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کر لے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید:

حاصل یہ کہ توبہ واستغفار مؤمن بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعمال وہ ہیں جن کے کرنے پر تمام گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، مثلاً یہ کہ دو مسلمان آپس میں مصافحہ کریں تو دونوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ، إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا".(۱)

بظاہر یہ عمل معمولی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بندوں کے لیے سبب مغفرت قرار دیا ہے۔ ایسے بے شمار مواقع اللہ تعالیٰ نے ہم کو

(۱) سنن أبي داود / أول كتاب الأدب / باب في المصافحة. الرقم : ٥٢١٢.

اس ماہِ مبارک میں عطا فرمائے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرما دیتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ خود ہی ہماری مغفرت فرمانا چاہتے ہیں جس کے لیے معمولی اسباب پر بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

کرنی تھی مغفرت تو بہانے بنا دیے
جنّت میں مؤمنوں کے ٹھکانے بنا دیے

رمضان المبارک میں مغفرت کے مواقع:

اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک میں اپنے بندوں کی مغفرت کے جو مواقع رکھے ہیں ان میں سے چند یہاں ترتیب وار سمجھ لیتے ہیں:

(۱) سب سے پہلا موقع یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ماہِ مبارک میں شیطان کو قید کر رکھا ہے،[۱] جو ہمارا خطرناک دُشمن ہے، تاکہ وہ اس ماہِ مبارک میں ہمارے اعمال خراب نہ کر سکے۔ ہمارا دوسرا دُشمن جو کہ ہمارا نفس ہے اس کی اصلاح کے لیے روزے کا حکم فرمایا، تاکہ بھوک اور پیاس کے ذریعے اسے مغلوب کیا جا سکے اور عبادات میں مجاہدے کا عادی بنایا جا سکے۔

(۲) اسی طرح رمضان المبارک میں عبادات کے لیے من جانب اللہ ماحول بھی سازگار بنا دیا جاتا ہے، تاکہ کسی بھی طرح مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ ہم عموماً یہ دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑا گنہگار مؤمن بندہ بھی اس ماہِ مبارک میں بہت سے گناہوں سے دور رہتا ہے، روزے کی برکت سے، شیطان کے قید ہونے کی وجہ سے اور نفس کے کمزور ہونے کے سبب فاسق وفاجر بندہ بھی اس

(۱) سنن الترمذي / الرقم: ۶۸۲.

ماہِ مبارک میں فسق وفجور سے بچا رہتا ہے۔ تو یہ بھی اس ماہِ مبارک کی تاثیر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت اس لیے بھی کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا ہے:

﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ ۝٥﴾ [الضحیٰ : ٥]

''اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''

ایک نکتہ:

یہاں ایک نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ہم آپ کو راضی کریں گے، ہر بندے کا عمل خواہ وہ نبی ہو یا اُمتی، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہوتا ہے، اور یہی اخلاص کا تقاضا ہے، جو ہر ایک میں ہونا بھی چاہیے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے، اس میں یہ بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر جلدی پہنچ جانے کی وجہ پوچھی:

﴿وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَن قَوۡمِكَ يَٰمُوسَىٰ ۝٨٣﴾ [طٰهٰ : ٨٣]

''اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (پہلے طور پر آجانے میں) جلدی کیوں کی؟''

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً عرض کیا:

﴿هُمۡ أُوْلَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِي وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضَىٰ ۝٨٤﴾ [طٰهٰ : ٨٤]

''وہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔ اور میں نے (غلبۂ شوق ومحبّت میں) تیرے حضور پہنچنے میں جلدی کی ہے اے میرے رب! تاکہ تو راضی ہو جائے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے، اُن کو پیچھے چھوڑ کر آپ کوہِ طور پر پہلے پہنچ گئے، حالانکہ جماعت کا امیر تو جماعت کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب جلدی آنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ میرے رب! میں نے اس لیے تیری ملاقات میں جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ ہر نبی کی بھی کوشش یہی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو راضی کریں گے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ نے قرآنِ کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے:

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾﴾ [إبراهيم : ٣٦]

”اے پروردگار! ان معبودانِ باطلہ نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو جس نے میری تابعداری کی تو وہ مجھ سے ہوا، میرا ہے، اور جس نے نافرمانی کی تو تو اس کو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

اور ایک آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾﴾ [المائدة : ١١٨]

کہ ”اگر تو انھیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔“

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! میری

اُمّت میری اُمّت۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ طاری ہو گیا، حضور رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرئیل! جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، ان سے پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ رب العالمین سب جانتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر دی، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرئیل! جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور ان سے کہہ دو: "إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ، وَلَا نَسُوءُكَ". کہ ہم آپ کو آپ کی اُمّت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور ہم آپ کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کریں گے۔ (۱)

حاصل یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اعزاز اسی وجہ سے بخشا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مغفرت فرمانا چاہتے ہیں۔

(۳) اس مبارک مہینے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمالِ صالحہ کا اجر بڑھا دیتے ہیں، بالفاظِ دیگر یوں کہہ لیجیے کہ اعمالِ صالحہ کا ریٹ بڑھ جاتا ہے، کہ عام دِنوں کے اعمالِ صالحہ کے بارے میں فرمایا:

﴿مَن جَآءَ بِٱلۡحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشۡرُ أَمۡثَالِهَا﴾ [الأنعام : ١٦٠]

''جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے (بطورِ اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔''

پھر بندے کے اخلاص اور عمل کی کیفیت کی وجہ سے اس میں سات سو گُنا تک اضافہ ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ صبر کرنے والے بندوں کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجۡرَهُم بِغَيۡرِ حِسَابٖ ۝١٠﴾ [الزمر : ١٠]

''بلا شبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے دِیا جائے گا۔''

---

(١) صحيح مسلم / كتاب الإيمان / باب دعاء النبي لأمته وبكاؤه عليهم، الرقم : ٢٠٢.

اور رمضان المبارک کے بارے میں وارد ہے کہ ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستّر فرائض کے برابر ہوگا۔

"مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّىٰ سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ". (۱)

تو نیکیوں کے اجر کا بڑھایا جانا بھی بندوں کی مغفرت کے لیے ہے۔

(۴) علاوہ ازیں افطار کے وقت روزے دار کی دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا ہے، افطار کا وقت قبولیت دُعا کا ہے، لیکن افسوس کہ ہم اکثر اس قیمتی وقت کو افطار کے سامان کی تیّاری جیسی فضولیات میں ضائع کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا وقت ہے، دِن بھر روزہ رکھا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ اجابت کی گھڑی عطا فرمائی کہ بندہ اس وقت جو مانگے گا مل جائے گا۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ جس طرح مزدور دو قسم کے ہوتے ہیں، بعض وہ جو دِن کے متعین اوقات میں کام کرتے ہیں اور اُن کی مزدوری بھی طے ہوتی ہے کہ دِن بھر کام کرنے کے بدلے میں پانچ سو یا یا سات سو روپے ملیں گے۔ اور بعض مزدور وہ ہوتے ہیں جن کی مزدوری پہلے سے طے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے کام لینے والا آقا ان سے کہتا ہے کہ ہمیں کام اچھّا چاہیے، اس کے بدلے میں مزدوری جو تم چاہو لے سکتے ہو، تو روزے دار کی مثال اس دوسری قسم کے مزدور کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو مانگو گے مل جائے گا۔ اس میں بھی بندے کے لیے اپنی مغفرت طلب کرنے کا بہترین موقع ہے۔

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / فضائل شهر شعبان/: ۵ / ۲۲۳، الرقم : ۳۳۳٦، مكتبة الرشد.

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں

(۵) اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل اعمال میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کی ہر رات میں اللہ تعالیٰ دس لاکھ جہنّمی بندوں کو جہنّم سے رِہا فرماتے ہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ پورے رمضان المبارک کی راتوں میں جتنے گنہگاروں کو جہنّم سے اللہ تعالیٰ آزاد فرماتے ہیں اتنی ہی مقدار میں رمضان کی اخیری رات میں گنہگاروں کو آزاد فرماتے ہیں، سوچنے کا مقام ہے کہ پورے مہینے میں روزانہ کے دس لاکھ جہنّمی بندوں کو شمار کیا جائے تو یہ عدد کہاں تک پہنچ جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت کا نتیجہ ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فکر:

اس موقع پر مجھے بانئ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہوا ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ مرکز کی مسجد کے اوپری حصے میں لوگ عید کا چاند دیکھنے میں مشغول تھے اور آپس میں عید کی مبارک باد دے رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے، ادھر کچھ حاضرین نے دیکھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تنہائی میں رو رہے ہیں، لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت! رونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً جو بات ارشاد فرمائی وہ بڑی اہم ہے، اور ایسی باتوں تک رسائی صرف اولیاء اللہ ہی کا حصّہ ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے رونا اس بات پر آرہا ہے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ بندوں کو اللہ تعالیٰ جہنّم سے

آزاد فرماتے ہیں، اگر چاند نہ ہوتا اور ایک روزہ اور بڑھ جاتا تو مزید دس لاکھ بندوں کی رہائی ہو جاتی، بس یہی غم مجھے رُلا رہا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ والوں کی نگاہیں کہاں تک پہنچتی ہیں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اُمّت کا ایسا درد وغم اور فکر عطا فرمائیں، اُمّت میں دین کو زندہ کرنے کے لیے محنت کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۶) اسی طرح رمضان المبارک میں مغفرت کا ایک اور بہترین موقع اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا، جسے ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے، ایسی بابرکت اور عظمت و فضیلت والی رات جسے قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳﴾ [القدر : ۳]

''شبِ قدر (فضیلت اور اَجر وثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

یہاں ایک ہزار مہینوں کا ذکر صرف کثرت بتانے کے لیے ہے، ورنہ اس سے زیادہ یہ رات کتنی خیر کی حامل ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، ہم اس رات کی حقیقی عظمتوں کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کی مغفرت کے لیے ایسا موقعِ غنیمت ہے کہ جسے یہ نصیب ہو جائے تو گویا اس نے ساری خیر حاصل کر لی اور جو بندہ اس سے محروم رہے اس سے بڑا محروم القسمت کوئی نہیں۔

(۷) رمضان المبارک میں کیے جانے والے اعمال کے متعلّق حدیث پاک میں تین باتیں ذکر ہوئی ہیں، "مَنْ صَامَ"،[۱] جس نے روزہ رکھا۔ "مَنْ قَامَ"،[۲] جس نے تراویح پڑھی، نماز پڑھی۔ "مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ"،[۳] جس نے لیلۃ القدر

---

(۱) صحيح البخاري / الرقم : ۳۸.
(۲) صحيح البخاري / الرقم : ۳۷
(۳) صحيح البخاري / الرقم : ۱۹۰۱

میں بیدار رہ کر عبادت کی، تینوں قسم کے بندوں کے لیے فرمایا گیا: "غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ". اس کے سارے اگلے صغیرہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح روزہ مغفرت کا سبب ہے اسی طرح قیامِ لیل یعنی تراویح، تہجد اور رات کی عبادتیں بھی مغفرت کا سبب ہیں۔

(۸) روزے اور تلاوت قرآنِ پاک کے متعلّق حدیث پاک میں فرمایا گیا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ".(۱)

"قرآنِ مجید کی تلاوت اور روزے مؤمن بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے، روزے مؤمن بندے کے حق میں گواہی دیتے ہوئے کہیں گے کہ اس بندے کو ہم نے کھانے، پینے اور شہوت سے روکا تھا، تو اے اللہ! اس بندے کے حق میں ہماری شفاعت قبول فرما! اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس بندے کو رات کی نیند سے روکا تھا، لہٰذا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کی شفاعت من جانب اللہ قبول کی جائے گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مؤمن بندوں کی مغفرت کے اسباب بنائے گئے ہیں۔

(۹) نیز مغفرت کا ایک اور موقع رمضان المبارک کی اخیری رات ہے، جسے

---

(۱) مسند أحمد / مسند عبد الله بن عمرو. الرقم : ٦٦٢٦.

''لیلۃ الجائزہ''یعنی انعام کی رات کہا جاتا ہے، اس رات کے بھی بہت سے فضائل ہیں، یہ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام حاصل کرنے کی رات ہے کہ پورے رمضان المبارک میں جتنے اعمالِ صالحہ کیے ہیں ان تمام کا انعام اللہ تعالیٰ اس رات کو عطا فرماتے ہیں۔ بہت ہی افسوس ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر حد سے زیادہ عید کی خوشیاں منانے کی تیاریوں میں ہم اس عظیم رات کو قربان کر دیتے ہیں، حالانکہ اس رات میں بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل بندوں پر ہوتا ہے، شب قدر کی تعیین تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں کی گئی، لیکن یہ رات تو متعین ہے کہ یہ لیلۃ الجائزہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام حاصل کرنے کی رات ہے۔

(۱۰) اسی طرح رمضان المبارک کے مغفرت کے مواقع میں سے خود عید کا دِن بھی ہے، عید کے دِن کی سب سے بڑی خوشی مؤمن بندوں کے لیے یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے ان اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا اعلان فرماتے ہیں جو انھوں نے رمضان میں کیے، پھر اپنی عزّت وجلال کی قسم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ دُنیا وآخرت کی بھلائیوں میں سے بندے جو کچھ بھی مانگیں گے میں اُنھیں عطا کروں گا، پھر اپنی جانب سے مغفرتِ عامہ کا اعلان فرماتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں:

"مَا جَزَاءُ الأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهٗ؟"

''کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو؟''

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اُس کا بدلہ یہ ہے کہ اُس کی اُجرت پوری پوری دے دی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو کہ میں نے روزوں اور تراویح کے

بدلے اُن کو مغفرت اور اپنی رضا کا پروانہ عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندو! مجھ سے مانگو۔

"فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ، لَا تَسْأَلُوْنِيْ الْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِأٰخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ".(۱)

''آخرت مانگو گے وہ بھی عطا کروں گا، دُنیا کی کسی چیز کا سوال کرو گے اس میں تمھاری مصلحت پر نظر کروں گا۔''

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت:

اگر پورے سال اللہ تعالیٰ کے گنہگار بندے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تلاش کرتے ہیں تو رمضان المبارک میں خود اللہ تعالیٰ کی رحمت گنہگاروں کو تلاش کرتی ہے اور گیارہ مہینوں میں اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت تقسیم کی جاتی ہے تو رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت لُٹائی جاتی ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ رحمت الٰہی کے سیلاب کا مہینہ ہے، جس طرح سیلاب آتا ہے تو ہر چھوٹی بڑی چیز کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے، ایسے ہی جب رمضان المبارک آتا ہے تو ہر چھوٹے (سچّی پکّی توبہ کے بعد) بڑے گناہ کو اپنی طغیانی و روحانی رَو میں بہا کر لے جاتا ہے، رمضان تو روحانی، رحمانی و ایمانی بارش کا موسم اور سیزن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کے مانند برستی ہے، فرق اتنا ہے کہ برسات میں آسمان سے پانی برستا ہے تو رمضان میں آسمان سے رحمت برستی ہے، اور عام طور پر جب کہیں پانی اور ابر رحمت برستا ہے تو ویرانوں میں بھی گھاس اُگ جاتی ہے، مردہ چٹانوں کے سینوں پر بھی درختوں کی کونپلیں نکل آتی ہیں، مرجھائے ہوئے

---

(۱) كنز العمال / كتاب الصوم : ۸ / ۵۸۷، الرقم : ۲٤۲۸۱.

پھولوں میں شادابی آجاتی ہے، رمضان کی حیثیت بھی بالکل ایسی ہی ہے کہ اس کی آمد سے انسانوں کے ویران دلوں میں ایمانی گھاس اُگ جاتی ہے، سخت سینوں میں عباداتِ الٰہی، رحم اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، مرجھایا ہوا باغِ اسلام پھر ایک بار مسلمانوں کے نیک اعمال و اخلاص اور اخلاق سے ہرا بھرا اور سرسبز شاداب ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ! أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ".(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جناتوں کو بند کر دیا جاتا ہے، جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اس کا کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رکھا جاتا، اور جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا، اور ایک پُکارنے والا پُکارتا ہے: اے خیر کے طالب! متوجّہ ہو جا، اور اے بُرے اعمال کرنے والے! تو باز آجا، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے شمار بندوں کو جہنّم سے آزاد کر دیا جاتا ہے، اور یہ معاملہ ہر رات کو ہوتا رہتا ہے۔

ایک عربی کا شاعر کہتا ہے:

(۱) سنن الترمذي / أبواب الصوم / باب ما جاء في فضل شهر رمضان. الرقم : ٦٨٢.

أَتیٰ رَمَضَانُ مَزرَعَةُ الْعِبادِ
لِتَطْهِيرِ الْقُلُوْبِ مِنَ الْفَسَادِ

''رمضان بندوں کی ایمانی وروحانی کھیتی کا زمانہ آ گیا، ہر قسم کے دل کے فساد کو پاک کرنے کے لیے۔''

پھر منشائے الٰہی تو یہ ہے کہ ہماری پوری زندگی رمضان کی طرح گناہوں سے پاک صاف ہوجائے ، یا کم از کم رمضان صحیح طور پر گذار لیں، تا کہ پورا سال صحیح گذرے، اس لیے کہ سال بھر کے مہینوں میں رمضان کی ایک حیثیت وہ بھی ہے جو جسم انسانی میں دل کی ہے، جب دل صحیح ہوگا تو جسم صحیح ہوگا، اسی طرح جب رمضان صحیح گذرے گا تو ان شاء اللہ پورا سال صحیح گذرے گا۔ حضرت علّامہ سیّد عبدالمجید ندیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے تھے کہ ''زندگی رمضان کی طرح گذار لو، تو موت عید بن کر آئے گی''۔

روزے دار بندوں کی فضیلت:

رمضان المبارک کے روزوں کی فضیلت اتنی عظیم الشان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اُن کے مختلف اعمالِ صالحہ کے اجر وثواب کے طور پر جنّت میں داخل فرمائیں گے تو روزے دار بندوں کے لیے مستقل علیحدہ خصوصی دروازہ ہوگا، جس سے صرف روزے دار بندے داخل ہوں گے، جنّت کے اس مخصوص دروازے کا نام حدیث پاک میں ''باب الریان'' ذکر ہوا ہے:

"عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ "الرَّيَّانُ"، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ

مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ".(۱)

اسی طرح روزے دار بندے کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "الصَّوْمُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبَهُ مِنْ أَجْلِي، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ، فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَىٰ رَبَّهُ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ".(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: روزہ میرے لیے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ اپنا کھانا، پینا اور شہوت میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، روزہ ڈھال ہے، اور روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہوتی ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت، اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملے گا، اور روزے دار کے منھ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

میرے بھائیو! اس حدیث پاک میں غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے روزے کو اپنے لیے خاص فرما رہے ہیں، پھر روزوں کا ثواب بھی بذاتِ خود دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جب کہ دیگر عبادات کا ثواب فرشتوں کے ذریعے دِلوایا جاتا ہے، پھر روزے دار بندے کے اخلاص کو خود بیان فرمایا کہ اس کا کھانے، پینے اور شہوت کی تکمیل

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب الريان للصائمين. الرقم: ۱۸۹٦.

(۲) صحيح البخاري / باب قول الله تعالىٰ: يريدون أن يبدلوا كلام الله. الرقم: ۷٤۹۲.

سے رُکا رہنا میرے حکم کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ دیگر عبادات اور روزے میں بنیادی فرق یہی ہے کہ دیگر عبادات جب کی جائیں تو وہ نظر آتی ہیں، لہٰذا ان میں رِیا کا شبہ ہوسکتا ہے، جب کہ روزہ ہی صرف ایک ایسی عبادت ہے کہ جب تک روزے دار خود نہ بتائے پتا نہیں چل سکتا کہ وہ روزے دار ہے یا نہیں، روزے سے ہیں یا روز جیسے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزے دار بندے کے لیے وعدے کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک تو اُسے اِفطار کی خوشی حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی آخرت کے دِن روزے کے ثواب کی شکل میں اسے حاصل ہوگی۔ اور اخیر میں روزے دار بندے کی قیمتی حالت کا ذکر فرمایا کہ بھوکا رہنے کی وجہ سے منھ میں جو بو پیدا ہوجاتی ہے اس کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت عظیم ہے۔

روزہ اِفطار کرانے کی فضیلت:

میرے محترم بھائیو! جس طرح روزہ رکھنے پر روزے دار بندوں کے فضائل کتاب وسنّت میں وارد ہیں اسی طرح روزہ افطار کرانے والے کے لیے بھی بہت سی فضیلتیں احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ رمضان المبارک میں اپنی وسعت کے مطابق زیادہ سے زیادہ روزے دار بندوں کو افطار کرائیں۔ ترمذی شریف کی ایک روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مروی ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ

أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا". (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مؤمن بندہ کسی روزے دار کو افطار کروائے تو اس کے لیے بھی وہی اجر وثواب ہے جو روزے دار بندے کو روزہ رکھنے پر ملتا ہے، حالانکہ اس روزے دار بندے کے اجر میں سے کچھ کم نہیں ہوتا، بلکہ دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اجر وثواب سے نوازتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں تو روزہ افطار کروانے والے کے لیے یہ فضیلت بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، نیز جہنّم سے بھی خلاصی نصیب ہوگی، اور افطار کروانے کے والے کو بھی روزہ رکھنے والے بندے جتنا ثواب ملے گا، حالانکہ روزہ رکھنے والے کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا، اس پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! ہم میں سے بہت سے لوگ اتنے تنگ دست ہیں کہ روزے دار کو افطار کروانے کے لیے اُنھیں کوئی چیز میسّر نہیں، تو اس پر عمل کیسے کیا جائے؟ میرے بھائیو! یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جنھیں دو وقت کا کھانا بھی مشکل سے نصیب ہوتا تھا، اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ افطار کروانے پر یہ ثواب اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جو ایک کھجور یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک گھونٹ پانی ہی پلا کر روزہ افطار کروائے۔ (۲)

میرے دوستو! غور کرنے کا مقام ہے کہ افطار کروانے کے لیے کثیر مقدار میں

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب الصوم / باب ما جاء في فضل من فطّر صائما، الرقم : ۸۰۷.

(۲) صحيح ابن خزيمة / باب فضائل شهر رمضان / ۳ / ۱۹۱.

بہترین قسم کے لذیذ کھانوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، افطار کروانے کی فضیلت قلیل مقدار میں سادہ کھانا کھلانے پر بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس میں ہمارے لیے یہ بھی سبق ہے کہ بہت سی مرتبہ ہم افطار کے کھانوں کی تیاری میں فضول خرچی کی حد تک چلے جاتے ہیں اور ہمیں پتا تک نہیں ہوتا۔

ہمارے معاشرے میں روزہ اِفطار کرانے کا رواج الحمدللہ عام ہے، ہمارے بہت سے بھائی روزہ افطار کرواتے ہیں، لیکن اس میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ افطار کا کھانا اکثر ایسے گھروں میں بھیجا جاتا ہے جو معاشرے میں بڑے امیر اور باعزّت سمجھے جاتے ہیں، افطار بھیجنے والے یا افطار کی دعوت دینے والے کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑے مالدار اور باعزّت لوگوں کو مدعو کرے، اگرچہ افطار کرانے کی فضیلت اس سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ کوشش یہ کی جائے کہ افطار کا کھانا ایسے لوگوں تک پہنچایا جائے جن کو حقیقۃً اس کھانے کی ضرورت ہو، اسی طرح اُمّت کے ان افراد کو افطار کی دعوت دی جائے جو دینداری اور تقویٰ کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے ہوں۔

رمضان میں اپنے ماتحتوں کا بوجھ کم کرنا:

میرے محترم بھائیو! رمضان المبارک تمام ہی مؤمن مَردوں اور عورتوں کے لیے ایک بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے، اس ماہِ مبارک کی فضیلت و برکت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس طرح زیادہ وقت عبادات میں گذارنا مَردوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی ضروری ہے، نیز گھر میں یا دُکان میں کام کرنے والے ملازمین و خدّام کے لیے بھی ضروری ہے، لہٰذا اس بات کا خوب خیال رکھنا چاہیے کہ اس ماہِ مبارک میں اپنے تمام ماتحتوں کے کاموں کو کم کر کے اُن کا بوجھ ہلکا

کر دیا جائے، تا کہ وہ اس ماہِ مبارک کی فضیلت و برکت سے خوب مستفید ہو سکیں اور اُن کے لیے روزہ دُشوار نہ ہو جائے، کام کا بوجھ اُن سے ہلکا کر دیا جائے گا تو وہ لوگ بھی خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں گے۔

اس سے پہلے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث کا ذکر ہوا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں جو اس ماہِ مبارک میں اپنے غلام سے کام کا بوجھ کم کر دیتا ہے، موجودہ دور میں اگرچہ غلام نہیں رہے، لیکن یہ حکم ہمارے ماتحت کام کرنے والے تمام مسلمان ملازمین اور خدّام کے لیے ہوگا کہ ہم اس ایک مہینے کے لیے ان کے کاموں کو کم کر کے اُن کو آسانی مہیّا کریں، تا کہ ان کے لیے روزہ رکھنے میں کوئی دُشواری نہ ہو اور اُن کو خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا موقع میسّر ہو۔

میرے بھائیو! اس موقع سے متعلّق ایک اہم بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام اور خادم کے بوجھ کو ہلکا کرنے پر یہ فضیلت بیان فرمائی ہے تو ہمارے گھر میں ہمارے ماتحت خواتین تو بدرجۂ اولیٰ اس تخفیف اور نرمی کی مستحق ہیں، اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے مواقع کی جتنی ضرورت ہمیں ہے اسی قدر اُنھیں بھی ہے، یہ تو اُن خواتین کا ہم پر احسان ہوتا ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک میں روزے کی حالت میں بھی ہمارے لیے کھانے پینے سے لے کر تمام سہولیات مہیّا کرتی ہیں، جس کی وجہ سے ہمیں روزہ رکھنے میں آسانی ہو جاتی ہے، لیکن ہمیں بھی اس بات کا خوب خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں ہمارے لیے کھانا پینا تیّار کرنے میں اُن خواتین کا بابرکت وقت چولہے پر ہی ضائع نہ ہو جائے، لہٰذا ہمیں یاد رکھنا ہے کہ کھانے پینے اور

دیگر سہولیات کے مطالبات ہماری جانب سے اتنے نہ ہوں کہ اُنھیں پورا کرنے میں وہ تھک کر چور ہو جائیں، روزہ رکھنا بھی ان کے لیے ایک آزمائش بن جائے اور اِس ماہِ مبارک کے اوقات کو وہ گھر کے کاموں ہی میں صرف کردیں۔

گھر کے مرد حضرات کی یہ ذمّے داری ہے کہ خواتین کے کاموں میں تخفیف کرتے ہوئے خود ہی اُنھیں خیر خواہی کے ساتھ یہ بات سمجھائیں کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذاریں، مختلف اور متنوع کھانے تیّار کرنے میں مبارک اوقات ضائع نہ کریں۔

ہمارے معاشرے میں بہت سی خواتین یہی سمجھتی ہیں کہ رمضان المبارک میں اُن کی ذمّے داری صرف یہی رہ جاتی ہے کہ وہ قسمہا قسم کے کھانے پکا کر گھر کے افراد کو کھلاتی رہیں، گویا اُن کا فریضہ ہی یہ ہے، اکثر گھروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ عین افطار کا وقت جو کہ دُعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اس وقت بھی خواتین چولہے پر ہی ہوتی ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مردوں کو گرما گرم کھانا کھلاسکیں، اسی طرح سحری کا کھانا بنانے کے لیے خواتین جلدی بیدار ہو جاتی ہیں، جو کہ اچھّی بات ہے، لیکن پھر تہجد کے بجائے پورا وقت اُن کا سحری کی تیّاری میں صرف ہو جاتا ہے، جو بالکل مناسب نہیں۔ ہماری یہ غلط روِش اتنی عام ہو چکی ہے کہ بہت سے غیر مسلمین تو رمضان المبارک کو مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کا مہینہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ عبادت کا مہینہ ہے، لہٰذا مسلمان خواتین بھی اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ جس قدر ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کو راضی کر لینے کی ضرورت مرد حضرات کو ہے اسی قدر خواتین کو بھی ہے۔ لہٰذا گھریلو کاموں میں کم وقت صرف ہو اور عبادات میں زیادہ وقت لگے اس کی پوری کوشش کریں۔

رمضان المبارک کی ناقدری پر وعید:

رمضان المبارک جب اتنی رحمتوں والا مہینہ ہے، جس میں معمولی سی نیکیوں کے بدلے میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں، تب بھی کچھ بندے اتنے کوتاہ ہوتے ہیں جو اس ماہِ مبارک میں بھی اپنی مغفرت کے لیے کچھ نہیں کرتے، ایسے بندوں کے بارے میں وعید بھی نہایت سخت حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے:

عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: "ارْتَقَىٰ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى دَرَجَةٍ مِنَ المِنبَرِ، فَقَالَ: آمين، ثُمَّ ارتَقَىٰ دَرَجَةً أُخْرَىٰ، فَقَالَ: آمين، ثُمَّ ارْتَقَىٰ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: آمين، ثُمَّ استَوَىٰ فَجَلَسَ، فَقَالَ أَصحَابُهُ: عَلىٰ مَا أَمَّنْتَ؟ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ، فَقَالَ: رَغِمَ أَنْفُ امْرِئٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: آمِين، فَقَالَ: رَغِمَ أَنْفُ امْرِئٍ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ، فَلَمْ يَدْخُلِ الجَنَّةَ، فَقُلْتُ: آمِيْن، فَقَالَ: رَغِمَ أَنْفُ امْرِئٍ أَدْرَكَ رَمَضَانَ، فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، فَقُلْتُ: آمين". (١)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر کے پہلے درجے پر قدم رکھا اور آمین کہا، پھر دوسرے پر قدم رکھ کر آمین فرمایا، پھر تیسرے پر قدم رکھ کر آمین فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! آپ نے کس بات پر آمین فرمایا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ایسا شخص نامراد ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو تب بھی وہ آپ پر درود نہ پڑھے، تو میں نے آمین کہا، پھر

(١) مسند البزار / مسند أبي حمزة أنس بن مالك : ٢٧٤/٢.

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص بھی نامراد ہو جو اپنے والدین کو پائے، پھر بھی ان کی خدمت کر کے اُنھیں راضی کر کے جنّت میں داخل نہ ہو سکے، تو میں نے آمین کہا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شخص بھی نامراد ہو جسے رمضان المبارک کا مہینہ نصیب ہو، لیکن وہ کوتاہی کے ساتھ گذار دے اور اپنی مغفرت نہ کروا سکے، تو میں نے آمین کہا۔"

میرے بھائیو! اس حدیث پاک میں بیان کردہ وعید کس قدر سخت ہے اس میں غور کریں کہ جب بددُعا کرنے والے سیّد الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور اس پر آمین کہنے والی ذات سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو، پھر اس کے قبول ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

ایک اشکال اور جواب:

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں، آپ کے جذبۂ رحم کا تو یہ عالم تھا کہ طائف سے واپسی کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل طائف کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے نہایت مغموم تھے، علاوہ ازیں اُن کی جانب سے ظلم و زیادتی کے سبب مظلوم بھی تھے، اس مظلومانہ حالت میں راستے میں جب بے ہوشی سے اِفاقہ پایا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا گیا اور طائف کے ظالم کفّار پر عذابِ عام کی پیش کش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظلوم ہونے کے باوجود منع کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ اگر یہ لوگ نہ سہی تو اُن کی نسلیں ضرور ایمان لائیں گی، جیسا کہ بخاری شریف میں ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت مروی ہے، جس کا کچھ حصّہ اس طرح ہے:

"فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ، فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي، فَقَالَ: "إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: "يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ: ذٰلِكَ فِيمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا".(١)

تو یہاں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بدُ عا کی تو اس پر آپ ﷺ نے اُنھیں روکنے کے بجائے اُن کی بدُ عا پر آمین کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ یہ بھی پوچھ سکتے تھے کہ جبرئیل! آپ کو بدُ عا کا اختیار کس نے دیا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی نبوی فراست اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ معرفت کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ ان گنہگاروں کے بارے میں یہ بدُ عا حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی جانب سے نہیں کر رہے ہیں، بلکہ یہ حکم خداوندی ہے، اس لیے اس کی تعمیل میں بدُ عا کی جارہی ہے، لہٰذا اتمامِ حکم کی خاطر آپ ﷺ نے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بدُ عا کے بعد آمین فرمایا۔

پھر یہ بھی سوال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ بدُ عا کا حکم کیوں ہوا؟ تو اس کا بھی جواب ظاہر ہے کہ رمضان المبارک میں جب اللہ تعالیٰ نے بے شمار مغفرت کے مواقع رکھے، ہر طرح سے بندوں کے لیے رجوع الی اللہ اور اِنابت کا ماحول فراہم کیا گیا، پھر ان تمام کے باوجود اگر کوئی بد بخت اللہ تعالیٰ کی

(١) كتاب بدء الخلق / باب إذا قال أحدكم "آمين" والملائكة في السماء / الرقم : ٣٢٣١.

جانب متوجّہ نہ ہو، اتنے سارے مغفرت کے اسباب و دواعی سامنے ہونے کے باوجود اُن سے فائدہ اُٹھا کر اپنی مغفرت نہ کروانا چاہے تو عقل یہی کہتی ہے کہ ایسے شخص کے لیے وہی سزا موزوں ہے جو اس حدیث پاک میں بیان کی گئی۔

عیدین کی رات میں دُعا کی قبولیت:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ راتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان میں دُعا قبول ہوتی ہے، ان میں عیدین کی رات کا بھی تذکرہ ہے۔[1] نیز حدیث پاک میں عیدین کی راتوں میں عبادت کے لیے بیدار رہنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

"مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدِ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ".[2]

''جو شخص عیدین کی راتوں میں بیدار رہ کر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے دِل پر اس دِن موت طاری نہ ہوگی جس دِن تمام قلوب مر جائیں گے۔''

میرے بھائیو! عیدین کی رات کی اس فضیلت کو ہم اکثر عیدین کی تیّاری کے نذر کر دیتے ہیں، خصوصاً ہمارے نوجوان بھائیوں سے التماس کروں گا کہ عیدین کی خوشی ہم ضرور منائیں، لیکن اس طرح نہیں کہ ہمارے رمضان کے اعمالِ صالحہ اور عبادتیں ضائع ہو جائیں، بلکہ عیدین کی خوشی میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر شامل ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس ماہِ مبارک میں عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے بہت سے بھائی

---

(۱) فضائل اعمال: ۱/ ۶۲۹، ادارہ دینیات

(۲) الأذكار للنووي / باب الأذكار المشروعة في العيدين: ۳۰۱، دار ابن حزم

عید کی تیاری کے لیے پیشگی طور پر بہت سے گناہوں کی پلاننگ کر لیتے ہیں کہ چاند نظر آتے ہی ڈاڑھی صاف کروا لیں گے، وغیرہ، تو یہ رمضان المبارک کی ناشکری اور ناقدری ہے، بہت ہی زیادہ ڈرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے ہم اس کی نافرمانی کر کے گنہگار بن رہے ہیں۔ ایسے مبارک اوقات کو ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم تمام کی حفاظت فرمائیں، ہم سب کو رمضان المبارک کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائیں اور توفیقِ عمل سے نوازیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِیْنَ.

رمضان میں تلاوتِ قرآن اور چار کاموں کی کثرت

PART-1
BAYAN QR CODE

PART-2
BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَصَّ بِالفَضْلِ وَالتَّشْرِيْفِ شَهْرَ رَمَضَانَ، وَأَنْزَلَ فِيْهِ القُرآنَ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الهُدَىٰ وَالفُرْقَانِ، وَخَصَّهُ بِالْعَفْوِ وَالغُفْرَانِ، وَاخْتَصَّ مَنِ اصْطَفَاهُ بِفَضْلٍ مِّنْهُ وَامْتِنَانٍ، وَأَيقَظَ بِالوَعْظِ مَنْ وَفَّقَهُ فِي هٰذَا المَوسِمِ العَظِيْمِ الشَّأْنِ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ذُو الفَضْلِ وَالإِحْسَانِ، وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ سَيِّدُ وُلْدِ عَدْنَانِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيرًا كَثِيْرًا.

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنًى بِكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ: فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنًى بِكُمْ عَنْهُمَا: فَتَسْأَلُونَ اللهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهٖ مِنَ النَّارِ".(۱)

تمہید:

میرے محترم بزرگو اور دوستو! رمضان المبارک کی مبارک بہاریں چل رہی ہیں، ذاتِ رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم ہم سب کے شامل حال ہے، جس کے نتیجے میں ہم

(۱) صحیح ابن خزیمة / باب فضائل شهر رمضان: ۳ / ۱۹۱.

اور آپ اپنی حیثیت و طاقت کے مطابق اس بابرکت مہینے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی رضا حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، مختلف اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے، ان میں سے بعض اعمال رمضان المبارک کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً روزہ جو کہ فرض ہے اور تراویح جو کہ سنّت مؤکّدہ ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی تاکید حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر فرمائی ہے، تو اس مجلس میں ہم اُن اعمالِ صالحہ اور تلاوتِ قرآنِ پاک کے متعلّق گفتگو کریں گے۔

خطبے کے بعد جو حدیث پیش کی گئی وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس طویل حدیث پاک کے شروع حصے میں رمضان المبارک کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، پھر یہ ذکر کیا گیا کہ رمضان المبارک کے تینوں عشروں میں سے پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنّم سے خلاصی کا ہے، اور آخری حصے میں ان چار اعمال کا ذکر ہے، جن میں سے دو کے متعلّق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے دو اعمال کے متعلّق فرمایا کہ ان کے بغیر کسی مسلمان کو چارۂ کار نہیں ہے۔

(۱) کلمۂ توحید کی کثرت:

وہ چار اعمال جن کو بہ کثرت انجام دینے کی تاکید اس حدیث پاک میں کی گئی ہے اُن میں سے پہلا عمل ہے کلمۂ توحید: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه"، ذرا غور کریں میرے بھائیو! کس قدر آسان عمل ہے، جس کے لیے نہ زیادہ وقت لگتا ہے اور نہ محنت، اپنے دیگر کاموں کو انجام دیتے ہوئے بھی بندہ بآسانی اپنی زبان سے اس کلمے کا وِرد جاری

رکھ سکتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں گے، تو یہ عمل انتہائی آسان ہے اور اس پر ملنے والا اجر نہایت عظیم ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ رضا کوئی معمولی چیز نہیں ہے، خود قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ [التوبة:۷۲]

''اور اللہ کی رضا اور خوشنودی (ان سب نعمتوں سے) بڑھ کر ہے (جو بڑے اجر کے طور پر نصیب ہوگی) یہی زبردست کامیابی ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جنّت اور اس میں مؤمنین ومؤمنات کو ملنے والی جنّت کی عظیم نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، پھر اپنی خوشنودی کو ان تمام نعمتوں کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار دیا اور اسی کو بڑی کامیابی بھی قرار دیا۔ اتنی عظیم الشان نعمت اگر ہمیں کلمۂ توحید کی کثرت پر مل جائے تو کتنا سستا سودا ہے۔

(۲) استغفار:

اس حدیث پاک میں دوسرا عمل جس کی کثرت کی تاکید کی گئی ہے وہ ہے: "تَسْتَغْفِرُوْنَهٗ". کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرو۔ بندہ روزمرّہ کی زندگی میں اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے بہت سے گناہ ایسے کرلیتا ہے جو اُس کو یاد بھی نہیں ہوتے، اس لیے بہ کثرت استغفار کا حکم دیا گیا کہ جیسے ہی گناہ ہوگا استغفار کے ذریعے وہ مٹ جائے گا اور معاف کردیا جائے گا۔

استغفار کا عمل بھی کلمۂ توحید ہی کی طرح نہایت آسان ہے، جس کو بندہ ہر حال میں بآسانی انجام دے سکتا ہے، بندہ ہاتھ پیر سے اپنا کام کرتا رہے اور زبان یا دِل سے

استغفار جاری رہے، ظاہر سی بات ہے کہ "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" یا "نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" پڑھتے رہنا نہایت آسان ہے، اگر کوئی اپنی مادری زبان میں بھی استغفار کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے بار بار یہ عرض کرتا رہے کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے۔

استغفار اتنا اہم عمل ہے کہ رمضان المبارک کے علاوہ عام دِنوں میں بھی اس کی کثرت ہونی چاہیے، خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک بھی اسی پر تھا، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ کی قسم! میں دِن میں ستّر سے زیادہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔"

میرے بھائیو! غور کرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو نبی تھے، اور نبی معصوم ہوتے ہیں، اُن سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کی کیا ضرورت تھی؟ محدثین عظام نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار اپنی اُمّت کی تعلیم کے لیے تھا کہ اُمّت جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کرتے ہوئے دیکھے گی تو اُنھیں استغفار کا طریقہ اور اہمیت معلوم ہوگی

(۱) صحيح البخاري / كتاب الدعوات / باب استغفار النبي صلّى الله عليه وسلم، الرقم: ٦٣٠٧.

کہ نبی کی ذات جو کہ پہلے سے معصوم ہے وہ بھی استغفار کرتی ہے تو ہم گنہگاروں کو استغفار کی کس قدر ضرورت ہوگی کہ ہم سے تو رات دِن گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں۔

تو یہ دوسرا عمل ہوا جس کو بہ کثرت انجام دینے کی تاکید کی گئی، اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔

(۳) جنّت کا سوال:

تیسرا عمل جس کی کثرت کے لیے فرمایا وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال کریں، اس سے جنّت مانگیں، اس تیسرے اور چوتھے عمل کے متعلّق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کے بغیر بندوں کو کوئی چارہ نہیں ہے، یعنی ہر حال میں یہ عمل بندے کو کرنے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال کرنے کے متعلّق ایک حدیث میں بہت ہی انوکھا فائدہ بیان کیا گیا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَأَلَ اللهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ: اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ: اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ".[۱]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنّت کا سوال کرتا ہے تو جنّت خود بھی عرض کرنے لگتی ہے کہ اے اللہ! اس بندے کو تو جنّت میں داخل فرما دے۔ اور جو شخص جہنّم سے تین مرتبہ پناہ مانگتا ہے تو جہنّم خود ہی عرض کرتی ہے کہ اے اللہ! تو اُسے جہنّم سے بچالے۔''

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب صفة الجنة / باب ما جاء في صفة أنهار الجنة، الرقم: ۲۵۷۲.

جنّت کے سوال کا کتنا عظیم فائدہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال بہ کثرت کرتا ہے تو پھر اس سوال میں وہ تنہا نہیں ہوتا، بلکہ جنّت بھی اس سوال میں شامل ہو جاتی ہے، اور جب جنّت خود ہی اللہ تعالیٰ سے مؤمن بندے کے لیے جنّت میں داخلے کی درخواست کرے تو ظاہر بات ہے کہ وہ یقیناً قبول ہوگی۔

پھر یہی حال جہنّم سے پناہ مانگنے کا بھی ہے کہ جب بندہ بہ کثرت جہنّم سے پناہ مانگتا ہے تو وہ تنہا نہیں رہ جاتا، بلکہ جہنّم بھی اس کا تعاون کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض رساں ہوتی ہے کہ اُسے جہنّم سے پناہ دے دی جائے۔

میرے دوستو! اس موقع پر یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال بھی اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ہونا چاہیے، ہماری شان کے مطابق نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے اور اس کی عطا و فضل میں بھی کبھی کوئی کمی نہیں ہوتی، کمی صرف ہم مانگنے والوں میں ہوا کرتی ہے کہ ہم کو تو مانگنا بھی نہیں آتا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پہ قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

"فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوهُ الفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے جنّت الفردوس کا سوال کرو! اس لیے کہ وہ جنّت کا بہترین اور اعلیٰ درجہ ہے، جس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے، اور

(۱) صحيح البخاري / كتاب الجهاد / باب درجات المجاهدين في سبيل الله، الرقم: ۲۷۹۰.

اسی سے جنّت کی نہریں پھوٹ کر بہتی ہیں۔‘‘

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی ذات کو بندوں پر قیاس نہ کیا جائے کہ جب ہم کسی بندے سے کوئی چیز مانگتے ہیں، اور بہت اِصرار کے بعد اگر وہ چیز دینے پر آمادہ ہو تو ہم اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اس سے کہیں زیادہ کا مطالبہ نہ کر بیٹھیں! لیکن اللہ تعالیٰ کا حال بندوں سے بالکل برعکس ہے، بندے مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہ مانگنے کی وجہ سے ناراض ہوتے ہیں اور مانگنے سے خوش ہوتے ہیں، اس کے فضل اور عطا میں ایسی بے انتہا وسعت ہے کہ بندے اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سب سے اعلیٰ درجہ مانگو، جس کو جنّت الفردوس کہا جاتا ہے۔

(۴) جہنّم سے پناہ:

چوتھا عمل جس کو رمضان المبارک میں کثرت کے ساتھ کرنے کی تاکید کی گئی وہ یہ کہ بندے جہنّم سے پناہ مانگیں، یہ عمل بھی ایسا ہے کہ بندے کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، مؤمن بندے چوں کہ آخرت کے دِن کا یقین رکھتے ہیں اس لیے وہ اس دِن سے اور جہنّم سے ڈرتے ہیں، تو جس طرح اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وعطا کی وجہ سے جنّت کا سوال کرنے کے لیے کہا گیا اسی طرح اس کے مؤاخذہ اور عذاب سے ڈر کر جہنّم سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا، اور ایمان کا حاصل بھی یہی ہے کہ بندے کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت سے اُمید بھی ہو اور اس کے مؤاخذہ اور سزا کا خوف بھی ہو۔

قرآنِ پاک میں متقی بندوں کی پہچان کے طور پر یہ علامت بیان کی گئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

النَّارِ ﴿١٦﴾ [آل عمران : ١٦]

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم یقیناً ایمان لے آئے ہیں، سو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

اس آیت کریمہ کے ماقبل میں اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لیے جنّت اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہے، ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی بیان کی گئی، پھر فوراً اس آیت میں ان متقی بندوں کی اس دُعا کو بیان کیا گیا کہ وہ اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچا لیجیے! تو اس آیت کریمہ میں جنّت کی نعمتوں کے وعدے کے بعد فوراً عذابِ جہنّم سے پناہ کا ذکر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مؤمن بندے میں یہ دونوں وصف ہونے چاہییں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جنّت بھی مانگے اور جہنّم کے عذاب سے پناہ بھی مانگے۔

عزیزانِ گرامی! حاصل یہ نکلا کہ ہم رمضان المبارک میں خصوصی طور پر اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرتے ہیں اُن میں یہ چار امور بھی بہت اہم ہیں جن کو اس حدیث پاک میں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے، تو ہمیں چاہیے کہ ان آسان ترین اعمال کو بہ کثرت کرتے رہیں اور اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ سے نزدیکیاں بڑھاتے رہیں۔

تلاوتِ قرآنِ کریم:

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! دوسری اہم بات یہ کہنی ہے کہ ہم سب رمضان المبارک میں قرآنِ پاک سے خصوصی تعلق قائم کریں، جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو عام مسلمان اپنے معمولات سے کچھ زیادہ عبادت کی فکر کرتا ہے، اور الحمد للہ ہر جگہ اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے، نمازوں کی پابندی ہوتی ہے، تلاوت کی بھی کثرت ہوتی ہے

اور لوگ نفلی عبادات بھی کثرت سے کرتے ہیں۔ اس مہینے کو قرآنِ کریم سے خاص مناسبت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مہینے میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور فرمایا کرتے تھے،(۱) اسی مناسبت کی ایک جھلک مسلمانوں میں بھی نظر آتی ہے کہ عام دنوں کے مقابلے میں اس مہینے میں تلاوت کا معمول کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، لیکن جیسے ہی رمضان کا مہینہ ختم ہوتا ہے قرآنِ کریم سے وہ تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے، یہ بڑی خطرناک بات ہے، قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی اِتنی بڑی نعمت ہے کہ جس کے برابر کوئی دوسری نعمت نہیں ہوسکتی، اس لیے رمضان گذرتے ہی اس کی تلاوت چھوڑ کر اس کو طاق میں سجا دینا قرآنِ مقدّس کی بڑی سخت نا قدری ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد قدّس اللہ سرہ (مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ختم قرآن کے موقع پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ختم قرآن کے موقع پر تراویح کی اُنیسویں رکعت میں ہی ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١﴾ پڑھ کر قرآن مجید مکمّل ہو جاتا ہے، لیکن بیسویں رکعت میں ﴿الٓمّٓ ۝١﴾ سے لے کر آگے تک کچھ آیات پڑھی جاتی ہیں، یہ درحقیقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم ہے کہ جس مجلس میں ایک مرتبہ قرآنِ کریم ختم کیا جائے اُسی مجلس میں دوسرا قرآن کریم شروع کر دیا جائے۔(۲)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدّس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''قرآنِ کریم ختم کرنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ زندگیاں قرآن میں ختم کرنی چاہیے۔'' چنانچہ اُمّت کا

(۱) صحيح البخاري / كتاب فضائل القرآن / باب كان جبريل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم / الرقم : ٤٩٩٧.
(۲) سنن الترمذي / أبواب القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / الرقم : ٢٩٤٨.

معمول ہے کہ الحمدللہ بیسویں رکعت میں سب کا ایک اور قرآنِ کریم شروع ہو جاتا ہے۔
رمضان المبارک میں کتنے قرآن مکمّل کرنے چاہییے؟ تو شریعت مطہرہ نے اس کا کوئی عدد متعین نہیں کیا، جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ تلاوت کرے، ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[المطففين:٢٦] اپنے ساتھی سے مقابلہ کرے کہ وہ مہینے میں تین ختم کرتا ہے تو میں پانچ کروں گا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیفیت دیکھی جاتی ہے، نہ کہ کمیت، تھوڑا ہو لیکن اچھّا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾[هود:٧] "أَحْسَنُ" فرمایا، "أَكْثَرُ" نہیں فرمایا، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ زیادہ پڑھنے کی دھن میں قرآن کے حقوق ضائع ہو جائیں۔

قرآنِ پاک کے حقوق:

میرے پیارے بھائیو! مسلمان ہونے کے ناتے قرآنِ کریم کے ہم پر بہت سارے حقوق ہیں، جن میں سے تین حقوق بہت ہی اہم ہیں:

(۱)...... قرآنِ کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کی صحیح طور پر تلاوت کی جائے۔ اور اسی طرح تلاوت کرنی چاہیے جس طرح حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائی۔
جب قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا تو اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ [القيامة: ١٨]

جب ہم (جبرئیل کے واسطے سے تمھارے سامنے قرآن) پڑھیں تو (جس طرح وہ پڑھتے ہیں) آپ بھی اسی طرح پڑھیں۔"

قرآن کریم کو تجوید کے مطابق پڑھنا چاہیے، قرآنِ مجید کو ان ہی آداب اور

قوانین کے مطابق پڑھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے سکھائے ہیں، قرآنِ مجید کو درست پڑھنے کے لیے باقاعدہ تجوید کا علم ہے جس میں قرآنِ مجید کے حروف کو صحیح طور پر ادا کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے، حروف کی صحیح ادائیگی بہت ضروری ہے، بعض اوقات حروف کی درست ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی، اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآنِ کریم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سیکھے، عربی زبان میں کل اُنیتس (۲۹) حروف ہیں، ان کو صحیح طرح ادا کرنے کا طریقہ سیکھ لیا جائے تو قواعد کے مطابق تلاوت کی جاسکتی ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، یہ سیکھنے کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے اور روزانہ کے معمول میں قرآنِ کریم کی تلاوت کو شامل کرنا چاہیے۔ کسی دور میں اسلامی معاشرے کا ایک خاصّہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی بستیوں میں فجر کی نماز کے بعد قرآنِ کریم کی تلاوت کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، ہر گھر میں بچّہ بچّہ تلاوت کیا کرتا تھا، لیکن آج افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر گھروں میں وہ ماحول نظر نہیں آتا۔

قرآنِ کریم کی روزانہ تلاوت کا معمول ہر مسلمان کو بنانا چاہیے، خواہ تھوڑی سی تلاوت ہی کیوں نہ ہو، لیکن روزانہ ہونی چاہیے، قرآنِ کریم میں سات منزلیں ہیں، یہ سات منزلیں اس لیے مقرّر کی گئی تھیں کہ روزانہ ایک منزل پڑھی جائے اور ہر مسلمان سات دِن میں قرآن مجید مکمّل کرلے، یوں ایک مہینے میں چار مرتبہ قرآنِ کریم تلاوت میں مکمّل کیا جاتا تھا، یہ عام مسلمانوں کا طریقہ تھا، پھر اس میں کمی آتی چلی گئی تو روزانہ ایک پارہ پڑھنے کا معمول شروع ہوگیا، یوں تیس دِن میں ایک قرآن مجید ختم ہوجاتا تھا، افسوس کی بات ہے کہ اب اس کا بھی معمول نہیں رہا۔

لہٰذا کوشش کریں کہ ایک دن میں ایک پارہ نہ سہی آدھا پارہ ہی تلاوت کرلیا جائے، وہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ایک پاؤ کی تلاوت تو ضرور کرنی چاہیے، ہمارا کوئی ایک دِن بھی قرآنِ کریم کی تلاوت سے خالی نہیں جانا چاہیے۔

قرآن سے تعلق توڑنے والوں کے بارے میں شکایت:

میرے بھائیو! قرآنِ کریم کو چھوڑنے کی وجہ سے آج مسلمان دنیا میں ذلیل ہو رہے ہیں، اس دِن سے ڈرنا چاہیے جس کو قرآن مجید نے سورۂ فرقان میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ:

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰ ﴾ [الفرقان:۳۰]

’’اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیں گے کہ یا رب! میری قوم نے اِس قرآن کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔‘‘

میرے بھائیو! بہت ہی غور و فکر اور ڈرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو شفیع المذنبین ہیں، جن کی شفاعت ایک مسلمان کے لیے آخرت میں آخری سہارا ہے، اگر انھوں نے بھی آخرت میں ہمارے بارے میں یہ شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کر دی کہ ہم نے قرآنِ کریم کو چھوڑ دیا تھا تو پھر ہمارا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ اس لیے ہر مسلمان اس بات کا عزم کرے کہ میرا کوئی دِن بھی قرآنِ کریم کی تلاوت سے خالی نہیں جائے گا۔

(۲)......قرآنِ کریم کا دوسرا حق جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد فرمایا ہے یہ ہے کہ ہم اس کتاب کو سمجھیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو ہمارے لیے سرچشمۂ ہدایت بنایا ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ ﴾ [البقرہ : ۲]

''یہ کتاب متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ہمارے لیے ہدایت بنایا ہے تو اس کو جزدان میں بند کر کے رکھنا اور اس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرنا بھی اس کی حق تلفی ہے۔

محترم دوستو! اس کو ایک مثال سے یوں سمجھو کہ اگر کسی کو اس کا محبوب کسی ایسی زبان میں خط لکھے جس کو وہ سمجھتا نہ ہو تو اس کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک اس زبان کے سمجھنے والے کے پاس جا کر اس خط کو پڑھوا نہ لے اور یہ پتا نہ کر لے کہ اس میں کیا لکھا ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے خط کو طاق میں سجا کر رکھ دے اور اس کو کھول کر بھی نہ دیکھے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ لیکن آج مسلمانوں نے قرآنِ کریم کو طاق میں سجا کر رکھا ہوا ہے، اس کی تلاوت ہی نہیں کی جاتی، اگر کسی کو تلاوت کی توفیق ہو بھی جائے تو اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی، ہر مسلمان اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن پر ایمان تو رکھتا ہے، لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، کس قدر غفلت کی بات ہے!

یہ بات بھی نہیں کہ اس کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ مشقّت اُٹھانی پڑتی ہو، الحمد للہ اس دور میں تقریباً ہر زبان میں ہی قرآنِ کریم کے تراجم اور تفاسیر علمائے کرام کی جانب سے لکھے جا چکے ہیں، اس لیے ہر مسلمان کوشش کرے کہ اپنے پاس کوئی مستند ترجمہ یا تفسیر رکھے اور اس کو پڑھ کر قرآنِ کریم کو سمجھنے کی کوشش کرے، چوں کہ آج کل بہت سے گمراہ لوگوں نے بھی تراجم و تفاسیر لکھ دی ہیں اس لیے کسی مستند عالم دین سے مشورہ کر کے کوئی ترجمہ یا تفسیر خریدنی چاہیے اور اس کو پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے۔

قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لیے دوسری آسان شکل یہ بھی ہے کہ الحمد للہ مدارسِ

عربیہ کے وجود کی بدولت برّ صغیر میں بہت سی مساجد میں معتبر و مستند علمائے کرام کی جانب سے قرآنِ پاک کی تفسیر کا انتظام ہوتا ہے، خصوصاً یہ معمول رمضان المبارک میں بہت سی مساجد میں دیکھا جاتا ہے، تو ایسی تفسیر قرآن کی مجالس میں شرکت کریں اور قرآنِ پاک کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۳)......قرآنِ مجید کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس میں جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں ان کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا جائے، صرف قرآنِ پاک کی صحیح تلاوت اور اس کو سمجھ لینا ہی کافی نہیں، بلکہ سمجھنے کے بعد اس پر عمل بھی ضروری ہے، جس طرح ضروری مقدار میں قرآنِ پاک کا علم حاصل کرنا لازم ہے اتنا ہی اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے، بغیر عمل کے علم کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

حاصل کلام یہ کہ ہر مسلمان کے ذمّے لازم ہے کہ قرآن مجید کے ان تینوں حقوق کو پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کرے۔

ختم قرآن کے موقع پر دُعا کی قبولیت:

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے کہ ختم قرآنِ کریم کے موقع پر کی جانے والی دُعا کو قبول فرماتے ہیں، اور ختم قرآن کا موقع اجابت دُعا کا ایک خاص موقع ہوتا ہے۔ خادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ جب قرآنِ کریم ختم فرماتے تھے تو سب گھر والوں کو جمع فرما کر اُن کے لیے دُعا کرتے۔

"كَانَ أَنَسُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ، جَمَعَ وَلَدَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ، فَدَعَا لَهُمْ".[١]

---

(١) مسند الدارمي / كتاب فضائل القرآن / باب في ختم القرآن، الرقم : ٣٥١٧.

اس لیے ہمیں بھی ختم قرآن کے موقع پر دُعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

رمضان اور قرآن کی مشترک خصوصیات:

میرے بھائیو! قرآنِ کریم اور رمضان المبارک کی بہت سی خصوصیات ایک جیسی ہیں، پہلی اہم مشترک خصوصیت تقویٰ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾﴾ [البقرة : ١٨٣]

”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ بندے کے دِل میں تقویٰ پیدا ہونے کا سبب ہے، اسی طرح قرآنِ پاک کے متعلّق اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾﴾ [البقرة : ٢]

”یہ کتاب متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔“

یعنی جس طرح روزہ سبب تقویٰ ہے اسی طرح قرآنِ پاک بھی متقی بندوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

دوسری مشترک خصوصیت شفاعت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ

النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ". (۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ''روزہ اور قرآن کریم دونوں بندے کے لیے قیامت کے دِن شفاعت کریں گے، روزہ عرض کرے گا کہ یااللہ! میں نے اس کو دِن میں کھانے پینے سے روکے رکھا، میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرمالیجیے! اور قرآنِ کریم کہے گا کہ یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا، میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما لیجیے! پھر دونوں کی شفاعت قبول کرلی جائے گی۔''

تیسری خصوصیت جو رمضان اور قرآن دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ قربِ الٰہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی روزے دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے کہ روزے کے متعلّق ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزے کا بدلہ بندے کو میں خود عطا کروں گا۔

"كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ". (۲)

''انسان کا ہر عمل اس کے فائدے کے لیے ہے، البتہ روزہ میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہے، لہٰذا اس کا بدلہ میں خود عطا کروں گا۔''

رمضان اور قرآن میں گہرا ربط:

میرے محترم عزیزو! رمضان المبارک اور قرآنِ کریم کے درمیان ان مشترک خصوصیات سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہرا

(۱) مسند أحمد / مسند عبد الله بن عمرو : ۱۱ / ۱۹۹، الرقم : ٦٦٢٦. إسناده ضعيف.

(۲) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب هل يقول إني صائم إذا شتم؟ الرقم : ۱۹۰٤.

ربط حاصل ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآنِ کریم کا دور کرانا، تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کرنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور بھی اس خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

لہٰذا اس ماہِ مبارک میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔ ماہِ رمضان کا قرآنِ کریم سے خاص تعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کا ماہِ رمضان میں نازل ہونا ہے۔ اس مبارک ماہ کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳ سال کے عرصے میں قرآن مکمّل نازل ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر تمام صحیفے بھی رمضان المبارک میں نازل ہوئے۔ اس طرح رمضان اور قرآنِ کریم کا خاص تعلق روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔

رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شغل:

رمضان المبارک کا قرآنِ کریم کے ساتھ خاص تعلق ہے، یہ بات اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہتمام سے قرآن کا دور فرماتے۔ احادیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ پاک کے نازل شدہ حصوں کا دور فرماتے تھے، جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وِصال ہوا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا۔

چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً، فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ". (۱)

رمضان المبارک میں سلف صالحین کا شغل:

علاوہ ازیں متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف واکابر کے متعلّق کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوتِ قرآن میں دن ورات کا وافر حصّہ صرف کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے حدیث کی مشہور کتاب ''موطا مالک'' تحریر فرمائی ہے، آپ مشہور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک بڑے محدث بھی ہیں، آپ مدینہ طیبہ میں درسِ حدیث کا ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ بغیر وضو کبھی حدیث بیان نہ فرماتے، پھر جب حدیث بیان فرماتے تو آپ پر خشیت و رقّت طاری ہو جاتی، حدیث پاک کا درس آپ کا محبوب مشغلہ تھا، لیکن رمضان المبارک شروع ہونے پر حدیث پڑھنے پڑھانے کے سلسلے کو بند کر کے دِن ورات کا اکثر حصّہ تلاوتِ قرآن میں لگاتے تھے۔ (۲)

بہت سے اسلاف کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ماہِ رمضان اور خاص کر آخری عشرے میں تین دِن یا ایک دِن میں قرآنِ کریم مکمّل فرماتے تھے۔ رمضان کے مبارک مہینے میں ختم قرآن کریم کے اتنے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں کہ ان سب کو

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب فضائل القرآن / باب كان جبريل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم / الرقم: ٤٩٩٨.

(۲) دروس للشيخ سفر الحوالي / الاستغلال الأمثل لرمضان.

بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ اپنا وقت قرآنِ کریم کی تلاوت میں لگائیں۔ نمازِ تراویح کے پڑھنے کا اہتمام کریں۔ اور اگر تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کیا جائے تو بہت بہتر و افضل ہے۔

ماہِ رمضان کے بعد بھی تلاوتِ قرآن کا روزانہ اہتمام جاری رکھیں، نیز علمائے کرام کی سرپرستی میں قرآنِ کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآنِ کریم میں وارد احکام ومسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

سمجھ میں نہ آئے تب بھی تلاوت میں ثواب ہے:

اگر ہم قرآنِ کریم کے معنیٰ ومفہوم نہیں سمجھ پا رہے ہیں تب بھی ہمیں تلاوت کرنا چاہیے، کیوں کہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن کریم کا پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمّٓ﴾ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ "الٓمّٓ" حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ". (۱)

یعنی کل ملا کر تیس نیکیاں ہوں گی جن کے اجر کو بڑھا کر تین سو تک اضافہ کیا جائے گا۔

(۱) سنن الترمذي / أبواب فضائل القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب ما جاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ما له من الأجر / الرقم: ۲۹۱۰.

تلاوتِ قرآن کے آداب:

میرے بھائیو! جیسا کہ ہم تمام جانتے ہیں کہ جو چیز جتنی عظیم الشان ہوتی ہے اسی قدر اس کے آداب واحترام کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں، قرآنِ پاک چوں کہ کلام اللہ ہے، تو کلامِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے اس کی تلاوت کے بھی آداب ہیں، جن کی رعایت بہت ضروری ہے، تاکہ ہم عنداللہ اجر عظیم کے مستحق بنیں۔

(۱)......تلاوت چوں کہ ایک عبادت ہے، لہٰذا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ ریا وشہرت کے بجائے اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ومقصود ہو۔

(۲)......دوسرا یہ کہ وضو وطہارت کی حالت میں ادب واحترام کے ساتھ قبلہ رُخ ہوکر استعاذہ اور بسملہ سے تلاوت شروع کریں۔ حضورِ قلبی اور یکسوئی کے ساتھ تلاوت ہو سکے اس لیے تلاوت کی جگہ ایسی منتخب کریں جو پُرسکون ہو، تلاوت کے دوران کسی اور کام میں متوجّہ نہ ہوں، دورانِ تلاوت خلل پیدا کرنے والی چیزوں سے دور رہیں، خصوصاً موبائل فون دور ہی رکھیں یا بند رکھیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ کلام اللہ کی تلاوت یہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہے، لہٰذا دورانِ تلاوت حتی الامکان کسی سے باتوں میں مشغول نہ ہوں، اگر کوئی بہت اہم بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو آیت کے سرے پر وقف کریں، ادھوری آیت چھوڑ کر بات میں مشغول نہ ہوں۔

(۳)......تیسرا اہم ادب یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور اچھّی آواز میں تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ تلاوت کریں۔ آواز کی پستی اور بلندی میں اعتدال ہو، نہ اِتنی بلند آواز ہو کہ جلدی تھک جائیں اور اِتنی پست آواز بھی نہ ہو کہ اُکتاہٹ محسوس ہونے لگے اور نیند آجائے۔ اگر کسی وجہ سے پست آواز ہی میں تلاوت

کرنی پڑے تو کم از کم ہونٹ کا ہلنا تلاوت کے لیے ضروری ہے، ورنہ صرف آنکھوں سے قرآن پاک کو دیکھ لینا تلاوت شمار نہیں ہوگا۔ اطمینان کے ساتھ قواعد تجوید کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرنے میں وقت زیادہ لگے اور تلاوت کم ہو پائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، یہ بات بطورِ خاص یاد رکھیں کہ ایسی کم تلاوت جو صحیح ہو وہ اس زیادہ تلاوت سے بدرجہا بہتر ہے جس میں حروف کی صحیح ادائیگی نہ ہو۔ ہمیشہ یہ بات مستحضر رہے کہ کتنا پڑھا یہ اہم نہیں ہے، بلکہ کیسا پڑھا یہ اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے فقہائے کرام نے ایک ہی رات میں پورا قرآن پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے کہ اس میں قرآن پاک غلط پڑھنے کا امکان زیادہ ہے۔

(۴)......تلاوتِ قرآن کے وقت اگر آیتوں کے معانی پر غور وفکر کرکے پڑھیں تو بہت ہی بہتر ہے۔

(۵)......قرآن کریم کے احکام ومسائل پر خود بھی عمل کریں اور اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزے اور تلاوتِ قرآنِ پاک کی برکت سے تقویٰ والی زندگی گذارنے والا بنائیں اور ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

زکوٰۃ کی حقیقت اہمیت اور فضائل

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ أَمْوَالِ الْأَغْنِیَاءِ حَقًّا لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنَ، وَلِلْمَصَارِفِ الَّتِيْ بِھَا صَلَاحُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ مُوَحِّدِیْنَ، وَنَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الصَّادِقُ الأَمِیْنُ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَالتَّابِعِیْنَ لَھُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ [البقرۃ:۴۳]

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾ [الحج : ۴۱]

تمہید:

محترم ومکرّم بزرگانِ عظام اور میرے پیارے بھائیو!

رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی ہم مسلمانوں میں ذہنی، ایمانی اور اعمالی اعتبار سے بہت سی خوش گوار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، ہمارے اِرد گرد کے معاشرے میں امن و امان، باہمی ہمدردی اور اخوت و بھائی چارگی کی ایک عجیب فضا قائم ہوتی ہے، چنانچہ اسی مہینے میں عام طور پر اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالنے کا دستور ہے، اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا براہِ راست رمضان المبارک سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کا تعلق اس کے متعین نصاب کا مالک بننے سے ہے، لیکن

چونکہ رواج ہی یہ بن چکا ہے کہ رمضان المبارک میں اس کی ادائیگی کی جاتی ہے، اس لیے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں جہاں رمضان، روزہ اوران سے متعلّق عبادات پر ہم نے گفتگو کی وہاں اسی مہینے میں زکوٰۃ کی حقیقت، اہمیت اور اس کے فضائل و بنیادی مسائل پر بھی کچھ گفتگو کریں، تاکہ زکوٰۃ کے اس اہم فریضے کو ادا کرنے والے ہمارے بھائی پوری ذمّے داری سے بہتر طریقے پر اپنے اس فریضے کو ادا کرسکیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہنوں میں رہے کہ ہم معاشرے سے اس فضا کو ختم کرنے کی کوشش کریں جو اس وقت عمومی طور پر سارے مسلمانوں میں زور پکڑ چکی ہے کہ زکوٰۃ رمضان ہی میں نکالنی ہے، بلکہ ہم یہ ماحول بنائیں اور اسی کے مطابق دوسروں کی ذہن سازی کریں کہ زکوٰۃ نکالنے والا اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے وقت کا خیال رکھتے ہوئے اس کے وقت پر زکوٰۃ نکالے اوراس کے لیے رمضان کا انتظار نہ کرے۔

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ و مفہوم:

میرے دوستو! دین اسلام نے زکوٰۃ کا جو حکم ہمیں دیا ہے اس کی حقیقت و حکمت اور فوائد سمجھنے کے لیے اولاً اس کے لغوی معنیٰ و مفہوم کو جان لینا بہت ضروری ہے، لغوی اعتبار سے زکوۃ کا لفظ دو معنوں کا حامل ہے۔ اس کے ایک معنیٰ ہیں پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے یا کرنے کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے معنیٰ ہیں نشوونما اور بالیدگی، جس میں کسی چیز کے بڑھنے، پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ”مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال

کی ایک متعین مقدار'' کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔[۱]

زکوٰۃ کے پہلے معنی کی وضاحت میں جو پاکیزگی وطہارت پر دلالت کرتا ہے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد محلِ غور وفکر ہے:

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۙ‏ ۝۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝۱۰﴾ [الشمس:۹-۱۰]

''بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کرلیا (اور اس میں نیکی کی نشو ونما کی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کرلیا۔'' (اور نیکی کو دبا دیا)

زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو دولت بچتی ہے وہ ہر قسم کی گندگی اور میل کچیل سے پاک ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
مُنعِموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امین

زکوٰۃ کا دوسرا مفہوم نشو ونما پانے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا ہے۔ جیسے وہ کھیتی جو بہت بڑھ رہی ہو اور پھل پھول لا رہی ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: "زَكَا الزَّرْعُ" ''کھیتی نے نشو ونما پائی۔'' اس مفہوم کو پیشِ نظر رکھیں تو اس صورت میں زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے، راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے، اس میں کمی واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(۱) الاختیار لتعلیل المختار / کتاب الزکوٰۃ: ۱ / ۹۹ دار الکتب العلمیة.

قَالَ: "مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بندے کو مزید عزّت بخشتے ہیں۔ اور جو بھی بندہ اللہ تعالیٰ (کی خوشنودی) کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے بلندی عطا فرماتے ہیں۔''

اس حدیث پاک میں لفظ صدقہ سے مُراد ہر وہ مال ہے جو راہِ خدا میں خرچ کیا جاتا ہے، خواہ صدقاتِ نافلہ ہوں یا صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ، دونوں کا یہ فائدہ بیان کیا گیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی مال کم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں مزید برکت ہوتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑھتا رہتا ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت واَہمیت:

محترم دوستو اور بزرگو! دین اسلام کے وہ احکام جن کا تعلق عبادات سے ہے اُن میں سے بعض عبادتیں محض بدنی ہیں، یعنی ان کی ادائیگی مؤمن بندہ اپنے اعضاو جوارح سے کرتا ہے، جیسے نماز ادا کی جاتی ہے۔ بعض عبادتیں ایسی ہیں جو محض مالی عبادت کہی جاتی ہے، تو زکوٰۃ بھی مالی عبادت ہے، جس کی ادائیگی مؤمن بندہ اپنے اموال سے کرتا ہے۔ جب کہ بعض عبادتوں میں دونوں پہلو شامل ہوتے ہیں کہ وہ بدنی بھی ہیں اور مالی بھی، جیسا کہ حج ایسی عبادت ہے جس کی ادائیگی میں مؤمن بندے کا مال اور بدن دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک مالی

---

(۱) صحيح مسلم / كتاب البر والصلة والآداب / باب استحباب العفو والتواضع، الرقم : ۲۵۸۸.

عبادت ہے۔

محترم دوستو! زکوٰۃ کی فرضیت ہجرتِ مدینہ سے پہلے ہوئی، جب کہ دوسری طرف بہت سی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی، چنانچہ اس میں تطبیق دیتے ہوئے جمہور علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ نفسِ فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہوگئی تھی، لیکن اس کے تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد دوسرے سال نازل ہوئے۔(۱)

زکوٰۃ اللہ ربّ العزت کے احکام میں تیسرا اہم رُکن ہے، نماز و روزہ کی طرح زکوٰۃ بھی مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جسمانی عبادات میں جس طرح نماز اور روزہ کی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید آئی ہے اسی طرح مالی عبادات میں زکوٰۃ کی بھی بار بار تاکید آئی ہے، قرآنِ کریم میں بتّیس مقامات پر صراحت کے ساتھ زکوٰۃ کا اور پندرہ مقامات پر صدقے کا ذکر آیا ہے، جو زکوٰۃ کو بھی شامل ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کل اٹھائیس (۲۸) مواقع قرآنِ پاک میں ایسے ہیں جہاں زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ یعنی نماز کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس کے علاوہ صرف انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ کے عنوان سے بیان کردہ مواقع تو اس سے الگ ہیں، نیز احادیث طیبہ میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کثرت سے آئی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت شریعت مطہرہ کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جس کا انکار کرنا کفر ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والا شخص دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہوجاتا ہے جیسے نماز کا انکار کرنے والا اسلام سے نکل جاتا ہے۔

---

(۱) تحفة الألمعي / أبواب الزكوٰة : ۲ / ۵۰۷.

منکرین زکوٰۃ سے جہاد:

یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ نئے دیہاتی مسلمانوں نے زکوٰۃ کی اہمیت کو سمجھا نہیں اور اس کو ادا کرنے سے انکار کیا، یا زکوٰۃ کے اجتماعی نظام میں شامل ہونے اور بیت المال میں اپنی زکوٰۃ جمع کرنے سے انکار کیا تو امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب یہ عرض کیا کہ حضرت! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ گو مسلمان سے جنگ کرنے کو منع فرمایا ہے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، یہ صحیح ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ شرط بھی بیان فرمائی ہے کہ "إِلَّا بِحَقِّهَا". مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کلمہ گو اس کلمے کا حق ادا نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے گی، اور جس طرح نماز کلمۂ طیبہ کا ایک حق ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی اس کلمے کا ایک حق ہے، جس سے یہ لوگ انکار کر رہے ہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی بدل گئی اور آپ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس اثر کو نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيمَنْ مَنَعَ الصَّدَقَةَ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا أَزَالُ أُقَاتِلُ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ". فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "هٰذَا مِنْ حَقِّهَا". يَعْنِي مَنْعَهُمُ الصَّدَقَةَ.(۱)

(۱) مسند الإمام الشافعي :۲ / ۱۳۳ / باب قتال مانع الصدقة، الرقم : ٦٧٨.

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ایسا حق وفرض ہے کہ اس کی فرضیت کے انکار پر اسلامی حکومت میں منکرین سے جہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی رحم دِلی و بُردباری اتنی مشہور تھی کہ دربارِ رسالت سے آپ کو "أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِيْ"(۱) کا لقب عطا ہوا تھا، تاہم جب آپ نے فریضۂ زکوٰۃ کا انکار ہوتے ہوئے دیکھا تو اسے برداشت نہیں فرمایا۔

قرآن وحدیث میں زکوٰۃ کی بہ کثرت تاکید کی گئی ہے اور اس کے عظیم اَجر وثواب کا اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، بلکہ نماز اور دیگر نیکیوں کے بارے میں تو دس گنا اَجر کا ذکر ہے، جب کہ زکوٰۃ وانفاق فی سبیل اللہ کا اَجر سات سو گنا بتایا گیا ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ﴾ [البقرة : ٢٦١]

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں۔" (یعنی سات سو گنا اَجر پاتے ہیں)۔

کیوں کہ نماز اور دیگر جسمانی عبادات کے فوائد تو عابد کی ذات تک محدود ہیں، لیکن زکوٰۃ کا نفع اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں (غریبوں) تک پہنچتا ہے۔

چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت توحید ورسالت کی گواہی اور نماز کی ہدایت کے بعد فرمایا:

"فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي

(۱) سنن الترمذي / أبواب المناقب، الرقم : ٣٧٩٠.

أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ". (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد قرآنِ پاک کی آیت کریمہ: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ﴾ [الحشر:۷] کی تفسیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے فریضے کی ادائیگی کے علاوہ بے سہارا بندوں کی مدد کرنا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے عُلما وفُقہا نے ہمیشہ زکوٰۃ کے باب میں ''انفع للفقراء'' کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔

اُمم سابقہ میں زکوٰۃ کا حکم:

میرے محترم بھائیو! کتاب وسنّت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف اِسی اُمّت کو نہیں بلکہ اگلی اُمّتوں کو بھی دیا گیا تھا، مثلاً بنی اسرائیل سے جو عہد اللہ تعالیٰ نے لیا اس سلسلے میں قرآنِ پاک میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾﴾ [المائدة : ۱۲]

''اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور (اس کی تعمیل، تنفیذ اور نگہبانی کے لیے) ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے، اور اللہ تعالیٰ نے (بنی

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الزكاة / باب وجوب الزكاة، الرقم : ۱۳۹۵.

اسرائیل سے) فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں (یعنی میری خصوصی مدد و نصرت تمھارے ساتھ رہے گی) اگر تم نے نماز قائم رکھی اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر (ہمیشہ) ایمان لاتے رہے اور ان (کے پیغمبرانہ مشن) کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو (اس کے دین کی حمایت و نصرت میں مال خرچ کر کے) قرضِ حسن دیتے رہے تو میں تم سے تمھارے گناہوں کو ضرور مٹا دوں گا اور تمھیں یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے (بھی) کفر (یعنی عہد سے انحراف) کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بطورِ معجزہ گھوارے میں کلام کیا تھا تو اس میں ایک بات یہ بھی فرمائی:

﴿وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾﴾ [مریم: ۳۱]

"اور میں جب تک (بھی) زندہ ہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔"

ان آیات سے زکوٰۃ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ان عبادات میں سے ہے جو اسی اُمّت پر نہیں بلکہ اگلی اُمّتوں پر فرض تھی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی پر فضائل اور ترک پر وعیدیں:

میرے بھائیو! ہم تمام پورے یقین کے ساتھ یہ بات جانتے ہیں کہ زکوٰۃ اللہ ربّ العزت کی جانب سے جاری کردہ وجوبی حکم ہے، جس کا پورا کرنا ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر ضروری ہے، اس فریضے کی انجام دہی پر انعامات کا ملنا سو فی صد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیوں کہ اس فریضے کی ادائیگی تو ہم پر لازم ہے، اس کے پورا کرنے پر شاباشی ملنا اور پھر اس پر بھی مستزاد انعام کا ملنا، پھر وہ انعام دنیوی بھی اور اُخروی بھی ہو،

تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ دوسرے لفظوں میں سمجھیے کہ مسلمان ہونے کے ناتے اس حکم کا پورا کرنا ہر حال میں لازم ہے، خواہ کوئی حوصلہ افزائی کرے یا نہ کرے، کوئی انعام دے یا نہ دے، لیکن اس کے باوجود کوئی اس پر انعام بھی دے تو پھر کیا کہنے! اور انعام بھی ایسے کہ جن کے ہم بہر صورت محتاج ہیں، ہماری دنیوی و اُخروی بہت بڑی ضرورت ان انعامات سے وابستہ ہے۔ ذیل میں مختصراً چند انعامات کا صرف اشارہ نقل کیا جارہا ہے۔

(۱) زکوٰۃ ادا کرنے والے بندوں کا شمار اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں میں فرمایا ہے، لہٰذا ان کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳﴾ [البقرة : ۳]

(متقی بندے وہ ہیں) ''جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

(۲) زکوٰۃ کی وجہ سے اجر و ثواب سات سو گنا تک بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: ۲۶۱ ماقبل میں گذری۔

(۳) زکوٰۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم نہیں ہوگا، ہمیشہ باقی رہے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝۲۹ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۳۰﴾ [فاطر : ۲۹-۳۰]

''بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، پوشیدہ بھی اور ظاہراً بھی، اور ایسی (اُخروی) تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی خسارے میں نہیں ہوگی، تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کا اجر انھیں پورا پورا عطا فرمائے اور اپنے فضل سے انھیں مزید نوازے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا، بڑا ہی قبول فرمانے والا ہے۔''

(۴) اللہ تعالیٰ کی رحمت زکوٰۃ ادا کرنے والوں کا مقدّر بن جاتی ہے۔

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الأعراف : ١٥٦]

''اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے، سو میں عنقریب اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

(۵) کامیاب ہونے والوں کی جو صفات قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے شمار کروائی ہیں ان میں ایک صفت زکوۃ کی ادائیگی بھی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ [المؤمنون : ٤]

''اور (کامیاب ہوگئے) وہ لوگ جو (ہمیشہ) زکوٰۃ ادا (کرکے اپنی جان و مال کو پاک) کرتے رہتے ہیں۔''

(٦) سنن ابن ماجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی منقول ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنا ایمان کی دلیل اور علامت ہے۔ "وَالزَّكَاةُ بُرْهَانٌ".(١)

(١) سنن ابن ماجه / كتاب الطهارة، الرقم : ٢٨٠.

(۷) زکوٰۃ انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ ہے۔ "تُخْرِجُ الزَّكٰوةَ، فَإِنَّهَا طُهْرَةٌ تُطَهِّرُكَ". (۱)

(۸) زکوٰۃ سے مال کی حفاظت ہوتی ہے اور بیماروں کو شفا نصیب ہوتی ہے۔ "حَصِّنُوا أَمْوَالَكُم بِالزَّكٰوةِ، وَدَاوُوا مَرضَاكُم بِالصَّدَقَةِ". (۲)

(۹) زکوٰۃ کی وجہ سے مال کا شر ختم ہو جاتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ، فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ". (۳)

محترم دوستو! یہ جتنے فضائل ذکر کیے گئے ہیں وہ صرف بطورِ مثال ہیں، ورنہ کتاب وسنّت میں زکوٰۃ دینے پر ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں، تمام کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

وعیدیں:

علاوہ ازیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی پر جہاں کتاب و سنّت میں انعامات، فضائل اور فوائد بیان کیے گئے ہیں وہاں اس فریضے کی ادائیگی میں غفلت برتنے والوں کے لیے قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، دنیا و آخرت میں ایسے شخص پر آنے والے وبال کا ذکر بہ کثرت کیا گیا ہے، ذیل میں ان میں سے کچھ بطورِ مثال ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اُن کے مال کو جہنّم کی آگ میں گرم کر کے

(۱) مسند أحمد / مسند أنس بن مالك، الرقم: ۱۲۳۹٤.
(۲) شعب الإيمان للبيهقي / كتاب الزكاة / فصل في من أتاه الله مالا من غير مسألة.
(۳) صحيح ابن خزيمة / الرقم: ۲٤۷۰، ٤ / ۱۱۰، المكتب الإسلامي، بيروت، لبنان.

اس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾ [التوبة: ٣٤-٣٥]

''اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں، جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لیے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہتے تھے۔''

(۲) ایسے شخص کے مال کو طوق بنا کر اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ [آل عمران: ١٨٠]

''عنقریب روزِ قیامت انھیں (گلے میں) اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کر رہے تھے۔''

(۳) ایسا مال آخرت میں اُس کے کسی کام نہ آسکے گا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمھیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ

میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دِن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور (کافروں کے لیے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہوگی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں۔''

(۴) زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا جہنّم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔

﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾﴾ [اللیل: ۸-۹-۱۰]

''اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا، اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا، تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لیے سہولت فراہم کر دیں گے۔'' (تا کہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)

(۵) مرتے وقت ایسا شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا، لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾﴾ [المنافقون:۱۰]

(٦) ایسے شخص کا مال قیامت کے دن ایسے گنجے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالاً ، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَيْهِ، يَعْنِي شِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: "أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلاَ: ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾... الآيَةَ.(۱)

زکوٰۃ کی حکمت:

میرے بھائیو! مؤمن بندہ جب کلمہ توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف کر لیتا ہے تو وہ من جانب اللہ تمام احکامِ اسلام کا مکلّف بن جاتا ہے، اس لیے اصلاً مؤمن بندے کی عبدیت کی شان تو یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر حکم کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لے اور اس پر عمل پیرا ہو، عبدیت کے مفہوم ہی میں سرِ تسلیم خم کرنا اور عمل پیرا ہونا داخل ہے، لہٰذا حکمِ خداوندی کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہمیشہ حکمتیں اور فوائد معلوم کرتے رہنا ضروری نہیں، تاہم یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام حکمتوں، فوائد اور بہتر انجام پر مبنی ہیں، ان حکمتوں اور فوائد میں سے کچھ مقدار تک بعض دفعہ بندے اپنی عقلِ ناقص کے ذریعے رسائی حاصل کر پاتے ہیں اور بعض احکام کی حکمتیں بندوں کے دائرۂ ادراک سے باہر بھی ہوتی ہیں، ضروری نہیں کہ بندے ہمیشہ تمام احکامِ الٰہیہ کی حکمتوں سے واقف ہوں۔ تو حکمِ زکوٰۃ کی حکمتیں علمائے کرام نے کتاب و سنّت میں غور و فکر کر کے جو بیان کی ہیں ان کے بارے میں ہم کچھ گفتگو کریں گے۔

مال کی محبّت انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے، جیسا کہ انسانی فطرت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الزكاة / باب إثم مانع الزكاة، الرقم : ١٤٠٣.

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ [العٰدیٰت : ۸]

''اور بے شک وہ (انسان) مال کی محبّت میں بہت سخت ہے۔''

تو زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل میں بندے کا امتحان ہے کہ وہ مال کی محبّت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے یا حکم عدولی اور نافرمانی کرتا ہے، کیوں کہ یہاں دونوں تقاضے بندے کے سامنے ہوتے ہیں، ایک جانب مال کی محبّت کا تقاضا ہے تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی محبّت کا تقاضا ہے، کیوں کہ مؤمنین کاملین کی شان یہ ہوتی ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾ [البقرة : ۱۶۵]

''وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبّت کرتے ہیں۔''

لہٰذا جو بندہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں اس کے حکم پر اپنے مال کو قربان کر دیتا ہے تو وہ صحیح معنیٰ میں سچّا اور پکّا مؤمن ہے۔

میرے دوستو! یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ فی نفسہٖ مال و دولت میں کوئی بُرائی نہیں، امیر و غریب ہونا بذاتِ خود کوئی شرف و فضیلت یا تحقیر کی بات نہیں، یہ مال و دولت کا استعمال یا عدم استعمال ہے جو اس کی قدر و قیمت اور اہمیت و معنویت کو متعین کرتا ہے۔ اس کی مثال پانی جیسی سمجھ لیجیے، جو اگر کسی جگہ جمع ہو کر دیر تک ٹھہرا رہے اور اس کے بہنے کا کوئی اہتمام و بندوبست نہ ہو تو اس میں فساد و تعفن پیدا ہو جاتا ہے، تو وہ پانی جو صاف و شفّاف ہونے کی صورت میں انسان کے لیے حیات بخش اور صحت افزا تھا، متعفن ہونے کی وجہ سے بیماری کا گھر اور موت کا سامان بن جاتا ہے، پانی کو صاف و شفّاف اور تعفن سے پاک رکھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک جگہ زیادہ دیر جمع نہ ہو اور اس کے بہتے رہنے کا خاطر خواہ بندوبست ہوتا رہے، اسی طرح زکوٰۃ، مال و دولت

اور سرمایے کو گردِش میں رکھتی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو زَر و مال کو ایک جگہ بغیر خرچ کیے جمع رہنے سے باز رکھتا ہے، سال میں ایک بار ادا کی ہوئی زکوٰۃ، مال و دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہونے دیتی اور اس گردشِ زر سے سرمایے کا چشمۂ صافی تکدر آشنا نہیں ہونے پاتا۔

زکوٰۃ اپنے مفہوم کے اعتبار سے وہ میل کچیل ہے جسے نکال دیا جائے تو دولت آلودگی اور گندگی سے پاک و صاف ہوجاتی ہے۔ یہ صرف ان مستحقین کا حق ہے جن کی تفصیل صراحت کے ساتھ کتب فقہ میں بیان کردی گئی ہے۔ زکوٰۃ کا حق حقوق العباد کے دائرے میں آتا ہے، اگر اسے صحیح طریقے اور جگہ پر استعمال کیا جائے تو اس کی یہ ادائیگی اتنی بڑی نیکی ہے جس سے بے شمار برکتیں پیدا ہوتی ہیں اور دینے والے کا مال بجائے گھٹنے کے بڑھتا رہتا ہے۔

حقوق العباد ہونے کے ناطے زکوٰۃ اگر ایک طرف بندوں کا حق ہے تو دوسری طرف یہ اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے۔ اس کی عدمِ ادائیگی سے جہاں ایک طرف بندوں کی حق تلفی ہوتی ہے، وہیں لامحالہ خالق کے حق کو ٹھکرائے جانے کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! اس کے علاوہ بھی اسلام کے مالیاتی نظام میں زکوٰۃ کی بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا نظام شریعت اسلامیہ میں غریبوں اور محتاجوں کی ہمدردی اور اُن کی غمخواری کے لیے ہے، یہ نظام ٹھیک سودی نظام کے بالکل برعکس ہے جس میں سود خور محتاجوں اور غریبوں کا خون چوستے رہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں جو لوگ متموّل ہیں اُن کے اموال میں بے تحاشا اضافہ ہوتا رہتا ہے، جب کہ غریب اور محتاج طبقہ اپنی یومیہ ضرورتیں پوری کرنے

کے لیے بھی ترستا رہتا ہے، سودخوری کے اس ناسور کا نقصان ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں امیر اور غریب کے درمیان کا فاصلہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اکثر ممالک کا حال یہ ہے کہ ملک کے صرف دو یا تین فی صد مالدار پچاس فی صد سے زیادہ مال پر قابض ہیں اور ملک کی دیگر عوام اپنی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر پاتی۔

شریعت اسلامیہ میں اسی مالداری اور غربت کے فرق کو کم سے کم کرنے کے لیے زکوٰۃ کا نظام قائم ہے کہ مالدار لوگ اپنے اموال کا کچھ حصّہ سالانہ غریبوں پر خرچ کریں جن سے ان کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ پھر ان تمام صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ اور صدقاتِ نافلہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی برکات رکھی گئی ہیں جن کے فوائد زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے تمام افراد کو پہنچتے ہیں، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة: ٢٧٦]

''اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم فرما دیتے ہیں) اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔'' (یعنی صدقے کے ذریعے مال کی برکات میں اضافہ فرما دیتے ہیں)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں نظام کے بارے میں اپنا ضابطہ بیان فرما دیا کہ سودخوری کو اسلام میں ختم کر دیا گیا ہے اور صدقات میں من جانب اللہ ایسی برکات رکھی گئی ہیں جن سے معاشرے کے امیر و غریب تمام افراد اطمینان وسکون اور عافیت کی زندگی گذار سکیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کے لیے تعبیر بلیغ:

قرآن کریم میں غور کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ

مختلف مقامات پر بڑی شرح و بسط اور شدّ و مد کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ جگہ جگہ اہل ایمان کو یہ کہہ کر جھنجھوڑتے ہیں کہ اُس مال میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے۔

﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝۱۰﴾ [المنافقون:۱۰]

''اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدّت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ وخیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔''

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو متنبّہ کیا گیا ہے کہ قبل اس کے کہ تمھیں مرگِ ناگہانی آکر دبوچ لے، تم غفلت میں ہو اور موت کا فرشتہ آپہنچے اپنا پاک وطیب مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اپنا وطیرہ بنالو۔ موت کے بعد جب ظاہری اسبابِ حیات منقطع ہو جائیں گے اور قیامت کے دِن تم سے مؤاخذہ اور جواب طلبی ہوگی تو سوائے پچھتاوے کے تمھارے پاس کچھ نہ ہوگا، تم بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر التجا کرو گے کہ ہمیں ایک اور زندگی کی مہلت عطا کر دے! تاکہ ہم تیری رضا کے لیے تیری راہ میں خرچ کر کے تیرے مقبول اور صالح بندوں میں شامل ہو جائیں، لیکن اس روز کا پچھتاوا اور لجاجت بے کار جائے گی اور جواب آئے گا کہ مہلت وہی تھی جو دنیا میں ایک بار تمھیں عطا ہو چکی، اب دوسری بار عمل کا موقع کسی کو بھی مرحمت نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ آیت میں "مِمَّا رَزَقْنٰكُم" کے الفاظ غور طلب ہیں کہ انسان بسا

اوقات یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کی ذاتی محنت و کاوش اور استعداد وقابلیت کا نتیجہ ہے۔ اس کا یہ زعم باطل اور اس کا یہ دعویٰ خام ہے، انسان کا یہ خیال ٹھیک نہیں، اس لیے کہ انسان کے پاس جو کچھ مال و متاع ہے وہ اس کے رب کی عطا اور فضل ہے جس سے اسے کسی لمحہ محروم بھی کیا جا سکتا ہے۔

اسی بنا پر خالق کائنات نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ انسان کے اس غلط خیال اور دعویٰ کا بطلان ظاہر کرتے ہوئے اس کے شعور میں یہ تصوّر راسخ فرما دیا کہ وہ یہ بات پلّے باندھ لے کہ دنیا و آخرت کی ہر نعمت اس کی محنت و مشقّت اور قابلیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے فضل کی مرہونِ منّت ہے۔ جب انسان کے باطن میں یہ شعور پختہ ہو کر جاگزیں ہو جاتا ہے کہ اس کا سارا مال و متاع اس کے رب کی عطا ہے تو پھر "مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ" کے معنیٰ اس کی سمجھ میں خوب آجاتے ہیں اور وہ جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے اُسے قرضِ حسنہ تصوّر کرتا ہے۔

میرے بھائیو! یہاں کلام اللہ کی معجز بلاغت پر غور کرو! کہ یہ بات کتنی لطیف اور عجیب ہے کہ وہ ذات جو سب کچھ عطا کرنے والی ہے اپنے بندے سے اسی میں سے کچھ حصّہ بطورِ قرض مانگتی ہے اس وعدے کے ساتھ کہ جو کچھ وہ میرے نام پر میری راہ میں خرچ کرے گا میرے پاس اس کے حساب میں جمع ہوتا رہے گا۔ اب یہ مسلّمہ دستور ہے کہ ہر قرض خواہ کے ذمّے قرض کا لوٹانا لازم ہوتا ہے۔ اور وہ کریم ذات جو اتنی جواد، سخی اور بِن مانگے ہر ایک کو عطا کرنے والی ہے کیوں نہ بے اندازہ اور بہتر انداز سے قرض ادا کرے گی! یہ تو اس نے انسان کی عزّت افزائی اور اکرام کے سامان پیدا کیے ہیں، ورنہ کون دینے والا ہے جو اپنے دیے ہوئے میں سے قرض مانگتا ہے۔

صدقے کے متعلّق ایک غلط فہمی:

میرے بھائیو! اس موقع پر ایک بہت ہی اہم بات ذہن نشین رکھیں کہ لفظ صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو صدقے سے متعلّق کچھ غلط فہمی ہو جاتی ہے، تو اسے آسانی کے ساتھ یوں سمجھ لیجیے کہ شریعت اسلامیہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ہیں: ایک انفاقِ واجبہ اور دوسری انفاقِ نافلہ۔ ان میں ایک قسم فرض اور دوسری نفلی صدقے کے زُمرے میں آتی ہے۔ ہمارے ہاں غلط طور پر ایک تصوّر در آیا ہے کہ لوگ بالعموم صدقے کے نام دی ہوئی چیز کھانے یا استعمال کرنے سے گھبراتے ہیں کہ شاید ایسا کرنے سے ان پر کوئی مصیبت آجائے گی، حالانکہ صدقے کی اصلیت و ماہیت پر ذرا غور کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ صدقہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے یعنی انفاق ہی کا نام ہے۔ صدقات خواہ واجبہ ہوں یا نافلہ ان کے مستحقین بہر حال غربا و مساکین، یتامیٰ اور دیگر اہل حاجت ہوتے ہیں، لیکن قرآنِ حکیم نے صدقات کے مصارف بیان کرتے ہوئے مختلف انواع (Categories) کے ذکر میں مسافروں کے ذکر کو بھی شامل کیا ہے، اب کوئی مسافر چاہے کروڑ پتی ہو سفر کی حالت میں ضرورت مند ہو سکتا ہے۔ اس طرح بعض صورتوں میں صدقے کا مال اس پر بھی جائز ہے، لہٰذا صدقے سے کسی قسم کی گھبراہٹ (Allergy) کی ضرورت نہیں۔

صدقاتِ نافلہ کے مصارف:

صدقات واجبہ کے برعکس صدقاتِ نافلہ وہ صدقات ہیں جو محض خدا کی رضا کے لیے صرف کیے جاتے ہیں، ان کے مصرفات کا دائرہ انتہائی وسیع ہے، انھیں مستحقین

کی امداد سے لے کر مسجد کی تعمیر اور کسی بھی نیک کام کے لیے استعمال میں لایا جا سکتا ہے، شریعت مطہرہ نے کسی کو بھی ان کے جواز سے خارج نہیں کیا۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ تصوّر کہ سادات کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، اس کا اطلاق صرف صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ و عشر پر ہوتا ہے۔ جہاں تک نفلی صدقات کا تعلق ہے تو وہ خواہ سیّد ہو یا غیر سیّد، مسجد ہو یا مدرسہ، یا فلاحی نوعیت کا کوئی بھی نیک کام ہو، ہر ایک پر انھیں خرچ کرنا بہمہ وجوہ جائز ہے، اور شریعت نے اس سلسلے میں کوئی روک نہیں لگائی ہے۔ احیائے اسلام، تبلیغ و دعوت دین، تعلیم و تعلّم اور جہاد سے متعلّق امور اور ان لوگوں کی ضروریات کی کفالت جنھوں نے خود کو دین کے لیے وقف کر دیا ہے، ان سارے کاموں کے مصارف نفلی صدقات کے ذریعے پورے کیے جا سکتے ہیں۔ اس کا جواز قرآن حکیم میں نص قطعی سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾ [البقرة:۲۷۳]

(صدقات) ”اُن فقرا کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُہداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) انھیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انھیں ان کی صورت سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتے ہیں۔“

عزیزانِ گرامی! یہاں یہ بات یاد رہے کہ نصاب کی شرط صرف صدقاتِ واجبہ کے لیے ہے، صدقاتِ نافلہ کسی شرط اور حد سے مشروط نہیں، ہر کوئی جتنا چاہے بغیر کسی روک ٹوک کے راہِ خدا میں خرچ کر سکتا ہے، جس کے پاس زیادہ مال ہے وہ زیادہ اور جس کے پاس کم مال ہے وہ کم خرچ کرے، غریب بھی اپنی وسعت و استعداد کے مطابق اپنی ضرورت سے بچا کر خدا کی رضا کے لیے خرچ کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے اسلاف نے ایثار، بے نفسی اور قربانی کی ایسی تابناک اور روشن مثالیں قائم کی ہیں کہ تاریخ اسلام کے اوراق ان کی تابانی سے اب بھی جگمگا رہے ہیں۔

زکوٰۃ کن پر فرض اور مستحق کون؟

عزیزانِ محترم! زکوٰۃ کی حقیقت، حکمت اور فوائد و فضائل جاننے کے بعد اس حکم شرع پر عمل کرنے کے لیے یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کس مؤمن بندے پر واجب ہوتی ہے اور کونسا مؤمن بندہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے؟ زکوٰۃ کے حکم پر عمل کے لیے دونوں فریق کے شرعی معیار کو جاننا نہایت ضروری ہے، تب ہی ہم صحیح طور پر زکوٰۃ ادا کر سکیں گے، آسانی کے ساتھ اس کا معیار اس طرح سمجھ لیں کہ دنیا میں بسنے والے تمام مؤمنین کا جائزہ لیا جائے تو ان کو تین طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) مال دار افراد، جن پر مخصوص شرائط کے بعد زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے غریب افراد، جن پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

(۳) تیسرے متوسط اور درمیانی درجے کے افراد، جن پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہوتی، لیکن ان کے لیے زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں۔

اب ان تینوں قسم کے افراد کو پہچاننے کے لیے کیا معیار اور کسوٹی ہے کہ جس کے مطابق ہر طبقے والا اپنی حالت اور کیفیت کو پہچان کر اس کے مطابق اپنے اوپر عائد احکاماتِ الٰہیہ کو پہچان کر پورا کر سکے، اس کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے: ایک تو وہ کون سی اَشیا یا اموال ہیں جن کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ اور دوسرا وہ اَشیا یا اموال کتنی مقدار میں ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص زکوٰۃ دینے والا یا زکوٰۃ لینے والا ٹھہرتا ہے؟ ان میں سے پہلی چیز کو اموالِ زکوٰۃ اور دوسری چیز کو نصابِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

اموالِ زکوٰۃ:

اموالِ زکوٰۃ سے مُراد وہ چیزیں یا اموال ہیں جن کا (مخصوص مقدار میں) مالک ہونے پر (جس کو نصاب سے پہچانا جاتا ہے اور اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ وہ کل چار قسم (کی اَشیا یا اموال) ہیں:

(۱) سونا، خواہ وہ زیور کی شکل میں ہو، ٹکڑا ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (سونا) مالِ زکوٰۃ ہے۔

(۲) چاندی، خواہ وہ زیور کی شکل میں ہو، ٹکڑا ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، خواہ استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (چاندی) مالِ زکوٰۃ ہے۔

(۳) نقدی، اپنے ملک کی ہو یا کسی اور ملک کی، اپنے پاس ہو یا بینک میں، چیک ہو یا ڈرافٹ، نوٹ ہو یا سکّے یا ورچوئل کرنسی (Virtual Currency) مثلاً

بِٹ کوئنس (Bitcoins) ہوں، کسی کو قرض دی ہوئی ہو (بشرطیکہ ملنے کی امید ہو) یا اس کی سرمایہ کاری کررکھی ہو، ان تمام صورتوں میں یہ (نقدی) مالِ زکوٰۃ ہے۔

(۴) مالِ تجارت، یعنی تاجر کی دُکان کا ہروہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہواور تا حال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو، تو یہ (مالِ تجارت) مالِ زکوٰۃ ہے۔ (اور اگر مذکورہ مالِ تجارت کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، یا اس کے بارے میں بیٹے یا دوست وغیرہ کو ہدیہ میں دینا طے کرلیا، یا پھر ویسے ہی اس مال کے بارے میں بیچنے کی نیت نہ رہی تو یہ مال مالِ زکوٰۃ نہ رہا)۔[۱]

یہ کل چار قسم کے اموال ہیں جن پر (مخصوص مقدار تک پہنچنے پر) زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی مقروض ہو تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد بچنے والے اموال کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

نصابِ زکوٰۃ:

اوپر بتایا کہ معاشرے کے تین طبقات کو بیان کیا گیا تھا، جن کی تمیز نصاب کے مالک ہونے پر موقوف ہے، اس تمیز کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نصاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک نصاب کا تعلق زکوٰۃ دینے والے سے ہے اور دوسرے نصاب کا تعلق زکوٰۃ لینے والے سے ہے، دونوں قسم کے نصابوں میں کچھ فرق ہے، جو حسب ذیل ہے:

پہلی قسم کا نصاب (زکوٰۃ دینے والے کے لیے)

اللہ ربّ العزت نے اپنے غریب بندوں کے لیے مال داروں پر ان کے

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة / أموال الزكاة: ۲/۱۰۰، دار إحياء التراث العربي.

اموال کی ایک مخصوص مقدار پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جس کو نصاب کہا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس نصاب کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کم ہو تو اس شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

اگر کسی کے پاس صرف سونا ہو اور کوئی مال (مثلاً: چاندی، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو جب تک سونا ساڑھے سات تولا نہ ہو جائے اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر سونا اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔[1]

اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہو، اموالِ زکوٰۃ میں سے اور کوئی مال (مثلاً سونا، نقدی یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک چاندی ساڑھے باون تولا نہ ہو جائے اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر چاندی اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔[2]

اگر کسی کے پاس صرف نقدی ہو اور کوئی مال (مثلاً سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک نقدی اتنی نہ ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جاسکے، اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور اگر نقدی اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جاسکے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔[3]

اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی ہو (چاہے جتنی بھی ہو) یا سونا اور نقدی ہو یا سونا اور مالِ تجارت ہو یا چاندی اور نقدی ہو یا چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (تینوں مال) سونا، چاندی اور نقدی ہو یا سونا، چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (چاروں مال) سونا،

---

(۱) بدائع الصنائع / كتاب الزكاة / صفة الزكاة: ۱۰۵/۲، دار إحياء التراث العربي.
(۲) بدائع الصنائع / كتاب الزكاة / أموال الزكاة: ۱۰۰/۲، دار إحياء التراث العربي.
(۳) بدائع الصنائع / كتاب الزكاة / أموال الزكاة: ۱۰۳/۲، دار إحياء التراث العربي.

چاندی، نقدی اور مالِ تجارت ہوتو ان تمام صورتوں میں ان اموال کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولا چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ (۱)

دوسری قسم کا نصاب (زکوٰۃ لینے والے کے لیے)

اس نصاب میں مذکورہ نصاب (یعنی پہلی قسم کے نصاب کی تمام صورتوں) کے ساتھ ضرورت سے زائد سامان کو بھی شامل کیا جائے گا، اور یہاں بھی وہ تمام صورتیں بنیں گی جو پہلی قسم کے نصاب میں بنتی تھیں، مثلاً:

اگر کسی کے پاس صرف سونا اور ضرورت سے زائد سامان ہوتو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جا سکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔

اگر کسی کے پاس صرف چاندی اور ضرورت سے زائد سامان ہو اور کوئی مال (مثلاً سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہوتو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جا سکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔

اگر کسی کے پاس صرف نقدی اور ضرورت سے زائد سامان ہو اور کوئی مال (مثلاً سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہوتو جب ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے

---

(۱) بدائع الصنائع / كتاب الزكاة / صفة الزكاة: ۱۰۵/۲، ۱۰۶، دار إحياء التراث العربي.

ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جاسکے، تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔ اور اگر ان دونوں کی قیمت اتنی نہ ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولا چاندی خریدی جاسکے تو ایسے شخص کا زکوٰۃ لینا جائز ہے۔(۱)

نوٹ: سمجھنے میں آسانی کی خاطر یہاں چند بنیادی مسائل ہی پر اکتفا کیا گیا ہے، ظاہر بات ہے کہ تمام لوگوں کی اقتصادی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی، مالی حالت ہر ایک کی الگ الگ ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورتوں کے علاوہ دیگر بہت ساری صورتیں زکوٰۃ کے واجب ہونے اور نہ ہونے کی نکلتی ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اس سلسلے میں ہمیشہ حضراتِ مفتیانِ کرام سے رابطہ کر کے ان کے سامنے اپنے اموال کی تفصیل پیش کی جائے، تاکہ صحیح رہنمائی میسّر ہو۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اس ماہِ مبارک کے تمام تر تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق نصیب ہو۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

(۱) بدائع الصنائع / كتاب الزكاة / مصارف الزكاة :۱۵۸/۲، دار إحياء التراث العربي.

زکوٰۃ کے اہم اور بنیادی مسائل

(حصّہ اوّل)

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ أَمْوَالِ الأَغْنِيَاءِ حَقًّا لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ، وَلِلْمَصَارِفِ الَّتِيْ بِهَا صَلَاحُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ مُوَحِّدِيْنَ، وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ الصَّادِقُ الأَمِيْنُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰﴾ [التوبة : ٦٠]

تمہید:

محترم ومکرّم دوستو اور بزرگو! ماقبل میں ہم نے رمضان المبارک کی نسبت سے زکوٰۃ کی حقیقت، اہمیت اور اس کے فضائل سے متعلّق گفتگو کی تھی، اب ہم بات کریں گے زکوٰۃ کے کچھ بنیادی اور اہم مسائل کی، جن کا جاننا زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی کے لیے بہت ضروری ہے۔

حدیث پاک میں ماہِ رمضان المبارک کو "شَهْرُ الْمُوَاسَاة"(۱) یعنی غم خواری کا مہینہ کہا گیا ہے، جس میں مؤمن بندہ روزہ رکھ کر بھوکا رہتا ہے تو اُسے تنگ دستوں اور ضرورت مند بندوں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے، اس احساس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

(۱) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية / كتاب الصيام / باب فضل رمضان، الرقم : ١٠٦.

بندے کا دِل اُن فقرا و مساکین اور ضرورت مندوں کے لیے نرم ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر ادا کر کے اُن محتاج اور ضرورت مند لوگوں کا تعاون کر کے اُن کی غم خواری کرتا ہے۔

اگر چہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے رمضان المبارک ہی کا مہینہ طے نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ مالِ نصاب پر سال مکمّل ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ تو ہم مصارفِ زکوٰۃ اور اس سے متعلّق کچھ بنیادی مسائل پر گفتگو کریں گے۔

زکوٰۃ کی ایک حسّی مثال:

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنے ان بندوں کی تعریف بیان فرمائی ہے جو زکوٰۃ کو عبادت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ادا کرتے ہیں، اسے اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھتے، اور حقیقۃً زکوٰۃ کی مقدارِ واجب کو دیکھا جائے تو وہ کسی بھی انسان پر بوجھ نہیں ہے بلکہ ہر ایک اتنی مقدار خوش دِلی سے ادا کر سکتا ہے، شریعت مطہرہ نے ایسے مالِ نصاب پر جس پر سال مکمّل گذر چکا ہو صرف ڈھائی فی صد مقدار بطورِ زکوٰۃ واجب کی ہے، یعنی سو روپے میں سے صرف ڈھائی روپے، یہ کوئی بہت بڑی مقدار نہیں ہے جس کو تاوان یا بوجھ سمجھا جائے۔ بہت سے لوگ جو زیادہ مال دار ہوتے ہیں وہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کی مقدار نکالتے وقت بوجھ محسوس کرتے ہیں کہ اتنے لاکھ روپے مجھے زکوٰۃ میں دینے ہوں گے؟ حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کروڑوں روپیوں کے مالک بھی تو ہیں۔

اس کو ایک حسّی مثال سے یوں سمجھ لیجیے کہ جس طرح ہم تربوز خریدتے ہیں جو تین، چار یا پانچ کلو کا ہو، پھر جب اُسے کھانے کے لیے کاٹا جاتا ہے تو ہم چھلکوں کو الگ

کر کے پھینک دیتے ہیں، یا جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، اس وقت ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ چھلکے بھی کم از کم ایک آدھ کلو تو ضرور ہوں گے، اور چوں کہ خریدتے وقت ان کی بھی قیمت ادا کی ہے، لہٰذا چھلکے پھینکے کیوں جائیں؟ یہ تو مال کو ضائع کرنا ہے، اس سوچ کو ہر ایک عقلمند انسان غلط کہے گا، زکوٰۃ کی مثال بھی اسی طرح سمجھ لو کہ وہ مؤمن بندے کے مال کا میل کچیل ہے، جس کو نکالنا بقیہ اموال کی صفائی اور حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے، اگر تاوان اور بوجھ سمجھ کر اُسے نہیں نکالا گیا تو پورا مال یا تو دُنیا ہی میں ہلاک و برباد ہو جائے گا یا آخرت میں مؤاخذہ تو ہر حال میں ہوگا۔

تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت ایک مؤمن کامل کی سوچ یہ ہونی چاہیے کہ ڈھائی فی صد جو میں ادا کر رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، جس پر مجھے دُنیوی نقد فائدہ یہ ہوگا کہ میرا مال ہلاکت و بربادی سے بچ جائے گا اور اُخروی فائدہ یہ ہوگا کہ اس عبادت پر اجرِ عظیم ملے گا۔

زکوٰۃ کے مصارف:

میرے بھائیو! خطبے میں جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں جن میں اموالِ زکوٰۃ خرچ ہوں گے، ان میں سے پہلا مصرف فقرا کو بیان فرمایا، پھر مساکین کو، اب فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اس میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقیر اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال تو ہو، لیکن اتنا کم ہو کہ وہ نصاب کے بقدر نہ ہو، جب کہ مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ ﴿أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ [البلد:١٦] جس کی مٹھی میں سوائے مٹی کے کچھ نہ ہو۔ یعنی نصاب سے کم مال بھی نہ ہو، ایک روپیہ بھی نہ ہو، تو یہ

دونوں زکوٰۃ کے مصرف ہیں۔

تیسرا مصرف ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ﴾ یعنی وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت میں امیر المؤمنین کی جانب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرّر کیے گئے ہوں۔ چوتھا مصرف ﴿الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ کا تھا، یعنی وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں تو اُن کی دِل جوئی و اِمداد کے لیے اُنھیں زکوٰۃ دی جاتی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں یہ مصرف موقوف کر دیا تھا عدمِ ضرورت اور استغنا کی وجہ سے، لٰہذا ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا دُرست نہیں ہے۔(۱)

پانچواں مصرف ﴿الرِّقَابِ﴾ یعنی غلاموں کو آزاد کروانا ہے، اگر کوئی غریب مسلمان جیل میں قید ہے تو اُسے چھڑانے کے لیے زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں۔(۲)

چھٹا مصرف ﴿الْغٰرِمِيْنَ﴾ یعنی مقروض لوگ ہیں، جن پر قرض ہو اُن کے قرض کی ادائیگی کے لیے بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ساتواں مصرف ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اور آٹھواں مصرف ﴿ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ یعنی مسافر کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ خواہ مسافر اپنے وطن میں مالدار ہو، لیکن سفر کے دوران اس پر ایسے حالات پیش آ گئے کہ وہ ضرورت مند ہو گیا، تو اسے بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

یہ کل آٹھ مصارف ہوئے، جن میں سے ایک یعنی مؤلفۃ قلوب موقوف کر دیا گیا، تو اب بقیہ سات مصارف ہیں جن میں زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں۔

آگے فرمایا: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰﴾ یعنی یہ زکوٰۃ

(۱) تحفۃ الالمعی: ۲/۵۹۱۔ تفسیر ماجدی: ۴۴۳۔ ۴۴۴۔

(۲) زکوٰۃ کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا: ۳۵۳۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ اس حکم پر کون عمل کر رہا ہے اور کون نہیں؟ نیز کس طرح عمل کر رہا ہے؟ فریضۂ زکوٰۃ کو کما حقہ ادا کر رہا ہے یا اس میں کوتاہی کر رہا ہے؟ اِن تمام تفصیلات سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں، نیز حکیم ہیں، یعنی زکوٰۃ کی فرضیت کے پیچھے جو حکمت کار فرما ہے اُسے بھی اللہ تعالیٰ ہی بخوبی جانتے ہیں۔

زکوٰۃ سے متعلّق اہم مسائل:

آیت کریمہ میں بیان کردہ سات مصارف میں سے عملی طور پر عموماً فقرا و مساکین کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ تو اب ہم اس تعلق سے کچھ اہم مسائل کے بارے میں بات کریں گے۔

(۱)......سب سے پہلی بات یہ کہ جس طرح نماز اور روزے میں ہم نیت کرتے ہیں اسی طرح زکوٰۃ دینے والا بھی نیت کرے کہ اتنی مقدار میں بطورِ زکوٰۃ ادا کر رہا ہوں، زبان سے بولنا ضروری نہیں، نیت دِل کے ارادے کا نام ہے، لہٰذا دِل کی نیت بھی کافی ہے۔ اگر کسی نے نیت کیے بغیر حقدار کو زکوٰۃ دے دی تو جب تک اس نے وہ مال خرچ نہ کیا ہو اور ضائع نہ ہوا ہو تب تک زکوٰۃ دینے والا اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کر لے گا تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگر اس شخص نے مال کو خرچ کر لیا، یا استعمال کر لیا، یا اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو اب نیت کا وقت ختم ہو گیا، اب نیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔[۱]

(۲)......اگر کوئی شخص اپنی جانب سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کسی کو وکیل

---

(۱) كتاب المسائل: ۲/ ۲۵٦.

بنائے کہ میری طرف سے اتنی زکوٰۃ ادا کردو، وکیل کو فوری طور پر زکوٰۃ کا مال سپرد نہیں کیا ہے، بلکہ صرف بات کی ہے، مثلاً فون کے ذریعے کہہ دیا کہ میری طرف سے دس ہزار روپے بطورِ زکوٰۃ ادا کردو، میں تمھیں بعد میں پہنچادوں گا، پھر اس وکیل نے ادا کردیے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ وکیل کو پیشگی طور پر زکوٰۃ کا مال دینا ضروری نہیں ہے، بعد میں بھی دیا جاسکتا ہے۔[1] اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنانا دُرست ہے، لیکن اس طرح کی وکالت نماز اور روزے میں جائز نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ میری جانب سے اتنی رکعات پڑھ لو، یا میری جانب سے اتنے روزے رکھ لو، کیوں کہ نماز اور روزے میں نیابت نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بننے والا شخص کسی کو اپنی جانب سے وکیل بنائے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً ہم نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ تم میری جانب سے اتنے روپے بطورِ زکوٰۃ ادا کردو، پھر اس نے اپنے ماتحت کسی خادم سے کہا کہ تم فلاں حقدار کو دے آؤ، تو بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (ایضاً)۔

(۳)...... فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ کسی حقدار کو زکوٰۃ کی رقم اتنی مقدار میں دینا کہ وہ خود صاحب نصاب بن جائے یہ بہتر نہیں ہے، زکوٰۃ تو ادا ہوجائے گی، لیکن اس طرح کرنا بہتر نہیں ہے، مثلاً پچیس سے ستائیس ہزار میں صاحب نصاب بنتے ہیں تو کسی حقدار کو تیس ہزار روپے دے دیں، جس سے وہ خود بھی صاحب نصاب بن جائے تو یہ بہتر نہیں۔

البتہ جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ اتنا قرض دار ہوچکا ہے کہ قرض کی رقم

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲۵٦.

نصاب سے زیادہ ہے، مثلاً کسی پر پچاس ہزار یا ایک لاکھ روپیوں کا قرض ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ حقدار زکوٰۃ کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کے لیے لے رہا ہے، تو اس صورت میں اس کو نصاب سے زیادہ مقدار میں دینے کی گنجائش ہے۔ (۱)

لیکن بہت سے لوگ اس مسئلے سے غلط فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد لاکھوں روپیوں کا قرض لے کر عیش کرتے ہیں، یا بڑی رقم کا لون لے کر کاروبار کو بڑھاتے ہیں، اب گھر میں چار پانچ کار بھی ہیں، رہنے کے لیے کئی بنگلے بنائے ہیں، لیکن لوگوں کے سامنے خود کو مقروض بتا کر زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، تو ایسے لوگ گنہگار ہیں۔ اُنھیں اولاً ضرورت سے زائد چیزوں کو بیچ کر اپنا قرض یا لون چکانا ضروری ہے، قرض ادا کر دینے کے بعد بھی معاشی حالت بُری ہے اور ضرورت مند ہیں تو پھر زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

(۴)...... زکوٰۃ جن کو دی جاتی ہے ان میں سب سے بہتر مصرف کون ہیں، اس بارے میں یہ اصول یاد رکھیں کہ محتاج رِشتے دار سب سے بہتر مصرف ہیں، رِشتے داروں کو زکوٰۃ دینے میں ثواب زیادہ ہے۔ (۲)

پھر رِشتے داروں میں صرف دو قسمیں ایسی ہیں جنھیں زکوٰۃ نہیں دے سکتے:

(۱) اصول و فروع (۲) زوجین (میاں بیوی)۔ اصول کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پڑدادا، پڑدادی اور پڑنانا، پڑنانی سے آخر تک جتنے رِشتے دار ہیں اُنھیں زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اسی طرح فروع یعنی اولاد، اولاد کی اولاد یعنی بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، پڑپوتے پڑپوتیاں سے آخر تک سب فروع ہیں، ان کو بھی زکوٰۃ نہیں

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲۵۸.

(۲) سنن الترمذي / الرقم : ٦٥٨.

سکتے۔اسی طرح میاں بیوی میں سے بھی کوئی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، کیوں کہ ان کی ضرورتیں مشترک ہونے کی وجہ سے وہ خود ہی کو زکوٰۃ دینے کے حکم میں ہے۔ان کے علاوہ جتنے بھی رشتے دار ہیں سب کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے،مثلاً داماد اگر حقدار ہے تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔اسی طرح داماد اپنے حقدار سسر اور ساس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔اسی طرح بھائی بہن آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے افضل مصارف:

تو مصارف میں سب سے بہتر مصرف محتاج رِشتے دار ہیں،وجہ اس کی یہ ہے کہ رِشتے داروں کو زکوٰۃ دینے میں دُہرا ثواب ہے،ایک ادائے زکوٰۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔جیسا کہ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"الصَّدَقَةُ عَلَى المِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ".(۱)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’مسکین کو صدقہ دینے میں صدقے کا ثواب ہے،لیکن یہی صدقہ رِشتے دار کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں: صدقے کا اور صلہ رحمی کا۔‘‘

لہٰذا ہم اوّلاً کوشش اس بات کی کریں کہ اگر ہمارے رِشتے داروں میں سے کوئی مستحق زکوٰۃ ہے تو اُسے پہلے زکوٰۃ دیں۔

رِشتے داروں کے بعد اس دور میں فی سبیل اللہ کے ماتحت فقہائے کرام نے مدارس میں پڑھنے والے مستحقین طلبہ کو بھی شمار کیا ہے،یہ بھی زکوٰۃ کا بہتر مصرف ہیں۔

(۱) سنن الترمذي / أبواب الزكاة / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة، الرقم : ٦٥٨.

مدارس کے منتظمین سفرا حضرات کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عموماً لوگوں تک بھیجتے ہیں، لیکن اگر کسی وجہ سے وہ نہ آسکیں تو اپنی دینی ذمے داری سمجھ کر اُن مدارس میں زکوٰۃ پہنچائیں جن کے بارے میں ہمیں تحقیقی طور پر معلوم ہو کہ وہاں اُمّت مسلمہ کے بچّوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے، ان مدارس میں زکوٰۃ پہنچانا یہ ہماری ذمےّ داری ہے، زکوٰۃ لینے والوں کی ذمےّ داری نہیں ہے، اس کو خوب سمجھ لیں کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ یعنی یہ فریضہ زکوٰۃ دینے والے کے ذمےّ ہے کہ وہ مستحق تک اپنی زکوٰۃ پہنچادے۔

یہ اہل مدارس کا احسان ہے کہ وہ ہر سال اپنے سفرا ہماری خدمت میں بھیجتے ہیں، جس سے ہمیں فریضۂ زکوٰۃ ادا کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔

(۵)......اسی طرح ہمارے یہاں جو خدّام اور نوکر وغیرہ کام کرتے ہیں، یا گھر میں کام کرنے والی آتی ہے اُنھیں زکوٰۃ دینے کا عام رواج ہے، اُن کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں یہ مسئلہ دھیان میں رکھیں کہ زکوٰۃ کسی ایسی جگہ دینا جہاں ہمارا فائدہ ہو رہا ہو، جس سے ہماری منفعت جڑی ہوئی ہو، تو ایسی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا جب بھی ہم اپنے خدّام، ملازمین اور نوکر وغیرہ کو زکوٰۃ کی رقم دیں تو اس بات کی صراحت ضرور کر دیں کہ یہ آپ کے کام یا خدمت کا معاوضہ نہیں ہے، آپ کو طے شدہ پوری تنخواہ ملتی رہے گی، اور اس بات کا خوب خیال رکھیں کہ زکوٰۃ کی رقم کے بدلے کچھ بھی زائد کام اُن سے نہ لیا جائے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس زکوٰۃ کی رقم کے بدلے میں مجھے زیادہ کام کرنا ہوگا، یا اس کی وجہ سے میری تنخواہ میں سے کچھ کمی کر دی جائے گی، البتہ زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت یہ صراحت ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، بنا کچھ کہے بھی صرف اپنی

جانب سے زکوٰۃ کی نیت کر کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[۱]

اسی طرح خدّام اور ملازمین وغیرہ کا تقرّر کرتے وقت بھی ان سے یہ نہ کہا جائے کہ تمھاری تنخواہ اتنی ہوگی، اور اس پر مزید میں تمھیں دس ہزار روپے (بطورِ زکوٰۃ) دوں گا، کیوں کہ اس صورت میں وہ کم تنخواہ پر بھی اس لیے آمادہ ہوجائیں گے کہ اُنھیں مزید دس ہزار روپے مل رہے ہیں، تو اب جو تنخواہ میں کٹوتی ہوئی وہ ایسی ہی ہے گویا ہم اپنی ہی زکوٰۃ خود کھا رہے ہیں۔

نیز خدّام، ملازمین اور دیگر مستحقین زکوٰۃ جن کو ہم پہچانتے ہوں اُن کے بارے میں تحقیق بھی کرلیا کریں کہ وہ مستحقین ہیں یا نہیں، بہت سی مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ بیواؤں کو مستحق سمجھ کر سارے علاقے کے لوگ اتنی زکوٰۃ دیتے ہیں کہ وہ خود صاحب نصاب بن جاتی ہیں، تو یہ بہتر نہیں۔ صرف بیوہ ہونے کی وجہ سے کوئی عورت مستحق زکوٰۃ نہیں بن جاتی، بیوہ اگر مالدار ہے تو اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، ہاں اگر بیوہ محتاج ہے اور مستحق زکوٰۃ ہے تو اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(۶)......اگر کوئی گھر ایسا ہے جس میں شوہر مالدار ہے، لیکن بیوی مستحق زکوٰۃ ہے، یا بیوی مالدار ہے، لیکن شوہر مستحق زکوٰۃ ہے، تو ان میں سے جو بھی مستحق ہے اُسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[۲] کیوں کہ زکوٰۃ کا نصاب ہر فرد کا علیحدہ ہے، پورا گھر مل کر ایک نصاب نہیں ہے، لہٰذا جسے ہم زکوٰۃ کا مالک بنا رہے ہیں وہ حقدار ہے یا نہیں یہی دیکھا جائے گا۔

بہت سے لوگ زکوٰۃ کے حقدار کی تحقیق میں غلطی کرتے ہیں، وہ یہ دیکھتے ہیں

---

(۱) آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ۵/ ۱۲۵۔

(۲) كتاب المسائل : ۲ / ۲٦۱.

کہ فلاں گھر میں ٹی وی ہے، لہٰذا اُن کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، تو یہاں یہ سمجھ لو کہ یہ تحقیق ادھوری ہے، اوّلاً یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اُس گھر میں ٹی وی کا مالک کون ہے؟ پھر وہ ٹی وی کتنا مہنگا ہے؟ اگر ٹی وی کا مالک شوہر ہے اور ٹی وی مہنگا ہے، مثلاً پچیس سے تیس ہزار روپیوں کا ہے، تو اُسے زکوٰۃ نہ دی جائے، لیکن اگر اس کی بیوی مستحق ہے، جس کے پاس ضرورت سے زائد کوئی چیز نہیں ہے، تو اُسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

نیز بہت سے حضرات تحقیق میں معیار اپنی جانب سے اس بات کو بناتے ہیں کہ مستحق جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ تبلیغی جماعت میں جاتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جاتا تو اُسے زکوٰۃ نہیں دیتے، حالانکہ یہ معیار قائم کرنا مناسب نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم ایسے مستحق کو مقدّم کریں جس کی دینی حالت اچھّی ہو۔

بہت سے لوگ زکوٰۃ کی رقم اس بہانے سے وصول کرتے ہیں کہ اُن کے یہاں بیٹی کی شادی ہے، بے شک اگر وہ شخص مستحق ہے اور اس کی بیٹی کی شادی ہے تو اس کا تعاون زکوٰۃ کی رقم سے کیا جاسکتا ہے، لیکن زکوٰۃ جو مستحق کو دی جاتی ہے اس میں مقصد صرف اس کی ضرورت پورا کرنا ہوتا ہے، جب کہ بیٹی کی شادی کے بہانے لی جانے والی زکوٰۃ بہت سی دفعہ مہنگے سے مہنگے پارٹی پلوٹ (Party Plot) بُک کروانے میں، کثیر تعداد میں مہمانوں کو بلا کر مختلف قسم کے کھانے بنوا کر کھِلانے وغیرہ میں ضائع ہوتی ہے، تو یہ زکوٰۃ کی رقم کا غلط استعمال ہے۔

بہت سی دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ مستحق زکوٰۃ لے کر اس کے ذریعے بیٹے کا ولیمہ کرتا ہے، پھر وہ ولیمہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس میں چار سو سے پانچ سو افراد مدعو ہوتے ہیں، بے شک ولیمہ سنّت ہے، لیکن اس میں چار پانچ افراد کو کھِلا دینے سے بھی سنّت ادا

ہو جائے گی، پھر ولیمہ جیسی سنّت ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ لینا کونسی عقلمندی ہے؟ ظاہری بات ہے کہ یہ بھی زکوٰۃ کی رقم کا غلط استعمال ہے۔ لہٰذا اس بات کی بھی تحقیق کرلیا کریں کہ کہیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہماری زکوٰۃ نہ جائے جو خود کو مستحق بتا کر زکوٰۃ کے مال کو فضول خرچی میں ضائع کرتے ہیں۔

(۷)...... اگر ہم نے کسی کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں پتا چلا کہ وہ مستحق زکوٰۃ نہیں تھا، تو اب ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ [1] اگر اس زکوٰۃ لینے والے نے جان بوجھ کر دھوکے سے اپنے آپ کو مستحق ظاہر کیا تھا یا جاننے کے باوجود کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، پھر بھی مستحق نہ ہونے کے باوجود زکوٰۃ کی رقم خاموشی کے ساتھ رکھ لی، تو وہ گنہگار ہوگا، لیکن دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۸)...... زکوٰۃ میں ہمیشہ نقد دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ کپڑے، اناج، غلّہ وغیرہ سامان بھی دے سکتے ہیں، نیز زکوٰۃ میں پلاٹ (زمین کا ٹکڑا) بھی دے سکتے ہیں جس پر مستحق اپنا گھر وغیرہ تعمیر کرسکے۔ [2] لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جو سامان اچھّا ہو وہ دیں، خراب اور گھٹیا قسم کا سامان جس کی مارکیٹ میں قیمت کم ہے وہ نہ دیں، مثلاً کوئی شخص اناج اور غلّے کی تجارت کرتا ہے تو وہ ایسا پُرانا ذخیرہ زکوٰۃ میں دے کہ جو بالکل خراب ہو کر سڑ جانے کے قریب ہے، جس کی مارکیٹ میں قیمت نہ کے برابر ہے، تو یہ مناسب نہیں، یہ ''مری ہوئی مرغی اللہ کے نام پر'' کا مصداق ہوگا۔

(۹)...... زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک یعنی مالک بنا دینا شرط ہے، جس شخص کو زکوٰۃ کا مالک بنایا جائے اس کا اس زکوٰۃ کے مال پر پورا اختیار ہو یہ ضروری

---

(۱) کتاب المسائل: ۲ / ۲۶۲.

(۲) فتاویٰ اسلامیہ / کتاب الزکوٰۃ: ۲ / ۹۴.

ہے، لہٰذا اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی نے چند غریبوں کو بُلا کر کھانا کھِلا دیا، جس میں اُن کو کھانا اپنے ساتھ لے کر جانے کی اجازت نہیں تھی، تو اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اُنھیں کلّی اختیار ہونا چاہیے کہ وہ چاہیں تو کھانا اپنے ساتھ لے جائیں۔ (۱)

اسی طرح زکوٰۃ مسجد اور قبرستان میں دینا بھی صحیح نہیں ہے، وجہ یہی ہے کہ اس میں بھی تملیک کی شرط پوری نہیں ہوتی، مسجد یا قبرستان کا کوئی ایک مالک نہیں ہوتا، مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، ٹرسٹیان یا متولّیان صرف اس کے نگہبان ہیں، مالک نہیں ہیں، لہٰذا اس کی تعمیر، مرمّت اور دیگر سامان کے لیے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

(۱۰)...... مسافر شخص بھی زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہے، لہٰذا مسافر اگر ہنگامی حالت میں محتاج ہوجائے، اور اس کے پاس قرض لینے کا بھی کوئی راستہ نہ رہے تو وہ اگرچہ اپنے وطن میں مالدار ہے، پھر بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی ہی مقدار میں زکوٰۃ لے کہ اپنے وطن تک پہنچ سکے، گھر پہنچ جانے کے بعد بھی اگر اس زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ بچ جائے تو اس کا استعمال کرنا اس کے لیے جائز ہے، اس بچی ہوئی رقم کو صدقہ کر دینا ضروری نہیں ہے۔ (۲)

لیکن یاد رہے کہ مسافر شخص اپنی ضرورت کے موقع پر ضرورت کے بقدر ہی زکوٰۃ لے، اتنا کثیر مال نہ لے کہ بعد میں لمبے زمانے تک اسے استعمال کرتا رہے۔

(۱۱)...... مستحق زکوٰۃ اگر کسی کو ہدیہ دے، یا کسی کو دعوتِ طعام پیش کرے تو اس کا ہدیہ اور دعوت قبول کرنا جائز ہے، اس کا ثبوت حدیث پاک سے ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحابیہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ) کے گھر

---

(۱) کتاب المسائل : ۲ / ۲۶۸.

(۲) کتاب المسائل : ۲ / ۲۳۱ - ۲۳۲.

تشریف لے گئے، تو اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر داری میں کھجور پیش کیں، جب کہ ان کے پاس ایک ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”کیا آپ ہمیں گوشت میں سے کچھ نہیں کھلائیں گی! حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ گوشت صدقے کا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”وہ تمھارے لیے صدقہ ہے، لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔“(۱)

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے بدل جانے کی وجہ سے چیز کا حکم بھی بدل جاتا ہے، لہٰذا مستحق زکوٰۃ کے لیے تو بطورِ زکوٰۃ دیا جانے والا مال زکوٰۃ شمار ہوگا، لیکن جب وہ اپنی جانب سے کسی کو وہ مال دے تو وہ زکوٰۃ نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا مستحق زکوٰۃ کا ہدیہ اور دعوت وغیرہ قبول کرنا جائز ہے، خواہ جس کو ہدیہ یا دعوت دی جا رہی ہے وہ خود ہی زکوٰۃ دینے والا ہو، یا زکوٰۃ دینے والا کوئی اور ہو۔(۲)

(۱۲)...... مسلمانوں کا مشترک فنڈ مثلاً رِلف وغیرہ، جس میں بہت سے لوگوں کی جانب سے چندہ کر کے مال اِکٹھا کیا جاتا ہے، پھر اس کے ذریعے محتاج اور غریب لوگوں کی مدد کی جاتی ہے، جو کہ بہت اچھّی بات ہے، کورونا کے ہنگامی دور میں ملک بھر میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں نے ہزاروں کلومیٹر کا سفر کرنے والے بھوکے محتاجوں کو کھانا کھلا کر، اناج وغلّہ اور کپڑے وغیرہ دے کر مدد کی تھی، جس کا اعتراف انصاف پسند غیر مسلمین بھی کر رہے ہیں، یہ الحمدللہ رواداری کی بہترین مثال ہے، لیکن اس میں یہ خیال رکھا جائے کہ جن حضرات سے یہ چندہ وصول کیا جائے اُن سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ جو دے رہے ہیں وہ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ہے تو وہ

---

(۱) القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة : ۱ / ۵۲۷، القاعدة : ۹۲.

(۲) فتاویٰ فلاحیہ: ۳/ ۴۶۳۔

صرف ان مسلمانوں پر خرچ کی جائے جو محتاج ہوں۔[۱] اگر دیا جانے والا مال زکوٰۃ نہیں ہے تو پھر وہ کسی کو بھی دے سکتے ہیں۔

(۱۳)......قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتے ہیں، یہ بھی زکوٰۃ کا ایک بہتر مصرف ہے، جس سے آج اکثر غفلت برتی جا رہی ہے، ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں بے قصور مظلوم مسلمان قید و بند میں ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں، جن کی رِہائی کے لیے عدالتی کارروائی میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، ان میں سے اکثریت ایسی ہوتی ہے جو اس خرچ کو برداشت نہیں کر سکتی، لہٰذا اس دور میں بطورِ خاص اس مصرف کی جانب توجّہ دینے کی ضرورت ہے، جمعیت علمائے ہند بھی اس سلسلے میں بہتر کام کر رہی ہے، لہٰذا ان کے ذمّے داروں سے رابطہ کر کے زکوٰۃ کی رقم ان تک پہنچائی جائے، تاکہ مظلوم مسلمان مستحقین کی مدد ہو سکے۔

(۱۴)......زکوٰۃ جس طرح صاحبِ نصاب اور مالدار کو نہیں دے سکتے اسی طرح اس کے نابالغ بچّوں کو بھی نہیں دے سکتے۔[۲] اسی طرح بنو ہاشم یعنی سادات کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔[۳] نیز جو کام رفاہِ عام کا ہو، جس میں مشترک طور پر تمام لوگوں کا مفاد وابستہ ہو، اس میں بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔[۴] مثلاً سڑک اور پینے کے پانی کی سبیل وغیرہ تعمیر کرنا، اس لیے کہ اس میں بھی تملیک نہیں پائی جاتی۔

(۱۵)......زکوٰۃ کے مال میں حیلہ اس وقت جائز ہے جب کہ اس سے زکوٰۃ کا

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ٢٦٤.

(۲) كتاب المسائل : ۲ / ٢٦٥.

(۳) كتاب المسائل : ۲ / ٢٦٦.

(٤) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۱۷۳۔

مقصد فوت نہ ہو رہا ہو۔[۱] ورنہ آج کل کچھ لوگ اس طرح کے حیلے کرتے ہیں جس سے زکوٰۃ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، جو کسی بھی طرح درست نہیں، مثلاً کچھ لوگ اپنے ایسے دوستوں یا جان پہچان والوں کو زکوٰۃ کی رقم دینے کے لیے حیلہ کرتے ہیں جو نصاب کے مالک تو ہیں، لیکن پھر بھی اُن کی تمام ضروریات پوری نہیں ہوتیں، تو بعض لوگ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ وہ ضرورت مند ہیں لہٰذا انُھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے، حالانکہ ان سے زیادہ ضرورت مند لوگ جو نصاب کے مالک نہیں ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں، تو ایسے حیلے اور بہانے صحیح نہیں ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس حیلے کو کچھ لوگ زکوٰۃ کو وائٹ (White) کرنا کہتے ہیں، حالانکہ یہ اصطلاح اس نقدی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتی ہے جو حکموتی ٹیکس سے بچا کر رکھی جائے۔ جب کہ زکوٰۃ میں وائٹ (White) اور بلیک (Black) وغیرہ کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔

(۱۶)......زکوٰۃ دینے والا اپنے مقروض کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، بشرطیکہ تملیک مکمّل ہو، اگر مالک نہیں بنایا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔[۲] مثلاً کسی نے اپنے دوست کو ایک لاکھ روپے بطورِ قرض دیے، اب وہ مقروض کسی طرح اپنا قرض ادا نہیں کر پا رہا ہے، تو قرض دینے والا اسے زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے، اوّلاً اس کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دے، پھر اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے، اور وہ مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کے طور پر وہ رقم اسے دے دے، تو اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور قرض بھی وصول ہو جائے گا۔ لیکن اگر قرض خواہ صرف زبانی طور پر مقروض سے کہہ دے کہ میں تجھے زکوٰۃ دینے والا تھا تو اس کے بقدر قرض معاف کر رہا ہوں، یہ شکل درست نہیں ہے،

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲۷۲.

(۲) كتاب المسائل : ۲ / ۲۷٤.

اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (۱)

(۱۷)......ایسے مریض جو زکوٰۃ کے مستحقین ہیں اُنھیں بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، جس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا خود ہی مستحق مریض کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دے۔ دوسری شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہسپتال کے ذمّے داروں کو زکوٰۃ دینے والا اپنا وکیل بنا دے کہ آپ ہماری زکوٰۃ کی رقم کے وکیل ہیں، جب بھی کوئی حقدار مریض آئے تو اس کے علاج اور دوا میں خرچ کریں۔ غریب کو مالک بنانا ضروری ہے، ڈاکٹر کی فیس وغیرہ اس سے ادا کرنا دُرست نہیں۔ (۲) تیسری شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی تیسرے شخص کو زکوٰۃ دینے والا اپنا وکیل بنا دے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ایسے مریضوں کے علاج اور دوا میں خرچ کردو جو مستحقین زکوٰۃ ہیں۔ یہ تینوں شکلیں جائز ہیں۔

(۱۸)......اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم اپنے دیگر اموال سے علیحدہ کر رکھی ہے، جو ابھی حقدار کو دی نہیں گئی ہے، اس سے پہلے ہی وہ ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، صرف علیحدہ کر لینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بلکہ حقدار کو مالک بنانا بھی ضروری ہے۔ (۳)

(۱۹)......فطرے کی رقم بھی زکوٰۃ کی طرح مدارس کے مستحق طلبہ پر خرچ کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ تملیک پائی جائے، لہٰذا فطرے کی رقم صرف مدرسے میں جمع کروا دینا کافی نہیں، بلکہ جمع کراتے وقت صراحت کر دی جائے کہ یہ رقم اس مد کی ہے، تاکہ مدرسے کے جو ذمّے دار طلبہ کی جانب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے وکیل ہیں وہ اسے صرف مستحق طلبہ ہی پر خرچ کریں۔

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/ ۱۶۹۔

(۲) فتاویٰ فلاحیہ: ۳/ ۴۱۶۔

(۳) محمود الفتاویٰ: ۴/ ۱۱۵۔

ادائے زکوٰۃ سے متعلّق ضروری ہدایات:

میرے محترم دوستو! اب ہم ایسے چند امور کے متعلّق بات کریں گے جن کو دھیان میں رکھنا زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لیے ضروری ہیں۔

ان میں ایک ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ جسے ہم زکوٰۃ دے رہے ہیں اُسے زکوٰۃ لینے کا عادی نہ بنا دیا جائے کہ وہ بس ہر سال زکوٰۃ ہی کا انتظار کرتا رہے، بلکہ مستحقین زکوٰۃ کی اِمداد کی ایسی شکل اختیار کی جائے کہ وہ اس تعاون کے ذریعے معاشی اعتبار سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں اور اتنا کمانے کے عادی ہوجائیں کہ وہ زکوٰۃ لینے کے بجائے دینے والے بن جائیں۔ مثلاً کوئی نوجوان رکشا چلانا جانتا ہے، جس کے پاس خود کی رکشا نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسروں کی رکشا کا ڈرائیور بن کر کام کرتا ہے، جس پر اسے اُجرت ملتی ہے، تو اسے رکشا دی جاسکتی ہے، جس سے وہ خود اتنا کما سکے کہ بعد میں اسے زکوٰۃ لینے کی نوبت نہ آئے۔ اسی طرح وائیرمین، پلمبر، لوہار وغیرہ ہنر جاننے والے مستحقین کو اُن کے لیے ضروری آلات اور مشینیں خریدنے کے لیے زکوٰۃ دی جائے، تاکہ وہ اپنے ہنر کو کام میں لاکر معاشی اعتبار سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور اُنھیں ہر سال زکوٰۃ کے سہارے جینے کی نوبت نہ پیش آئے۔

دوسری طرف زکوٰۃ لینے والا بھی اس بات کا خیال رکھے کہ وہ بدرجۂ مجبوری زکوٰۃ لے رہا ہے، یہ کوئی قابل فخر چیز نہیں ہے کہ اسی پر مداومت اختیار کی جائے، بلکہ کوشش اور محنت کے ذریعے جس قدر ہوسکے زکوٰۃ سے مستغنی رہے۔ اگر صاحب نصاب ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں، اور وہ سوال بھی نہیں کرسکتا، سوال صرف ایسے فقیر کے لیے جائز ہے جس کے پاس ایک دِن کھا سکے اتنی مقدار بھی نہ ہو، حدیث پاک میں

ایسے لوگوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں بیان ہوئی ہیں جو بغیر ضرورت کے بھی لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کو ٹیکس، تاوان اور بوجھ نہ سمجھا جائے:

زکوٰۃ ادا کرنے والا زکوٰۃ کو برضا ورغبت اُسے عبادت سمجھ کر بشاشت کے ساتھ ادا کرے، اسے ٹیکس، تاوان اور بوجھ نہ سمجھے، حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو قیامت کی علامتیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا". یعنی زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا۔[1]

احسان نہ جتلائے:

نیز زکوٰۃ دینے والا اس بات کا بھی ہمیشہ خیال رکھے کہ جسے زکوٰۃ دے اس پر کبھی اپنا احسان نہ جتلائے، کیوں کہ زکوٰۃ دینا کوئی احسان نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو بندے کو عبادت سمجھ کر بخوشی ادا کرنا ہے، جس طرح ہم نماز پڑھ کر کسی پر احسان نہیں کرتے، روزہ رکھ کر کسی پر احسان نہیں کرتے، اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے بھی ہم کسی پر احسان نہیں کرتے، ہاں، زکوٰۃ لینے والے کا ہم پر احسان ضرور ہے کہ اس نے ہماری زکوٰۃ قبول کر کے فریضۂ زکوٰۃ ادا کرنے میں ہماری مدد کی۔

زکوٰۃ ادا کرنا چوں کہ شریعت مطہرہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی کے بارے میں ایک مؤمن کامل تو احسان جتلانے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا، لیکن اس کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی احسان جتلانے کے بارے میں حدیث پاک میں سخت وعید بیان ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن

(۱) سنن الترمذي / أبواب الفتن / باب علامة حلول المسخ والخسف، الرقم : ۲۲۱۱.

سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن بات نہیں کریں گے، ایک احسان جتلانے والا، دوسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سامان بیچنے والا اور تیسرا وہ شخص ہے جو اپنا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے۔''(۱)

مدارس میں زکوۃ دینے کا بہتر طریقہ:

اسی طرح ایک بہت ہی اہم بات ذہن نشین کرلیں کہ مدارس سے جن سفرا کو چندہ جمع کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اُن میں ایک بڑی تعداد علمائے کرام کی ہوتی ہے، جن میں سے کئی تو اساتذۂ قرآن وحدیث بھی ہوتے ہیں، اُن کے اکرام کا خوب خیال رکھیں، اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب علمائے کرام چندہ جمع کرنے کے لیے آتے ہیں تو اُن سے کہہ دیا جاتا ہے کہ مالک دُکان میں نہیں ہیں، گھر پر ہیں، پھر جب گھر پہنچتے ہیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ مالک دُکان پر ہیں، گھر پر نہیں ہیں، اس طرح اُن کو خواہ مخواہ چکّر لگوائے جاتے ہیں، تب اُنھیں کچھ چندہ دیا جاتا ہے، تو یاد رکھیں کہ وہ ہمارے پاس اپنے لیے نہیں آتے، مدرسے کے غریب اور یتیم بچّوں کی دینی تعلیم بہتر کفالت کے ساتھ ہوسکے اس لیے آتے ہیں، لہٰذا جب بھی وہ ہمارے پاس پہنچیں ہم ان کا دِل کی خوشی کے ساتھ استقبال کریں، پھر اُن کے وقار کا خیال رکھتے ہوئے ضروری تحقیق کر کے چندہ دیں۔

بعض لوگ تحقیق کے نام پر اُن سے اُلٹے سیدھے سوالات کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ مدرسہ نیا ہے یا پُرانا؟ اگر پُرانا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ چلے جاؤ! ظاہر سی بات ہے کہ نئے یا پُرانے مدرسے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ لہٰذا جو بھی سوال کریں وہ ایسا ہونا چاہیے جو

(۱) صحيح مسلم / كتاب الإيمان / باب تحريم إسبال الإزار، الرقم: ١٠٦.

تحقیق کے لیے ضروری ہو، مثلاً اُن سے یہ سوال کریں کہ کہیں کمیشن پر تو چندہ نہیں کیا جا رہا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ مدرسے میں کتنے بچّے ایسے ہیں جو مستحق ہیں؟ مدرسہ ان کی کفالت میں کیا کیا کرتا ہے؟ زکوٰۃ کی رقم میں تملیک کی کیا شکل ہے؟ تو یہ ضروری تحقیق کے سوال ہیں جو کیے جا سکتے ہیں، پھر سفیر صاحب جو جواب دیں اس پر اطمینان ہو تو چندہ دیں۔

میرے بھائیو! یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھیں کہ ایک سچا اور پکا مسلمان ہونے کے ناتے ہمارا اخلاقی فریضہ تو یہی ہے کہ ہم سفرا کے ہمارے پاس پہنچنے کا انتظار نہ کریں، بلکہ خود ہی مدرسے میں پہنچ کر وہاں کے ذمّے داروں سے مل کر خوب اطمینان کرلیں کہ مدرسے میں جن بچّوں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ مستحق ہیں یا نہیں؟ پھر تملیک کی شکل کے بارے میں بھی اُن سے دریافت کرلیں اور بہتر یہی ہے کہ مدرسے کے مہتمم یا جو بھی اصل ذمّے دار ہوں اُن کو اپنا وکیل بنا کر زکوٰۃ کی رقم ان کے حوالے کر دیں۔ اس میں کوئی اتنا وقت نہیں لگ جاتا کہ ہماری تجارت یا ملازمت وغیرہ پر بہت زیادہ اثر پڑے، لیکن ہمیں یہ فائدہ ضرور ہو جائے گا کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ادا ہونے والا فریضہ بہتر طریقے سے ادا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق نصیب ہو اور اس ماہِ مبارک میں ہمارے تمام صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور دیگر عبادات قبول ہوں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

زکوٰۃ کے اہم اور بنیادی مسائل

(حصّہ دوم)

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَولاَنَا مُحَمَّدًا عَبدُهٗ وَرَسُولُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا.

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤﴾ [المؤمنون : ٤]

تمہید:

محترم ومکرّم بزرگو اور میرے پیارے بھائیو!

اس سے پہلے ہم نے زکوٰۃ کے کچھ بنیادی مسائل کے متعلّق گفتگو کی تھی، اس مجلس میں مزید کچھ اہم مسائل کے متعلّق گفتگو کریں گے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس عاجز کو اخلاص کے ساتھ صحیح اور حق بات کہنے توفیق عنایت فرمائیں اور ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

دارین میں کامیاب بندے:

خطبے کے بعد جس آیت کریمہ کی تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن مؤمن بندوں کی کامیابی کا ذکر فرمایا ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور یہ کامیابی دنیا وآخرت دونوں کی کامیابی ہے، اس سورت کی ابتدا ہی مؤمنین کاملین کے اوصاف کے بیان سے ہو رہی ہے، جس میں سب سے پہلے اُن مؤمنین کا ذکر ہے جو خشوع وخضوع

کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں، پھر وہ مؤمنین جو لغو اور لایعنی باتوں سے دور رہتے ہیں، اور تیسرے نمبر پر زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے کامیابی کو بیان فرمایا، اور قرآنِ پاک میں صرف یہی ایک جگہ نہیں بلکہ بہت سے مقامات پر نماز کے بعد فوراً زکوٰۃ کا ذکر ہے، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہمیں بخوبی ہوسکتا ہے۔

زکوٰۃ سے متعلّق بنیادی علم کا حکم:

میرے بھائیو! جو عبادت فرض ہوتی ہے اس کے متعلّق بنیادی علم حاصل کرنا بھی بندے پر ضروری ہوجاتا ہے، مثلاً نماز فرض ہے تو بندے پر یہ بھی ضروری اور فرض ہوگا کہ وہ نماز کے فرائض و واجبات کو جانے اور سیکھے، اسی طرح جب زکوٰۃ فرض ہے تو زکوٰۃ سے متعلّق بنیادی مسائل کا جاننا بھی ضروری اور فرض ہوگا۔ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ "مَا لَا يَتِمُّ الوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ".[۱] یعنی وہ چیز جو کسی واجب کی ادائیگی کا واحد ذریعہ بنے تو وہ خود بھی واجب ہوجاتی ہے، لہٰذا اُن بنیادی مسائل کا جاننا جن سے زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح طور پر ہوسکے وہ بھی ضروری ہے، بطورِ خاص ان حضرات کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے اور اس وجہ سے اُن پر زکوٰۃ فرض ہے۔

اندازے سے زکوٰۃ ادا کردینا:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ باضابطہ طور پر اپنے مال کا حساب لگائے اور یہ معلوم کرے کہ اس کے پاس اموالِ زکوٰۃ میں سے کتنا مال ہے؟

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري / كتاب الوضوء / باب ما جاء في الوضوء ... الخ.

اس حساب سے اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہو رہی ہے؟ اندازے سے زکوٰۃ ادا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔(۱)

بہت سے بھائیوں سے جب کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اپنے اموال کا حساب لگائیں اور معلوم کریں کہ کتنی زکوٰۃ واجب ہو رہی ہے، پھر اس کے مطابق ادا کریں، تو وہ کہتے ہیں کہ ''ہم نے تو اندازے سے کچھ زیادہ ہی دے دی ہے۔'' اب غور طلب بات ہے کہ جب حساب ہی نہیں لگایا گیا تو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ دے دی ہے؟ زیادہ یا کم کا پتا تو اس وقت چلے گا جب حساب کر کے یہ معلوم کیا گیا ہو کہ کتنی زکوٰۃ واجب ہو رہی ہے؟ تو حساب لگا کر اولاً معلوم کرنا ہوگا کہ کتنی زکوٰۃ واجب ہو رہی ہے، اگر مختلف قسم کے اموالِ زکوٰۃ جمع ہوں اور مسئلہ دُشوار ہو تو کسی معتبر عالم کے سامنے اپنے اموال کی تمام تفصیلات پیش کریں اور اُن سے معلوم کرلیں کہ کتنی زکوٰۃ دینی ہوگی؟ پھر جس طرح وہ رہنمائی کریں اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں۔

یہ حساب لگانا اور تحقیق کے ساتھ مقدارِ واجب کو معلوم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر اندازہ کرنے میں معمولی سی غلطی ہوگئی اور زکوٰۃ کا ایک پیسہ بھی دیگر مال میں مل گیا تو وہ اس مال کو برباد کر دے گا، اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے جیسے دودھ سے بھرے ہوئے برتن میں صرف ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو وہ پورے دودھ کو ناپاک کر دیتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے مال کا ایک پیسہ بھی دوسرے مال کو خراب کر دیتا ہے۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ زکوٰۃ جیسی عبادت ادا کرنے کے لیے تحقیق کی جو محنت کریں گے اس پر بھی اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۰/ ۴۸۴۔

مستحق زکوٰۃ کی تحقیق:

میرے محترم دوستو! جس طرح زکوٰۃ کے مال کا حساب لگانا اور مقدارِ زکوٰۃ کو طے کرنا ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ کے حقدار کی تحقیق بھی کر لینی چاہیے، شریعت مطہرہ میں زکوٰۃ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ محتاجوں کی ضرورت پوری ہو سکے، اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوگا جب ہم مستحق زکوٰۃ کی تحقیق کر لیں کہ جس کو ہم زکوٰۃ دے رہے ہیں وہ صحیح معنیٰ میں زکوٰۃ کا حقدار ہے یا نہیں؟ اگر ہم نے اپنی تحقیق کے مطابق کسی کو زکوٰۃ کا حقدار پایا، اور ہم نے اُسے زکوٰۃ دے دی، بعد میں پتا چلا کہ وہ حقدار نہیں تھا، تب بھی ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[۱]

بہت سی مرتبہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک لڑکا جو ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے، جس کی فیس بہت زیادہ ہے، تو لوگ اسے ڈاکٹر بنانے کے لیے زکوٰۃ دیتے ہیں، اگر چہ وہ حقدار ہو تو دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[۲] لیکن یہاں یہ بھی سوچنا ہے کہ کیا اس سے زکوٰۃ کا مقصد یعنی غریب ومحتاج کی ضرورت پوری ہوگی؟ یہاں کوئی کہے کہ اس سے مسلمانوں میں ڈاکٹر پیدا ہوں گے، جو اُمّت مسلمہ کے کام آئیں گے، تو یہ بات یاد رکھیں کہ اُمّت میں ایسے افراد بھی تو ہیں جو اپنی مالی وسعت کی وجہ سے اپنے بچّوں کو ڈاکٹر بنا رہے ہیں، البتہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اُمّت مسلمہ میں کوئی ڈاکٹر ہی نہ مل پائے تو یہ اجتماعی ضرورت شمار ہوگی اور اس میں زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، لیکن جو لوگ مالی اعتبار سے ڈاکٹری کی فیس کی طاقت نہیں رکھتے، پھر بھی اپنی اولاد

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲٦۲.

(۲) فتاویٰ قاسمیہ:۱۰/۶۵۰۔

کو قرض لے کر بھی ڈاکٹر بناتے ہیں تو اگر مستحق ہو تو زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی، لیکن اس سے شریعت کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔

اسی طرح کئی لوگ مسائل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنی زکوٰۃ کی رقم کے ذریعے لوگوں کو حج اور عمرہ کرواتے ہیں، حالانکہ ان کی نیت کارِ خیر کی ہوتی ہے، ذرا غور کریں کہ جو بندہ مستحق ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے رہا ہے اس پر حج فرض ہی نہیں ہے، اور عمرہ تو ویسے بھی فرض نہیں ہے، تو اس طرح زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے سے کیا فائدہ؟ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس طرح ہو کہ محتاج اور تنگ دستوں کی ضرورت پوری ہو سکے اور اُمّت مسلمہ میں غربت کم سے کم ہو جائے، جو کہ زکوٰۃ کا مقصد ہے۔

لہٰذا مستحق زکوٰۃ کی تحقیق بھی کر لیا کریں اور اس تحقیق میں بھی جو محنت صرف ہوگی اس پر بھی اللہ تعالیٰ ہمیں اَجر وثواب عطا فرمائیں گے۔

وہ مسائل جن میں عموماً کوتاہی ہوتی ہے:

اب ہم یہاں زکوٰۃ سے متعلّق کچھ بنیادی مسائل کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

(۱)...... ہمارے بعض بھائیوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ صرف رمضان ہی میں دی جا سکتی ہے، رمضان کے علاوہ میں نہیں، تو یاد رہے کہ یہ خیال غلط ہے، زکوٰۃ کا رمضان سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ نصاب پر ایک سال مکمّل ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا نصاب پر جب بھی سال مکمّل ہو اپنی زکوٰۃ ادا کر دیں۔ (۱)

---

(۱) كتاب المسائل: ۲/ ۲۱۱.

نیز اگر کوئی شخص نصاب پر سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی طور پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو بھی جائز ہے، مثلاً کسی غریب ومحتاج شخص کو شدید ضرورت پیش آ گئی، تو اسے پیشگی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[۱]

(۲)......نصاب پر ایک سال مکمّل ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یہ ایک سال قمری کیلنڈر کے اعتبار سے شمار ہوگا، نہ کہ شمسی کیلنڈر سے۔[۲] قمری کیلنڈر یعنی مہینوں کی وہ ترتیب جسے ہجری کہا جاتا ہے، جس میں سال کی ابتدا محرّم کے مہینے سے ہوتی ہے، اور شمسی کیلنڈر کا مطلب یہ ہے کہ جس میں سال کی ابتدا جنوری سے ہوتی ہے اور اُسے عیسوی کیلنڈر کہا جاتا ہے، دونوں کے درمیان فرق ہوتا ہے کہ قمری اعتبار سے سال کے دِن تقریباً تین سو ساٹھ (۳۶۰) ہوتے ہیں، جب کہ شمسی حساب سے سال کے دِن تقریباً تین سو پینسٹھ (۳۶۵) ہوتے ہیں، اس وجہ سے قمری اعتبار سے سال جلدی مکمّل ہوگا شمسی حساب کے مقابلے میں۔

نصاب پر ایک سال مکمّل ہونا کیسے معلوم کریں؟

لٰہذا اب یہ معلوم کرنے کے لیے کہ نصاب پر ایک سال مکمّل ہوا یا نہیں؟ سب سے پہلے وہ دِن معلوم کیا جائے جب پہلی مرتبہ نصاب کے مالک ہوئے تھے، مثلاً کوئی شخص بارہ ربیع الاوّل کو نصاب کا مالک بنا تھا، تو اب سال کی ابتدا بارہ ربیع الاوّل سے ہوگی، تو دوسرے سال جب بارہ ربیع الاوّل آئے اور اس وقت بھی وہ نصاب کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، سال کے درمیان میں اگر مال نصاب سے کم ہو

---

(۱) كتاب المسائل: ۲ / ۲۲۸.

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/ ۴۸۔

جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، سال کے دونوں سرے یعنی ابتدا اور انتہا کا اعتبار ہوگا، اب سال کی ابتدا اور انتہا میں نصاب کا مالک ہے تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔[1] لہٰذا جب سال مکمّل ہوجائے تو رمضان کا انتظار نہیں کرنا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آئے گا تب زکوٰۃ دیں گے، بلکہ بارہ ربیع الاوّل ہی کو زکوٰۃ کا مال علیحدہ کرلے اور اُسے حقداروں تک پہنچادے۔

اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ پہلی مرتبہ نصاب کا مالک کب بنا تھا؟ تو اس کی شکل یہ ہے کہ وہ اس تاریخ کو معلوم کرلے کہ وہ بالغ کب ہوا تھا؟ کیوں کہ انسان بلوغ ہی پر احکام کا مکلّف بنتا ہے، لہٰذا سن بلوغ کو معلوم کرکے احتیاطاً اسی تاریخ سے سال شمار کرلے، جتنے سال تک نصاب کا مالک رہا ہوان تمام کی زکوٰۃ ادا کردے۔

اگر کسی کو صاحب نصاب ہونے کی تاریخ معلوم نہ ہو، لیکن کوئی واقعہ یا علامت معلوم ہو جس سے پتا چل جائے کہ وہ اسی واقعے کے دِن نصاب کا مالک بنا تھا، تو سال کی ابتدا وہیں سے شمار کرلے، مثلاً کسی کو یہ بات معلوم ہے کہ اس کے والد صاحب کے انتقال کے بعد اسے جو مال میراث میں ملا تھا اس وقت وہ پہلی بار صاحب نصاب بنا تھا، تو اب اُسے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ والد صاحب کا انتقال کونسی تاریخ کو ہوا تھا؟ وہاں سے ایک سال شمار کرلے۔

(۳)...... ہمارے بہت سے بھائیوں کو ناواقفیت کی وجہ سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ گھر کے سارے افراد کے مال کو ملا کر ایک نصاب بنتا ہے، یہ غلط ہے، زکوٰۃ بھی نماز اور روزے کی طرح ہر ہر فرد کا علیحدہ فریضہ ہے، لہٰذا شوہر کا نصاب الگ شمار ہوگا،

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲۱۱.

بیوی کا الگ شمار ہوگا، نیز بالغ اولاد میں سے ہر ہر بچّے کا نصاب الگ شمار ہوگا، اگر تمام افراد نصاب کے مالک ہیں تو تمام پر الگ الگ نصاب کی مقدار کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۴)......نصاب کا مالک بننے کے بعد سال بھر جتنی زیادتی اس مال پر ہو تمام پر زکوٰۃ واجب ہوگی، نصاب کا مالک بننے کے بعد ہر ہر مال پر علیحدہ طور پر سال گذرنا ضروری نہیں ہے۔(۱)

مثلاً کسی بچّے نے اپنے پیسے جمع کر رکھے تھے، جب وہ بالغ ہوا تو اس کے پاس نصاب کے بقدر مال تھا، مثلاً پچیس سے ستائیس ہزار روپے اس کے پاس تھے، اب اس کے والد نے ان پیسوں کو تجارت میں لگایا، جس میں نفع ہوا، اب وہ نفع ملا کر سال کے آخری دِن پانچ لاکھ روپے ہو گئے، تو اب زکوٰۃ ان پانچ لاکھ روپیوں پر دینی ہوگی، پچیس یا ستائیس ہزار پر نہیں۔

شریعت مطہرہ کے اس حکم کی بھی بہت بڑی حکمت ہے کہ اس میں آسانی ہے، حساب لگانا مشکل نہیں ہوتا، مان لو کہ اگر اضافہ شدہ منافع میں سے ہر ایک پر ایک سال شمار کرنا ہو تو وہ کتنا مشکل ہو جائے گا؟ خصوصاً تاجر لوگ جو روزانہ کچھ نفع حاصل کرتے ہیں اور کچھ نقصان بھی برداشت کرتے ہیں، ان کے لیے تو ہر ہر مال کا علیحدہ حساب لگانا اور بھی مشکل ہو جاتا۔

گھر کے افراد میں ہر ایک کی ملکیت کا تعین:

(۵)......زکوٰۃ ادا کرنے میں آسانی ہو اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ

(۱) کتاب المسائل: ۲ / ۲۱۱.

گھر کے بالغ افراد میں سے ہر ایک کس چیز کا مالک ہے یہ طے ہو، گھر کی تمام چیزوں میں سے ہر ایک کی ملکیت طے ہونا ضروری ہے، تب ہی صحیح طور پر زکوٰۃ کا حساب نکالا جا سکے گا، ورنہ بہت سی مرتبہ ہر ایک یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں چیز میری نہیں ہے، اس لیے اس کی زکوٰۃ میں کیوں دوں؟ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے کہ جب گھر میں دولہن آتی ہے تو ہمارے معاشرے میں عموماً یہ رواج ہے کہ دولہے کے رِشتے داروں میں سے اس کی والدہ یا بہن وغیرہ دولہن کو سونے کے زیورات پہناتے ہیں، ان زیورات کے بارے میں دولہن یہ سوچتی ہے کہ یہ میری ملکیت میں نہیں ہیں، لہٰذا ان کی زکوٰۃ میں نہیں دوں گی، اور دولہے کے رِشتے دار سوچتے ہیں کہ زیورات بہو استعمال کر رہی ہے، لہٰذا زکوٰۃ بھی وہی دے، پھر بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ اُن زیورات کی زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، ہر ایک یہ خیال کرتا ہے کہ وہ میرے نہیں ہیں، بہتر یہ ہے کہ اس طرح زیورات پہنانے کے وقت ہی خلاصہ کر لیا جائے کہ بہو کو اُن زیورات کا مالک بنایا جا رہا ہے یا صرف پہننے کے لیے عاریۃً دیے جا رہے ہیں؟ تا کہ ملکیت متعین ہو سکے اور اُن کی زکوٰۃ نکالنے میں آسانی ہو۔ یہ انتہائی نازک مسئلہ ہے، جسے عموماً لوگ معمولی سمجھتے ہیں، لیکن صراحت کر دینے کی وجہ سے انجام کار اس میں بہت آسانی رہتی ہے۔

اکابر و اسلاف کا احتیاط:

ملکیت کی تعیین کے باب میں ہمارے اکابر کتنے محتاط رہا کرتے تھے اس کو ایک واقعے سے سمجھیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے والد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے آرام کے کمرے میں آپ

کی آخری عمر میں بہت سی مرتبہ میں پانی کا گلاس لے کر حاضر ہوتا، تو آپ پانی نوش فرمانے کے بعد فوراً ایک بات تاکید سے ارشاد فرماتے کہ "بیٹا! یہ گلاس لے جاؤ اور اُسے کچن میں رکھ دو۔" یہ بات جب میں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنی تو مجھے تعجب ہوا، بالآخر ایک مرتبہ میں نے پوچھ ہی لیا کہ ابّا جان! مجھے اس تاکید کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی، میں یہ چاہتا ہوں کہ پانی پینے کے بعد آپ کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر کوئی ضروری بات کروں، کچھ استفادہ کروں، جب کہ آپ فوراً یہ فرماتے ہیں کہ اس گلاس کو کچن میں رکھ آؤ! اس کی کیا وجہ ہے؟ اس وقت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ ہم میں سے ہر ایک کو زندگی بھر یاد رکھنی چاہیے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے فرمایا کہ "بیٹا! دراصل میں نے شریعت مطہرہ کے حکم کے مطابق اپنی وصیت لکھ کر رکھی ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ میرے آرام کے کمرے میں جو کچھ بھی ہے وہ میری ملکیت میں ہے، اور اس کے علاوہ گھر کے دیگر کمروں میں جو کچھ ہے وہ آپ کی والدہ کی ملکیت میں ہے، اس لیے مجھے ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی پی لینے کے بعد وہ گلاس اسی کمرے میں رہ جائے اور میری موت ہو جائے، پھر وصیت کے مطابق یہ غلط فہمی ہو کہ وہ گلاس بھی میری ملکیت ہے۔"(۱)

اس واقعے سے ہمیں سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ملکیت کی تعیین اور وصیت کس قدر ضروری ہے، اور ہمارے اسلاف واکابر چوں کہ از روئے احکامِ شرعیہ اس کی اہمیت سمجھتے تھے اس لیے اس سلسلے میں وہ بہت محتاط رہا کرتے تھے۔

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱/ ۲۶۴۔ ادارہ اسلامیات۔

وصیت کا اہتمام:

وصیت کا اہتمام اتنا ضروری ہے کہ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ". (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی بھی مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں وصیت ممکن ہو، تو اس کو بغیر وصیت لکھے دو رات گذارنے کی بھی گنجائش نہیں۔''

میرے دوستو! اس حدیث پاک میں وصیت کی جو تاکید ہے اس میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ وصیت کس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تاکید فرمائی کہ وصیت لکھے بغیر ایک مسلمان کو چین کی نیند نہیں آسکتی۔

معاملات میں صراحت وصفائی کا فائدہ:

عام طور پر ملکیت کی تعیین اور صراحت میں بہت سے لوگ غفلت کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بعد میں بے فائدہ تنازع اور جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے، مثلاً ایک تاجر باپ کے پانچ بیٹے ہوں، جن میں سے چار کو باپ نے ان کی علیحدہ تجارت میں لگا دیا، پھر خود کی بڑھتی عمر دیکھ کر پانچویں بیٹے کو تجارت میں اپنے ساتھ کرلیا، تاکہ وہ محنت کر کے تجارت سنبھال لے، اس وقت باپ کی جانب سے کوئی صراحت نہیں کی جاتی

(۱) صحيح البخاري / كتاب الوصايا / باب الوصايا، الرقم: ۲۳۳۸.

کہ بیٹے کی حیثیت اس میں کیا ہوگی؟ کیا وہ باپ کا حق سمجھ کر بطورِ خدمت تجارت کے کام کو سنبھال رہا ہے، یا اس میں اپنی محنت کے ذریعے منافع میں حصے دار بن رہا ہے؟ اگر حصے داری ہے تو کتنے فی صد کی؟ یا اپنی محنت پر اُجرت لے کر شریک ہو رہا ہے؟ کچھ بھی صراحت اور تعیین نہیں کی جاتی، پھر جب چند سال بعد والد کا انتقال ہو جائے تو اکثر بھائیوں کے درمیان اس بات کو لے کر رنجش پیدا ہو جاتی ہے کہ والد کی تجارت اور اس کے منافع کا مالک کون ہے؟ اور کتنے حصے کا مالک ہے؟ چھوٹا بیٹا یہ چاہتا ہے کہ میں نے پوری محنت سے تجارت کو فروغ دیا ہے لہٰذا میں تنہا اس کا مالک ہوں، جب کہ بھائی یہ چاہتے ہیں کہ میراث ہے، لہٰذا سب کو برابر حصّہ ملنا چاہیے، یہ تنازع اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ابتدا میں جب ایک بیٹے کو شریک کیا تو کوئی صراحت اور تعیین نہیں کی گئی تھی۔

تو میرے بھائیو! ملکیت کی تعیین اور اس میں صراحت بہت ضروری ہے۔ حکمائے عرب ایسے مواقع میں کہا کرتے ہیں:

"تَعَاشَرُوْا كَالإِخْوَانِ، وَتَعَامَلُوْا كَالأَجَانِبِ".(۱)

”تم آپسی رہن سہن بھائیوں کی طرح رکھو، لیکن معاملات اجنبیوں کی طرح طے کرو۔“

اس میں حکم شرع کی اتباع کے علاوہ نقد فائدہ یہ بھی ہے کہ بہت سے تنازع اور جھگڑے اس کی وجہ سے دفع ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ہم تمام کے لیے احکامِ شریعت کا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

---

(۱) الأمثال المولّدة للخوارزمي : ۳۱٤.

زکوۃ کے اہم اور بنیادی مسائل

(حصّہ سوم)

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الحمدَ للهِ، نَحْمَدُهُ وَنستعِينهُ، وَنَستَغفِرُهُ وَنَتُوبُ إِلَيهِ، وَنعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنفُسِنَا وَمِن سَيِّئَاتِ أَعمَالِنَا. مَن يَهدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَأَصحَابِهِ وَمَن تَبِعَهُم بِإِحسَانٍ إِلىٰ يَومِ الدِّينِ، وَسَلَّمَ تَسلِيمًا. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾﴾ [التوبة : ٣٤ - ٣٥]

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: "أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هٰذَا؟ قَالَتْ: لَا، قَالَ: أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلىٰ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ".[1]

تمہید:

میرے محترم دوستو اور بزرگو! اس سے پہلے ہم نے زکوۃ کے کچھ اہم اور

(١) سنن أبي داود / كتاب الزكاة / باب : الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي، الرقم : ١٥٦٣.

بنیادی مسائل سے متعلّق گفتگو کی تھی، جن میں سے بعض ضروری مسائل باقی رہ گئے تھے، اس مجلس میں ہم ان مسائل کے بارے میں بات کریں گے۔

سونے اور چاندی کے زیورات کا حکم:

میرے بھائیو! سونے اور چاندی کے زیورات کے بارے میں ایک مسئلہ تو بیان کر دیا گیا کہ گھر میں خواتین کے سونے اور چاندی کے زیورات کس کی ملکیت میں ہیں یہ طے کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں آسانی ہو، پھر مسئلے کی رو سے وہ خواتین جو اُن زیورات کی مالک ہیں وہ خود ہی اُن کی زکوٰۃ نکالیں گی، البتہ اگر ان کی جانب سے ان کے شوہر یا بھائی یا والد وغیرہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ جو بھی اُن کی جانب سے زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی اجازت اولاً حاصل کرلیں، پھر ادائیگی پر اُنھیں مطلع بھی کردیں۔(۱)

یہاں یہ بھی جان لیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سونے اور چاندی کے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(۲)

خطبے کے بعد جس آیت کریمہ کو تلاوت کیا گیا اس میں اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انھیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں، جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے

---

(۱) شامی: ۳/۱۸۸۔

(۲) فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۸۸/کتاب الزکوٰۃ/باب ما یوجب فیه الزكاة وما لا یوجب.

گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لیے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے۔''

اسی طرح جو حدیث پاک پیش کی گئی اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک خاتون اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اپنی بیٹی کو لے کر حاضر ہوئیں جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمھیں یہ بات اچھّی لگتی ہے کہ ان دونوں کنگن کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھیں قیامت کے دِن جہنّم کی آگ کے کنگن پہنائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کا اثر یہ ہوا کہ اُنھوں نے اپنے کنگن فوراً نکال دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش کر دیے اور عرض کیا کہ اب وہ کنگن ہم اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں دے رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ اور حدیث پاک کے پیش نظر ہمارے یہاں سونے اور چاندی کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

نقد نہ ہونا کوئی عذر نہیں:

میرے بھائیو! یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں بہت سی خواتین جن کے پاس سونے اور چاندی کے زیورات ہوتے ہیں، جب اُن کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ آتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ ہم زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟ ہمارے پاس تو زکوٰۃ میں دینے کے لیے کچھ نقد پیسے ہیں ہی نہیں! تو یاد رکھیں کہ اوّلاً تو یہ عذر معقول نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے معاشرے میں عموماً عورتوں کے پاس بھی اتنے پیسے رہتے ہی ہیں کہ وہ ان سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرسکیں۔ کئی بار مشکل

اوقات میں خواتین کے پاس ہی سے جمع کردہ نقد برآمد ہوتا ہے! نوٹ بندی کے موقع پر خواتین کے پاس سے بڑی مقدار میں نقد برآمد ہونے کے کئی قصے سامنے آئے تھے۔

اگر نقد نہ بھی ہو تو دوسری شکل یہ ہے کہ ان زیورات میں سے جو زیور ایسا ہو جس کی قیمت زکوٰۃ کی مقدار کے برابر ہو تو اُسی کو زکوٰۃ میں دے دیں۔ نیز ایک شکل یہ بھی ہے کہ زیورات کو بیچ کر اس کی قیمت میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔[1] بہر حال نقد نہ ہونا یہ کوئی عذر نہیں ہے، لہٰذا کسی بھی شکل میں ان سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

بطورِ قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ:

میرے دوستو! دوسرا مسئلہ بطورِ قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ سے متعلّق ہے، اس کو بھی خوب سمجھ لیں کہ بطورِ قرض دیا ہوا مال جب ہمیں واپس مل جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، جب تک وہ ہمیں مل نہ جائے وہاں تک اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ جب بھی قرض واپس ملے تو جتنے سال اس پر لگے ہیں تمام کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔[2] مثلاً قرض پر دیا ہوا مال ہمیں پانچ یا دس سال بعد واپس ملا تو اس پر پانچ یا دس سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، جو بسا اوقات مشکل بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ قرض پر دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرتے رہیں، تا کہ دفعۃً ادا کرنا مشکل نہ ہو۔

بطورِ قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ کے متعلّق یہ حکم اس وقت ہے جب قرض پر دیا ہوا مال ہمیں یقینی طور پر ملنے کی اُمید تھی، اور وہ مل بھی گیا۔

---

(۱) آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ۵ / ۷ / ۱۳۔

(۲) رد المحتار / کتاب الزکاۃ / باب زکاۃ المال : ۲ / ۳۰۵.

بعض مرتبہ کچھ حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں کہ قرض پر دیے ہوئے مال کی واپسی کی کوئی اُمید ہی باقی نہیں رہتی، مثلاً جس شخص کو ہم نے قرض دیا تھا اس کا دیوالیہ نکل گیا، یعنی عدالت کی جانب سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، تو ایسے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر مکمّل نا اُمید ہو جانے کے بعد کسی طرح وہ قرض واپس مل گیا تو اب درمیان میں جو سال گذرے ہیں اُن کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ وہ قرض قبضے میں آنے کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱)

بغرضِ ضرورت جمع کردہ نقد پر زکوٰۃ:

اسی طرح ہمارے بہت سے بھائی گھر میں یا بینک میں کچھ ضرورتوں کے پیشِ نظر نقد جمع رکھتے ہیں، اس نقد کے بارے میں نیت یہ ہوتی ہے کہ اسے بچّی یا بچّے کی شادی میں خرچ کریں گے، یا حج وعمرہ میں خرچ کریں گے، یا مکان کی تعمیر میں خرچ کریں گے، تو جب تک یہ نقد کی شکل میں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یہاں کوئی یہ عذر نہیں کرسکتا کہ یہ ضرورت میں داخل ہے۔

حج کے لیے جو رقم حج کمیٹی میں پیشگی جمع کی جاتی ہے اس کے متعلّق بھی مسئلہ یاد رکھیں کہ فارم پُر کر کے رقم جمع کروانے کے بعد اگر نام نکل آیا تو ٹھیک، ورنہ وہ رقم جمع کرنے والے کو بہر حال واپس ملتی ہے، تو اس رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۲) پھر حج سے واپسی کے بعد جو رقم بچ جائے وہ بھی واپس دی جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

---

(۱) امداد الفتاویٰ: ۵۸۶/۳۔

(۲) آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ۱۱۱/۵۔

اسی طرح نقد کی زکوٰۃ کے متعلّق یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ جو رقم ہم کمیٹی (بیسی) میں جمع کرتے ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چند لوگ مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک ماہانہ یا ہفتہ وار اِتنے روپے کسی ایک شخص کے پاس جمع کروائے گا، جب مہینہ یا ہفتہ مکمّل ہوگا تو قرعہ اندازی کے ذریعے نام نکالا جائے گا، جس کے نام کا قرعہ ہوگا اُسے ساری رقم دے دی جائے گی، اس طرح تمام لوگوں کے نام نکلنے تک ہر مہینے یا ہر ہفتے رقم جمع کرنا ضروری ہوگا۔ تو اب اگر ہمارے نام کا قرعہ نکل آیا اور ہمیں رقم مل گئی تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور کمیٹی میں جتنی قسطیں ہمیں ادا کرنی باقی ہیں وہ تمام قرض شمار ہوں گی، لہٰذا اتنی مقدار نصاب میں سے کم کرنے کے بعد اگر نصاب مکمّل ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اگر ہمارے نام کا قرعہ نہیں نکلا ہے اور ہم ابھی قسطیں ادا کر رہے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب تک کہ ہمارے نام کا قرعہ نہ نکلے۔

اسی طرح پروویڈنٹ فنڈ (Provident Fund) کے بارے میں زکوٰۃ کا مسئلہ سمجھ لیں، پروویڈنٹ فنڈ جس کو مختصراً (.P.F) بھی کہا جاتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کمپنی یا ادارے اپنے ملازمین کی تنخواہ میں سے کچھ حصّہ ہر ماہ کاٹ کر اپنے پاس جمع کر لیتے ہیں، پھر یہ رقم ملازمت ختم ہونے پر یک مشت اور اِکٹھّا دی جاتی ہے، ملازمت کا ختم ہونا خواہ طے شدہ عمر کے مکمّل ہو جانے کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اس رقم کو کاٹ کر جمع کرنے کے پیچھے کمپنی و ادارے مقصد یہ بتاتے ہیں کہ آخری عمر میں ملازمین کے لیے یک مشت ملنے والی رقم سہارا بنتی ہے۔ اور اس کے لیے کئی کمپنیاں اور ادارے اس رقم میں اپنی جانب سے اضافہ بھی دیتے ہیں۔

پھر اس میں ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کمپنی یا ادارے کی جانب سے ملازمین کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس طرح ماہانہ رقم جمع کروانا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر کمپنی یا ادارے کی جانب سے ملازمین کو یہ اختیار دیا گیا ہے تو ہر ماہ کے حساب سے سالانہ مجموعی طور پر جتنی رقم جمع ہوتی ہے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[۱]

اور اگر کمپنی یا ادارے کی جانب سے ملازمین کو یہ اختیار نہیں ہے، وہ ہر حال میں لازمی طور پر یہ رقم کاٹ ہی لیتے ہیں، تو جب تک پوری رقم ملازمین کو نہ مل جائے وہاں تک اس رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب پوری رقم مل جائے تو اب سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ:

جو مال تجارت کے لیے رکھا ہے اس پر زکوٰۃ اس کی بازار کی قیمت کے اعتبار سے واجب ہوگی، تاجر کی خرید کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔[۲] پھر بازار میں چوں کہ دو قسم کے ریٹ چلتے ہیں، ایک ہول سیلنگ ریٹ (Whole Saling Rate) اور دوسرا ریٹیل ریٹ (Retail Rate)، دونوں میں عموماً فرق رہتا ہے، ہول سیلنگ ریٹ کم ہوتا ہے، جب کہ ریٹیل ریٹ اس کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں اگر تھوک سے فروخت کرنے کی دُکان ہے تو تھوک کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر ریٹیل کا کاروبار ہے تو اُس کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔[۳]

پھر جس طرح (Ready) تیّار مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے اسی طرح

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۰/ ۳۳۱۔
(۲) فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۵۲۔
(۳) جدید فقہی مسائل ۲/ ۷۳۔

خام مال، یعنی ایسا کچا مال اور رومٹیریل (Under Processing) جس پر کام کر کے اُسے تیّار کرنا باقی ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(۱) مثلاً کوئی کمپنی جوتا بناتی ہے تو جس طرح تیّار جوتوں پر زکوٰۃ واجب ہے اسی طرح جوتا تیّار کرنے کے لیے جو چمڑے اور دھاگے وغیرہ سامان استعمال ہوتا ہے اُس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

اسی طرح شیئر مارکیٹ میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے اس میں بھی شیئر ہولڈرز کے عموماً دو مقصد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ کسی کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدے جائیں کہ جب اُن شیئرز کی قیمت بڑھے گی تو اُنھیں بیچ دیں گے، تو جو شیئرز برائے فروخت خریدے گئے ہوں اُن میں بشمولِ منافع مجموعی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔(۲)

شیئرز خریدنے کا دوسرا مقصد ہوتا ہے منافع (Dividend) حاصل کرنا، یعنی شیئرز اس نیت سے خریدے جائیں کہ اُنھیں خریدنے کے بعد کمپنی کی جانب سے جو بھی منافع (Dividend) شیئرز ہولڈرز کو دیا جاتا ہے اُسے حاصل کریں گے۔

اس میں کچھ تفصیل ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھ لیں کہ ایک جوتا بنانے والی کمپنی کے ایک شیئر کی قیمت پانچ سو روپیہ ہے، تو شیئر کی قیمت میں کمپنی اپنی تمام لاگت کو شامل کرتی ہے، مثلاً کمپنی کی فیکٹریاں، مشینیں، آلات، زمینیں اور شورومز وغیرہ جو جامد اثاثہ (Fixed Asset) کہا جاتا ہے اُس کی قیمت بھی شیئر میں شامل ہوتی ہے، نیز کمپنی کا اصل سرمایہ اور منافع بھی شامل ہوتا ہے، تو پانچ سو روپے کے ایک شیئر میں سے مثلاً بیس فی صد قیمت یعنی سو روپے جتنی قیمت اثاثے کی ہے تو اُن سو روپیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اثاثے کے علاوہ اصل سرمایے اور منافع میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

---

(۱) آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ۵/ ۹۲۔

(۲) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۳/ ۲۷۔

لیکن یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی کمپنی کے شیئرز کے متعلّق یہ تحقیق کرنا کہ اس کے شیئر میں کتنے فی صد قیمت اثاثے کی ہے اور کتنے فی صد سرمایہ ہے؟ یہ انتہائی دُشوار ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ شیئر کی مجموعی قیمت کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔(۱)

اسی طرح وہ زمین جو بغرضِ تجارت خریدی جائے اُس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ جس زمین کو خریدنے کے وقت سے ہی اُسے بیچنے کی نیت تھی اور یہ نیت سال کے آخر میں بھی برقرار ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر خریدنے کے وقت اُس زمین میں رہنے کے لیے گھر بنانے کی نیت تھی تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص زمین خریدتے وقت یہ نیت کرے کہ اگر اس زمین کی قیمت بڑھ جائے گی تو بیچ دوں گا، اور اگر وہ علاقہ آباد ہو جائے گا تو وہاں رہنے کے لیے مکان تعمیر کروں گا، تو یہ نیت کشمکش والی ہے، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔(۲)

لیکن میرے بھائیو! یہ مسئلہ انتہائی نازُک ہے، چوں کہ اس میں بندے کی نیت کا اعتبار ہے، لہٰذا خوب ڈرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ہم نیت بدل نہ دیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے دِلوں کی بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہم نے نیت تبدیل کیوں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکامِ شرع پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اس ماہِ مبارک میں ہماری تمام عبادتیں قبول فرمائیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۳/ ۲۷۔
(۲) آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ۵/ ۱۰۷۔

صدقۃ الفطر کی حکمت اور فضائل و مسائل

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰهِ نَحمَدُهٗ وَنَستَعِينُهٗ وَنَستَغفِرُهٗ وَنُؤمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيهِ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمولاَنا مُحَمَّدًا عَبدُهٗ وَرَسُولُهٗ، صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسلِيْمًا كَثِيْرًا.

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥﴾ [الأعلىٰ : ١٤ - ١٥]

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ".(١)

تمہید:

قابل صد احترام بزرگانِ عظام اور میرے پیارے بھائیو!

اللہ ربّ العزت کا ہم پر بے انتہا فضل وکرم ہوا کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک میں روزے، تراویح، تلاوتِ قرآن پاک اور دیگر عبادات کی توفیق بخشی، اور اس مہینے کے اختتام پر اپنے مؤمن بندوں کی خوشیوں میں اضافے کے لیے عید الفطر مشروع فرمائی، عید کے دِن کی خوشی عام اور تام ہوجائے اور اس خوشی میں امیر وغریب تمام بندے شریک ہوں اس لیے صدقۃ الفطر مشروع ہوا۔

(١) سنن أبي داوٗد / كتاب الزكاة / باب زكاة الفطر، الرقم : ١٦٠٩.

شریعت اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ جب بھی کوئی خوشی اور مسرّت کا موقع آئے تو صرف امیروں کے دولت کدوں ہی میں خوشی کا چراغ نہ جلے، بلکہ غریبوں اور ناداروں کے غربت کدوں میں بھی اس کی روشنی پہنچے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت مطہرہ میں ہر خوشی کے موقع پر معاشرے کے غریب افراد کو بھی یاد رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، مثلاً بقرعید کی قربانی میں ایک تہائی غریبوں کا حق قرار دیا گیا، نیز ولیمہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین کھانا اس ولیمے کا ہے جس میں ایسے لوگوں کو بلایا جائے جو اپنی مالداری اور شان وشوکت کی وجہ سے حاضر نہ ہوں، لیکن اس میں غریبوں کو نظرانداز کر دیا جائے جو اس میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَىٰ إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ".(۱)

اسی طرح عید الفطر کی خوشی میں غربا کو شریک کرنے کے لیے صدقۃ الفطر کا نظام مقرّر کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد وعورت پر صدقۃ الفطر فرض کیا ہے جو ایک صاع کھجور یا جَو ہونا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الفِطْرِ - أَوْ قَالَ: رَمَضَانَ - عَلَى الذَّكَرِ وَالأُنْثَىٰ...الخ".(۲)

میرے بھائیو! زکوٰۃ ہی کی طرح صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم بھی ہجرت کے

---

(۱) صحيح مسلم / كتاب النكاح / باب : الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، الرقم : ۱۴۳۲.
(۲) صحيح البخاري / كتاب الزكاة / باب صدقة الفطر على الحر، الرقم : ۱۵۱۱.

دوسرے سال آیا۔[1] اس کا ایک مقصد غربا کی مدد کرنا ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ روزوں میں جو کمی اور کوتاہی رہ گئی ہو، اِس صدقے کے ذریعے اس کی تلافی ہوجائے۔ صدقۃ الفطر کی اس اہمیت کے پیش نظر ہم اس کی حکمت، فضیلت اور اس کے متعلّق کچھ بنیادی مسائل پر گفتگو کریں گے۔

صدقۃ الفطر کی حکمت:

گرامی قدر عزیزو! صدقۃ الفطر یہ شکرانہ ہے اس فضل وکرم اور توفیق خداوندی کا جس کے شامل حال ہونے کی وجہ سے ہم نے رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی بندے ایسے ہیں جو ایسی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ چاہنے کے باوجود رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتے، ان کے لیے بعد میں قضا کی گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کئی بندوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جسمانی اعتبار سے بالکل صحیح وسالم ہیں، اُنھیں روزہ رکھنے میں کوئی عذر نہیں ہے، لیکن پھر بھی اُنھیں روزہ رکھنے کی توفیق نہیں ہوتی، تو جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں کی توفیق عطا فرمائی تو بطورِ شکرانہ صدقۃ الفطر ادا کیا جاتا ہے۔

صدقۃ الفطر کی **دوسری حکمت** یہ ہے کہ اس کے ذریعے روزوں میں جو ہم سے کوتاہیاں اور خامیاں رہ گئی ہیں اُن کی تلافی ہوجائے، چنانچہ خطبے میں جو حدیث پاک پیش کی گئی اس میں اس حکمت کو صراحۃً بیان کیا گیا کہ "طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ". صدقۃ الفطر اس لیے فرض کیا گیا تا کہ روزے دار کے روزے لغو اور بیہودہ گوئی جیسے دیگر گناہوں سے پاک ہوجائیں۔اس کی مثال اسی طرح سمجھ لیجیے جیسے فرض

(۱) الرفيق الفصيح لمشكوٰة المصابيح / كتاب الزكاة / باب صدقة الفطر : ۱۱ / ۱۷۲.

نمازوں کے ساتھ سنن ونوافل ہوتی ہیں، جن سے فرض نمازوں میں ہونے والی کمیوں اور کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے، اسی طرح صدقۃ الفطر سے رمضان المبارک کے روزوں میں ہونے والی کمی وکوتاہی کی تلافی ہوجاتی ہے۔

امام المحدثین وکیع بن جرّاح رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کے زکوۃ الفطر کی وہی حیثیت ہے جو نماز میں سجدۂ سہو کی ہے۔

"قَالَ وَكِيعٌ زَكَاةُ الْفِطْرِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ كَسَجْدَةِ السَّهْوِ لِلصَّلَاةِ تَجْبُرُ نَقْصَ الصَّوْمِ، كَمَا يَجْبُرُ السُّجُودُ نَقْصَ الصَّلَاةِ".(۱)

یعنی جس طرح نماز میں جو خلل اور نقصان واقع ہوتا ہے اس کو دفع کرنے کے لیے سجدۂ سہو کیا جاتا ہے اسی طرح روزے کی حالت میں جو لغزشیں سرزد ہوجاتی ہیں ان کی تلافی اس صدقے کے ذریعے کی جاتی ہے۔

اسی حدیث پاک میں صدقۃ الفطر کی **تیسری حکمت** یہ بیان کی گئی: "طُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ" کہ اس سے کچھ حد تک مساکین کے کھانے پینے کا نظم ہوجائے گا، تو جس طرح اُمّت کے مالدار اور اہل ثروت عید کی خوشیاں مناتے ہیں اسی طرح ان خوشیوں میں اُمّت کا محتاج اور غریب طبقہ بھی شامل ہو سکے گا، کیوں کہ پوری اُمّت کے تمام افراد ایمانی اعتبار سے آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان ایمانی اخوت قائم ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ جیسے ہم اپنی اولاد، والدین اور بھائیوں و بہنوں کو عید کے دِن خوش دیکھنا چاہتے ہیں اسی طرح ہمارے تمام مؤمن بھائی بہن بھی اس خوشی کے دِن ہمارے ساتھ خوشیوں میں شریک ہوسکیں اور کم از کم عید کے دن اُنھیں کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ادائیگی کا وقت عید کی نماز کے

(۱) تحفة المحتاج في شرح المنهاج : ۳ / ۳۰۵ / كتاب الزكاة / باب زكاة الفطر.

لیے جانے سے قبل رکھا گیا ہے۔

اس تعلق سے مشہور مفسر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اعلیٰ کی ان آیات (جو خطبے کے بعد پیش کی گئیں) کی تفسیر میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیتے اور اس موقع پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾﴾ [الأعلى: ١٤ - ١٥]

''بے شک وہی بامُراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا، اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور (کثرت و پابندی سے) نماز پڑھتا رہا۔''(١)

صدقۃ الفطر کی اہمیت وفضیلت:

صدقۃ الفطر کی جو حکمتیں ذکر ہوئیں اسی سے اس کی فضیلت و اہمیت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات سے اس کا وجوب معلوم ہوا، نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا خصوصی طور پر اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ، صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ".(٢)

''کہ ہم (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) ایک صاع غلّہ، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع

(١) تفسير ابن كثير: ٨ / ٣٨٢، دار طيبة للنشر والتوزيع.

(٢) صحيح البخاري / كتاب الزكاة / باب صدقة الفطر صاع من طعام، الرقم: ١٥٠٦.

کھجور، یا ایک صاع پنیر، یا ایک صاع کشمش صدقۃ الفطر کے طور پر نکالتے تھے۔“

اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صَوْمُ شَهرِ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَينَ السَّمَاءِ وَالأَرضِ، وَلَا يُرفعُ إلَّا بِزَكَاةِ الفِطْرِ".[1]

”رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق (لٹکے) رہتے ہیں، جنھیں (اللہ کی طرف) صدقۃ الفطر کے بغیر نہیں اُٹھایا جاتا۔“

صدقۃ الفطر ادا کرنے کا بہتر طریقہ:

عزیزانِ گرامی! یہاں ایک اور اہم مسئلے کی وضاحت ازبس ضروری ہے اور وہ یہ کہ عموماً لوگ صدقۃ الفطر کو انفرادی طور پر فقرا و مساکین کے مابین تقسیم کر دیتے ہیں، جب کہ اوائل اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ صدقۃ الفطر مسجد میں جمع ہوتا تھا اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے زکوٰۃِ رمضان کی حفاظت پر مقرّر فرمایا تو میرے پاس ایک شخص آیا اور غلّہ بھرنے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔[2]

آگے طویل واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شیطان تھا جو تین راتوں تک آتا رہا۔ اور آخری مرتبہ اس نے آیت الکرسی کی فضیلت بیان کر کے جان کی رہائی

---

(١) الترغيب والترهيب للمنذري / كتاب الصوم : ٢ / ٩٧.

(٢) صحيح البخاري / كتاب الوكالة / باب إذا وكّل رجلا ...الخ، الرقم : ٢٣١١.

حاصل کی۔

موجودہ دور میں اس اہم امر کو انجام دینا حکومت اسلامیہ کا فریضہ ہے۔اگر یہ نعمت میسّر نہ ہو تو اجتماعیت کی جو صورت بھی ممکن ہو اختیار کرنی چاہیے، مثلاً محلے کی مسجد میں جمع کر کے عید سے پہلے پہلے صدقہ تقسیم کر دینا چاہیے۔اگر یہ انتظام نہ ہو سکے تو آخر میں صدقۃ الفطر خود ہی مساکین کو دے دیں۔

صدقۃ الفطر ادا کرنے کا وقت:

رمضان المبارک شروع ہونے کے بعد کبھی بھی صدقۃ الفطر نکالا جا سکتا ہے، البتہ عید سے پہلے نکال دینا بہتر ہے، تاکہ غریب مسلمانوں کو عید کا سامان فراہم کرنے میں سہولت ہو، اگرچہ بعض اہل علم نے رمضان سے پہلے بھی صدقۃ الفطر نکالنے کی اجازت دی ہے، لیکن جس بات کو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے کے بعد صدقۃ الفطر مستحق کے حوالے کیا جائے، کیوں کہ عید الفطر اور صدقۃ الفطر کا رمضان سے گہرا تعلق ہے:

"لٰكِنَّ المُفتىٰ بِهٖ اِشتِرَاطُ دُخُولِ رَمَضَانَ، فَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهَا عَنْ رَمَضَانَ". (۱)

لیکن اگر رمضان میں ادا نہیں کیا تو عید کے دن نمازِ عید سے پہلے تو ادا کر ہی دینا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اِس کو سنّت قرار دیا ہے کہ جب عید کی نماز کے لیے نکلے تو کچھ کھا کر نکلے اور نماز سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کر دے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا يَخْرُجَ حَتّٰى

---

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته : ۳ / ۲۰۴۱/المبحث الثاني: وقت وجوب زكوٰة الفطر وحكم تعجيلها.

يَطْعَمَ وَيُخْرِجَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ".(۱)

عید الفطر کی صبح صادق ہوتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہوجاتا ہے،(۲) لہٰذا اگر کوئی صاحب نصاب شخص عید الفطر کی صبح صادق سے پہلے فقیر ہوگیا، یا صبح صادق سے پہلے انتقال ہوگیا تو اس پر صدقۃ الفطر نہیں ہے۔

اسی طرح جو شخص عید الفطر کی صبح صادق سے پہلے بالغ ہوگیا، یا مسلمان ہوگیا، یا مالدار ہوگیا تو تینوں شکلوں میں صدقۃ الفطر واجب ہوجائے گا۔ بالغ ہونا خواہ علامت کے ذریعے ہو یا عمر کے ذریعے، لہٰذا عید الفطر کی صبح صادق کے وقت کسی بچّے کے پندرہ سال مکمّل ہوگئے اور وہ نصابِ (غیر نامی) کا مالک ہے تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔ صبح صادق سے پہلے مالدار ہوجانے کی بھی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، مثلاً کسی شخص کو عید الفطر کی صبح صادق سے پہلے خبر ملی کہ اس کے فلاں رِشتے دار کا انتقال ہوگیا، جس سے اس کو میراث میں اتنا مال ملا ہے جو نصاب تک پہنچ جاتا ہے، تو اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہوجائے گا۔

اگر کسی وجہ سے صدقۃ الفطر عید کی نماز تک ادا نہیں کرسکا، تو اس سے یہ واجب ساقط نہیں ہوگا، یعنی معاف نہیں ہوگا، نماز کے بعد بھی اس کو ادا کرنا ضروری ہے، جب تک ادا نہیں کرے گا یہ فریضہ اس کے ذمّے باقی رہے گا، خواہ عمر بھر میں جب بھی ادا کرے تو وہ ادا شمار ہوگا، یہ نماز کی طرح قضا نہیں کہا جائے گا۔(۳)

---

(۱) سنن الدارقطني / كتاب العيدين، الرقم : ۱۷۰۹.
(۲) كتاب المسائل : ۲ / ۲۷۹.
(۳) الفتاوىٰ الهندية : ۱ / ۱۹۲.

صدقۃ الفطر کس پر واجب ہے؟

میرے دوستو! اب بات کریں گے کہ صدقۃ الفطر کن لوگوں پر واجب ہے؟ تو اس کو مختصراً آسانی سے یوں سمجھ لیں کہ مالداروں پر واجب ہے اور غربا اس کا مصرف ہیں، اس میں مال دار سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنی بنیادی ضروریات یعنی مکان، کپڑے، گھر کے ضروری سامان، استعمال کی سواری وغیرہ کے علاوہ کوئی بھی چیز نصابِ زکوٰۃ کی قیمت کی موجود ہو، ان پر صدقۃ الفطر واجب ہو جائے گا۔

زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کچھ مخصوص مالوں ہی میں واجب ہوتی ہے، یعنی سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت، بعض جانور اور زرعی پیداوار، غرض جو بھی مال ''مالِ نامی'' یعنی بڑھنے والا ہو، یہ بڑھوتری خواہ محسوس طور پر ہوتی ہو، جیسے جانور اور زرعی پیداوار وغیرہ، یا صرف قیمت میں اضافہ ہوتا ہو، جیسے سونا، چاندی اور اموالِ تجارت وغیرہ ہیں کہ ان کی قیمتیں بڑھتی رہتی ہیں، اُن میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جب کہ صدقۃ الفطر کے لیے ''مالِ نامی'' کا ہونا شرط نہیں ہے۔

لہٰذا اگر کسی کے پاس ڈھیر ساری زمینیں ہوں، کئی مکانات ہوں، کئی گاڑیاں ہوں، مگر بیچنے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن صدقۃ الفطر واجب ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے مخصوص اموال کا ہونا ضروری نہیں، کوئی بھی مال جو نصابِ زکوٰۃ کی قیمت کا موجود ہو تو صدقۃ الفطر واجب ہو جائے گا۔(۱)

کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس دولت نہ ہو اس پر صدقہ واجب نہیں۔

---

(۱) فتح القدير: ۲ / ۲۹.

"وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى". (۱)

اور شریعت مطہرہ نے دولت مندی کا معیار نصابِ زکوٰۃ کے بقدر مال کو قرار دیا ہے۔

میرے بھائیو! زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں اس کے علاوہ ایک اور فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب پر ایک سال کا گذرنا شرط ہے، اگر نصاب کے مالک ہونے کے بعد ایک سال مکمّل ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ جب کہ صدقۃ الفطر میں یہ شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص رمضان ہی کے دوران اپنی اصل ضرورت سے زیادہ مالِ نصاب کا مالک بن جائے تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوجائے گا اور ایسا شخص زکوٰۃ لے نہیں سکتا، اگرچہ اس مال پر ایک سال مکمّل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (۲)

صدقۃ الفطر کن لوگوں کی جانب سے ادا کرنا ہے؟

صدقۃ الفطر اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے، بالغ لڑکے، لڑکیاں، بیوی، اس کے زیر پرورش چھوٹے بھائی بہن اور والدین کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب نہیں ہے، (۳) لیکن ہمارے معاشرے میں بیوی اور شوہر کا مال ملا جلا ہوتا ہے، اور بالغ لڑکے جب تک ماں باپ کی کفالت میں ہوتے ہیں اور تعلیم وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کی بھی ساری ذمّے داریاں گھر کا ذمّے دار خود اُٹھاتا ہے، یہی حال اُن چھوٹے بھائی، بہن اور والدین کا ہے جن کی کفالت گھر

---

(۱) رواه البخاري تعليقا في كتاب الوصايا / باب تأويل قول الله تعالىٰ: من بعد وصية... الخ.
(۲) کتاب النوازل: ۷/ ۲۴۱۔
(۳) کتاب المسائل: ۲ / ۲۸۱

کا کوئی مرد انجام دیتا ہو، اس لیے بہتر ہے کہ ان سب کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کر دیا جائے، غرض یہ کہ صدقۃ الفطر ہر اس فرد کی جانب سے واجب ہے جس کی ذمّے داری خود اُٹھاتے ہوں، خواہ یہ ذمّے دار باپ ہو یا بڑے بھائی ہوں یا اُن کے علاوہ گھر کے جو بھی ذمّے دار ہوں، ان کی جانب سے صدقۃ الفطر ادا کرنے والا در حقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس دارالاسباب میں اُن تمام ماتحتوں تک روزی پہنچانے کا سبب اور ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بنایا، اسے اتنی استطاعت دی کہ وہ اُن کا خرچ برداشت کر رہا ہے، اصل رازقِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، البتہ اسباب کے درجے میں بعض بندوں کو بعض تک رزق پہنچانے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ بناتے ہیں، صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

اگر نابالغ اولاد کے پاس اتنا مال ہے جو نصاب تک پہنچ چکا ہے تو اب ان کے مال میں سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ بالغ اولاد اور بیوی کو اپنا صدقۃ الفطر خود ادا کرنا ہوگا، شوہر پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر اولاد کی جانب سے باپ اور بیوی کی جانب سے شوہر ادا کرے تو ادا ہو جائے گا۔

یہاں ایک مسئلہ یہ بھی یاد رکھیں جو فتاویٰ رحیمیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی جانب سے زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو اس کو اطلاع کر دے اور اجازت لے کہ اس کی جانب سے فرض کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اسی طرح صدقۃ الفطر کے لیے بھی اجازت ضروری ہے، لیکن چوں کہ عادتاً اجازت ہوتی ہے اس لیے صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا، لیکن زکوٰۃ اس صورت میں ادا نہ ہوگی۔ [1]

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ / باب صدقۃ الفطر: ۷ / ۱۹۷۔

اسی طرح صدقۃ الفطر جس طرح مقیم پر واجب ہے مسافر پر بھی واجب ہے، نیز جو شخص عذر کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہ رکھ پایا ہو اس پر بھی واجب ہے، اور بغیر عذر کے روزے ترک کر دے اس پر بھی واجب ہے۔[۱] یہ نہ سوچے کہ جب میں نے بدن کی زکوٰۃ یعنی روزہ نہیں رکھا تو روزے کی زکوٰۃ یعنی صدقۃ الفطر بھی کیوں ادا کروں؟ بغیر کسی عذر کے روزے ترک کر دیے تو اس کا گناہ تو ہوگا ہی، تاہم صدقۃ الفطر اس پر واجب ہوگا۔

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ صدقۃ الفطر حمل پر نہیں ہے، اگر کوئی عورت عید الفطر کے دِن حمل کی حالت میں ہو تو حمل کی جانب سے صدقۃ الفطر ادا نہیں کیا جائے گا، صدقۃ الفطر صرف زندہ لوگوں کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے، لہٰذا جو لوگ دُنیا سے رخصت ہو گئے اُن کی جانب سے بھی صدقۃ الفطر ادا نہیں کیا جائے گا، البتہ ان کی جانب سے صدقہ ایصالِ ثواب کی شکل میں ہوگا۔

موجودہ دور میں بعض دفعہ کسی لڑکے یا لڑکی کو گھر کی خدمت کے لیے رکھا جاتا ہے، یہ اگرچہ غلام نہیں ہوتے، خادم ہوتے ہیں، لیکن یہ انسان کو قریب قریب وہی سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں جو غلام پہنچایا کرتے تھے، اس لیے ان کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ چاہے یہ واجب نہ ہو، لیکن باعث اجر وثواب تو ہوگا ہی۔

ملک کے حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر یہ مسئلہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ زکوٰۃ تو غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی، لیکن صدقۃ الفطر ان کو بھی دیا جاسکتا ہے۔[۲]

---

(۱) كتاب المسائل : ۲ / ۲۷۸ - ۲۷۹.

(۲) بدائع الصنائع : ۴۹/۲ / كتاب الزكوٰة / فصل الذي يرجع إلىٰ المؤدى إليه.

ملک کے موجودہ حالات میں جب مذہبی منافرت شعلے سے آتش فشاں بنتی جارہی ہے، مسلمانوں کو الگ تھلگ کیا جارہا ہے اور یہ تصوّر دیا جارہا ہے کہ مسلمان صرف اپنے لیے سوچتا ہے، دوسروں کے لیے اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے، تو اس تاثّر کو ختم کرنے کے لیے اگر مسلمان غیر مسلم پڑوسیوں کو بھی صدقۃ الفطر دینے کا اہتمام کریں تو یہ ایک بہتر قدم ہوگا۔ اور اس سے یہ پیغام جائے گا کہ مسلمان نہ صرف سماجی جذبے سے، بلکہ اپنے مذہبی حکم کے تحت برادرانِ وطن کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور بلا امتیازِ مذہب تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویّہ اختیار کرتا ہے۔

صدقۃ الفطر کی مقدار:

محترم دوستو! صدقۃ الفطر سے متعلّق اس وقت جو اہم بات عرض کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ صدقۃ الفطر سے متعلّق احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقۃ الفطر کے لیے چند چیزوں کو معیار بنایا ہے: کھجور، جَو، کشمش اور پنیر۔ ان میں سے کھجور، جو، کشمش اور کھانے کی دوسری چیزوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ قدیم پیمانے کے لحاظ سے ایک صاع (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام) نکالنا واجب ہے۔[۱] گیہوں کے سلسلے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف صاع گیہوں کا نکالنا کافی ہے، کیوں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ایک صاع کھجور یا جَو اور نصف صاع گیہوں کا تذکرہ آیا ہے۔[۲]

---

(۱) مفتاح الاوزان، صفحہ: ۴۳۔

(۲) سنن أبي داود / كتاب الزكاة / باب زكاة الفطر / الرقم : ١٦٢٢.

جب کہ دیگر فقہائے کرام امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک گیہوں میں بھی صدقۃ الفطر ایک صاع ہی واجب ہوتا ہے، نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کوئی بھی کھانے کی چیز ہو، ہم لوگ اس میں سے ایک صاع صدقۃ الفطر کے طور پر نکالا کرتے تھے۔(۱)

اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے: "أَوْ صَاعًا مِنْ حِنْطَةٍ".(۲)

پھر احناف کے بشمول بہت سے فقہائے کرام نے صدقۃ الفطر میں غلے کے بجائے اس کی قیمت نکالنے کی اجازت دی ہے، کیوں کہ صدقۃ الفطر کا مقصد غربا کی ضرورت کو پورا کرنا ہے، اور یہ ضرورت بمقابلہ سامان کے پیسوں سے زیادہ بہتر طور پر پوری ہوسکتی ہے۔ اور ہمارے دِیار میں اسی طور پر صدقۃ الفطر ادا کرنے کا رواج بھی ہے، معمولی آمدنی کے حامل لوگ ہوں یا بڑے صاحب ثروت ہوں، سبھی حضرات پونے دوکلو گیہوں بطورِ صدقۃ الفطر ادا کردیتے ہیں۔

اب اس میں دو باتیں قابل توجّہ ہیں: اوّل یہ کہ پونے دوکلو گیہوں احناف کے نزدیک کافی ہیں، دوسرے فُقہا کے نزدیک کافی نہیں، ان کے یہاں ساڑھے تین کلوگیہوں سے صدقۃ الفطر ادا ہوگا۔ جن مسائل میں اختلاف ہو ان میں ایک اہم اُصول یہ یاد رکھیں کہ احتیاط کے پہلو کو اختیار کیا جائے اور ایسا عمل کیا جائے جو تمام دلیلوں اور فقہی اقوال کے مطابق درست ہوجائے، تو اگر ساڑھے تین کلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے تو یہ زیادہ محتاط عمل ہوگا اور تمام فُقہا کے اقوال کے مطابق صدقۃ الفطر ادا ہوجائے گا۔

---

(١) صحيح البخاري / كتاب الزكاة / باب صدقة الفطر صاع من طعام. الرقم : ١٥٠٦.
(٢) سنن أبي داود / كتاب الزكاة / باب زكاة الفطر / الرقم : ١٦١٦.

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جیسے گیہوں کو صدقۃ الفطر کا معیار مقرّر فرمایا ہے اسی طرح جَو، کھجور، کشمش اور پنیر کو بھی صدقۃ الفطر کے لیے معیار بنایا ہے۔ عہد نبوی میں ان تمام چیزوں میں سب سے قیمتی شئے گیہوں تھی، کیوں کہ حجاز میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی تھی، گیہوں شام یا یمن سے درآمد کیے جاتے تھے، چوں کہ جن غذائی اشیا کو صدقۃ الفطر کا معیار بنایا گیا تھا ان میں گیہوں ہی سب سے قیمتی چیز تھی، اس لیے دوسری چیزیں ایک صاع کی مقدار میں واجب قرار دی گئیں اور گیہوں نصف صاع۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ اگر کشمش کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے تو اِس وقت اوسط درجے کی کشمش دو سو سے چار سو روپیے کی ایک کلو ہے اور اوسط درجے کی کھجور بھی اسی قیمت میں ہے، اس لحاظ سے ایک شخص کا صدقۃ الفطر سات سو سے زائد ہوتا ہے۔ اور اگر ان حدیثوں اور زیادہ تر فقہائے کرام کے اقوال کی بنیاد پر ایک صاع گیہوں صدقۃ الفطر کے طور پر نکالے جائیں تو فی کس ساڑھے تین کلو گیہوں ہو جاتے ہیں، اس لیے اگر چہ پونے دو کلو گیہوں سے صدقۃ الفطر ادا ہو جاتا ہے، لیکن تمام لوگوں کا اسی پر قانع ہو جانا شریعت کی روح کے خلاف ہے۔

اس لیے اس حقیر کا مشورہ ہے کہ جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہے اُن میں جو بڑے تاجر اور اصحابِ ثروت ہیں ان کو کھجور اور کشمش کی قیمت سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیے۔ جو لوگ معاشی لحاظ سے ان سے کم درجے کے ہوں ان کو پونے دو کلو کے بجائے ساڑھے تین کلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیے، تاکہ تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اور جو معاشی اعتبار سے اُن سے بھی کم درجے کے ہوں وہ

پونے دو کلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کریں۔ اس میں غربا و مساکین کا فائدہ ہے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتوں پر عمل بھی ہو جائے گا۔

نیز ایک مسئلہ یہ بھی یاد رکھیں کہ ایک صدقۃ الفطر کو دو فقیروں میں تقسیم نہ کیا جائے، فقہائے کرام نے اُسے مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے۔ البتہ کئی لوگوں کا صدقۃ الفطر ایک فقیر کو دینے میں حرج نہیں۔ (۱)

یہاں یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھیں کہ صدقۃ الفطر ادا کرنے والا جس ملک اور علاقے میں ہوگا وہاں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر انڈیا میں ہے تو یہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر بیرونِ ملک ہے تو جس ملک میں ہو وہاں کی قیمت لگائی جائے گی۔ (۲)

زکوٰۃ کی طرح صدقۃ الفطر بھی سادات کو نہیں دے سکتے۔ نیز صدقۃ الفطر مسجد مدرسہ اور قبرستان میں بھی نہیں دے سکتے۔ (۳)

اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ رمضان المبارک میں جو کچھ بھی ٹوٹی پھوٹی عبادت ہم سے ہو سکی ہے اسے قبول فرمائیں، ہماری زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کو بھی اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں اور رمضان المبارک کے بعد بھی ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرمائیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

---

(۱) کتاب المسائل : ۲ / ۲۸٤.

(۲) کتاب المسائل : ۲ / ۲۸٦.

(۳) کتاب المسائل : ۲ / ۲۸٤ - ۲۸٥.

اعتکاف کی
حقیقت و فضیلت

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِه وَصَحْبِه وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿١٢٥﴾﴾ [البقرة : ١٢٥]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ﴾ [البقرة : ١٨٧]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴿٣٢﴾﴾ [الحج:٣٢]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴿١٥﴾﴾ [فاطر:١٥]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴿٣﴾﴾ [القدر : ٣]

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: "هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا".(١)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ.

---

(١) سنن ابن ماجه / كتاب الصيام / باب في ثواب الاعتكاف. الرقم : ١٧٨١.

نکل جائے دَم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دِل کی حسرت، یہی آرزو ہے

تمہید:

محترم ومکرّم قارئین! رمضان المبارک آنے والا ہے، اس کا تذکرہ ہورہا تھا اور چرچے ایک وقت سے چل رہے تھے، ہم سب اس ماہِ مبارک کا انتظار کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے "بَلِّغْنَا رَمَضَانَ" کی دُعا کررہے تھے کہ اے اللہ! ہمیں ماہِ مبارک تک پہنچادے۔ ہماری دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، رمضان المبارک آیا اور تیزی سے رواں دواں ہے، یہ ماہِ مبارک ایسا تیزی کے ساتھ گذرتا ہے کہ ہمارے بعض اکابر رمضان کے تینوں عشروں کے بارے میں فرماتے تھے کہ "دہ رواں، دہ دواں، دہ پراں" یعنی شروع کے دس دِن تو گویا چل کر گذرتے ہیں، اس کے بعد والے دس دِن دوڑ کر اور اخیری عشرہ تو سمجھو کہ اُڑتا ہوا گذرتا ہے۔ رمضان المبارک کا یہ عشرۂ اخیرہ پورے رمضان کا خلاصہ ہے۔ یقیناً وہ مؤمن بندے عقلمند اور سمجھ دار ہیں جو رمضان المبارک کے قیمتی لمحات کی صحیح قدردانی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

آج کی اس مبارک مجلس میں رمضان المبارک میں ہونے والی ایک اہم عبادت اعتکاف کے متعلّق کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

اعتکاف کی حقیقت:

اعتکاف کی حقیقت اور روح رجوع الی اللہ ہے، "اِعْتَکَفَ" کے لغوی معنیٰ "حَبَسَ عَلَيْهِ وَأَلْزَمَ" ہیں، یعنی اپنے آپ کو کسی ایک جگہ محبوس بنا کر روکے رکھنا، شریعت اسلامیہ میں اعتکاف سے مراد کچھ دنوں کے لیے یکسو ہو کر اللہ ربّ العزت کی

طرف رجوع کرنا اور اس سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے اسی کے در پے یعنی مسجد کے کونے میں بیٹھ جانے کا نام اعتکاف ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿١٢٥﴾﴾ [البقرة : ١٢٥]

اور ہم نے ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کو یہ تاکید کی کہ تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک کرو جو طواف کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رکوع وسجدہ بجالائیں۔

اس سے اعتکاف کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہ عمل مفت کی عبادت ہے، کسی مخصوص عمل پر بھی موقوف نہیں، حتیٰ کہ اگر اعتکاف کرنے والا دربارِ الٰہی میں حاضری دے کر سوتا رہے، تب بھی اس کو عبادت کا ثواب ملے گا، کیوں کہ اس کے در پر پڑا رہنا بھی ایسی بڑی چیز ہے جو مردود بندے کو بھی مقبول بنا دیتی ہے۔

رمضان المبارک کی کیفیات:

ہمارے اسلاف میں علّامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں، سیرت نگاری میں آپ کو بہت مہارت تھی، انھوں نے ایک بہت پتے کی بات نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہونے کی شروعات ہوئی اس وقت آپ کی جو کیفیات تھیں ان تمام کی شکلیں رمضان المبارک میں پائی جاتی ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے محبوب کی ایک ایک ادا ایمان والوں میں زندہ ہوجائے۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھ لیجیے کہ یہ جو اختلاف ائمہ مجتہدین کے درمیان

ہے کہ بعض کے نزدیک ''آمین'' زور سے کہا جاتا ہے، بعض کے نزدیک آہستہ کہا جاتا ہے، بعض کے نزدیک رفع یدین (رُکوع میں جاتے وقت اور رُکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھوں کو اُٹھانا) ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے، تو کسی کو سوال ہوسکتا ہے کہ جب دین ایک ہی ہے، ایک ہی نبی سے ہم تک پہنچا ہے، پھر اس میں ایسا اختلاف کیوں ہے کہ کچھ لوگ زور سے ''آمین'' کہتے ہیں اور کچھ لوگ ٹھیک اس کے برعکس آہستہ کہتے ہیں؟ تو اس کی بھی حکمت یہی ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں ہی طریقے مروی ہیں، اور اللہ ربّ العالمین یہ چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا دُنیا میں زندہ اور رائج ہوجائے، تو دُنیا کے کچھ خطّوں میں مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بنیاد پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے زندہ ہیں تو کچھ علاقوں میں سراج الامۃ، امام الائمہ، حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے زندہ ہیں۔ اس لیے تو کہا گیا کہ علمائے کرام کا اختلاف رحمت ہے۔

اسی طرح ابتدائے نزولِ قرآن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو کیفیات تھیں رمضان المبارک اُن تمام کیفیات کا مجموعہ ہے۔ روزے کے ذریعے وہ سب چیزیں مطلوب ہوتی ہیں جو آغازِ نزولِ وحی میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول میں داخل تھیں، بعثت سے پہلے نزولِ وحی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ غارِ حرا میں کئی کئی دِنوں تک خلوت اور تنہائی میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے، تھوڑا سا روکھا سوکھا توشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ لے جاتے، اُسی پر کئی دِنوں تک گذر بسر ہوتا، تو رمضان المبارک میں بھی روزے کے ذریعے قلت طعام یعنی کم کھانے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ (افسوس کی بات ہے کہ ہمارا عمل ٹھیک اس سے برعکس رہتا ہے کہ رمضان

المبارک کو ہم نے کھانے پینے کا مہینہ سمجھ لیا ہے)۔

غارِ حرا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زیادہ تر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارتے، جب کھانا کم ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ سونا بھی کم ہوگا، اس میں بندوں کو کم سونے کی تعلیم ہے۔

پھر یہ کہ غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلوت میں ہوتے، تنہا ہوتے، لہٰذا کسی کے ساتھ بات چیت بھی نہ ہوتی، جس سے قلت کلام یعنی کم بولنے کا سبق بندوں کو دیا جاتا ہے۔

نیز چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غار میں تنہا ہوتے تو کسی سے ملنا جلنا یا مجلس وغیرہ بھی نہ ہوتی، جس کے ذریعے بندوں کو قلت اختلاط یعنی لوگوں سے ملنا جلنا اور مجالس ومحافل کم کرنے کا سبق دیا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ رمضان المبارک ان چاروں کیفیتوں کا مجموعہ ہے جو نزولِ وحی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ مبارکہ میں تھیں: (۱) قلت طعام (۲) قلت منام (۳) قلت کلام (۴) قلت اختلاط مع الانام۔ اور یہی چاروں چیزیں رمضان المبارک میں اللہ رب العزت ایمان والوں سے چاہتے ہیں۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ محقق اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''نزولِ قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طبیعت مبارکہ میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر کا مخلصانہ جذبہ پیدا ہوا تھا، جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلسل کئی مہینے غارِ حرا میں خلوت گزینی فرماتے رہے، یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہلا اعتکاف تھا، اور اس اعتکاف

ہی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت اس مقام پر پہنچ گئی تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوجائے۔

چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ ربّ العزت کے حاملِ وحی فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے، تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ شبِ قدر تھی، اس لیے بھی اعتکاف کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے کا انتخاب کیا گیا۔"(۱)

اعتکاف کا فلسفہ:

میرے بھائیو! اعتکاف کی حکمتوں کو سمجھنے کے لیے دین اسلام اور دیگر مذاہب باطلہ کے درمیان کا ایک اصولی فرق سمجھ لیں کہ دین اسلام انسانی فطرت اور نیچر سے مکمّل طور پر ہم آہنگ دین ہے، اس میں تمام انسانی فطرت کے تقاضوں کو جائز اور معتدل طریقے سے پورا کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے، زندگی کے کسی بھی شعبے میں تشدّد اور سختی کا پہلو دین اسلام میں نہیں ہے۔ جب کہ دیگر مذاہب باطلہ جو محض انسانی دِماغ کی پیداوار ہیں اور آسمانی وحی سے جن کا کوئی تعلق نہیں ہے اُن میں اکثر باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، ان میں بجائے اعتدال کے بے فائدہ تشدّد ہوتا ہے، اور اسی بے اعتدالی کا نتیجہ دُنیا کے سامنے آئے دِن ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

مثلاً ہمارے ہی ملک کے ادیانِ باطلہ میں رہبانیت کا رِواج عام ہے، جس کو وہ لوگ "سنیاس لینا" کہتے ہیں کہ کچھ لوگ انسانی معاشرے کو چھوڑ کر جنگلوں اور

(۱) معارف الحدیث رجلد: ۴ رصفحہ: ۱۱۸۔

صحراؤں کی راہ اختیار کرتے ہیں، دُنیا سے ہٹ کٹ کر پہاڑوں کے غار میں بیٹھ جاتے ہیں، شادی وغیرہ کو خود پر حرام کر لیتے ہیں، اور اِس طرح انسانی فطرت سے بغاوت کر کے حیوانی طریقہ اختیار کرنے کو ایک مقدّس طریقہ مانتے ہیں، ان کا وہم باطل یہ ہے کہ اس طرح فطری تقاضوں کو کچلنے سے روح کی ترقّی ہوتی ہے اور بالآخر انسان تمام انسانی خواہشات وشہوات سے بے نیاز اور آزاد ہو جاتا ہے، جس کو وہ لوگ ''موکس پراپتی'' (મોક્ષ પ્રાપ્તિ) کہتے ہیں، چوں کہ یہ طریقہ فطرت سے بالکل برعکس ہے اس لیے ہم رات دِن دیکھتے اور سنتے ہیں کہ اُن کے مذہبی مراکز اور آشرموں وغیرہ میں اُن کے مذہبی رہنما اور مقتدیٰ لوگوں کے زنا اور غیر فطری طور پر شہوت رانی کے واقعات اتنی کثرت سے پیش آتے ہیں کہ اُن کے مذہبی مراکز زنا کاری اور ہم جنس پرستی کے اڈّے بن چکے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ فطرت سے بغاوت کی جائے تو نفسانی خواہشات کا ہیجان اور جوش واُبھار اپنی راہ نکال ہی لیتا ہے، فطری تقاضا ہمیشہ کے لیے بند نہیں ہو جاتا۔

جب کہ دین اسلام کی بنیاد وحی سماوی پر ہونے کی وجہ سے اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام احکام میں اعتدال اور فطرتِ انسانی کا خیال رکھا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں جذبات وخواہشات کا مادّہ رکھا ہے تو اسی کے مطابق احکام بھی دیے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت اور سنیاس کا کوئی تصوّر نہیں ہے، کیوں کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر مدنی الطبع (مِل جُل کر رہنے کو پسند کرنے والا) پیدا فرمایا ہے تو وہ اپنے اس فطری تقاضے کے مطابق تنہائی سے وحشت اور آبادی سے اُنسیت محسوس کرتا ہے، وہ اپنے اندر جذبات وخواہشات رکھتا ہے تو اس کو بھوک، پیاس لگتی ہے، اسی طرح جنسی خواہشات بھی ہوتی ہیں، فطرتِ سلیمہ کے ان تمام

تقاضوں کے پیشِ نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہبانیت سے منع فرمایا، بلکہ جب کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بطورِ تعبد یہ عزم کرلیا کہ وہ ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتے رہیں گے، دِن بھر ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور کبھی عورتوں سے قریب نہ ہوں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں تنبیہ فرمائی اور اپنا پسندیدہ طریقہ بطورِ معیار پیش فرمایا:

"أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي". (١)

''اللہ کی قسم! میں تم سب میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور تقویٰ والا ہوں، پھر بھی میں کبھی روزہ رکھتا ہوں تو کبھی افطار کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، نیز میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو میرے طریقے سے ہٹ جائے تو وہ میری اُمّت میں شمار نہ ہوگا۔''

اس سے بھی معلوم ہوا کہ انسانیت کی معراج اور کمال یہ ہے کہ انسان معاشرے میں رہتے ہوئے بھی اپنے رب کو نہ بھولے، یعنی دُنیا میں رہتے ہوئے، تمام بندوں کے حقوق اور اپنے نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھی دِل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجّہ رکھے، اعتکاف کی عبادت کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے درمیان رہتے ہوئے بھی بندہ اپنے رب کا ذکر نہ بھولے، یہی وجہ ہے کہ اعتکاف اُسی مسجد میں صحیح ہے کہ جہاں پنج وقتہ فرض نماز پڑھی جاتی ہو، اعتکاف کے لیے انسانی معاشرے سے دور جنگل، صحرا یا پہاڑوں کے غار وغیرہ میں چلے جانے کا حکم نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ایسی جگہ جہاں کوئی انسان موجود ہی نہ ہو وہاں حقوق العباد میں بندے کا

---

(١) صحیح البخاري / کتاب النکاح / باب الترغیب في النکاح. الرقم : ٥٠٦٣.

امتحان کیسے ہوسکتا ہے؟ جنگل، صحرا اور پہاڑوں کے غار میں جہاں مختلف قسم کی دُنیوی لذّات کا تصوّر ہی نہ ہو وہاں بندے کے نفس کی آزمائش کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ ترجیح کے وقت کسے اختیار کرتا ہے؟ اپنے رب کی رضا کو یا دُنیوی متاع کو؟ بندے کے یہ تمام امتحانات دُنیوی معاشرے ہی میں رہ کر مکمّل ہوسکتے ہیں جہاں دیگر بندے بھی ہوں اور دُنیا کے مال ومتاع اور لذّات وغیرہ بھی ہوں، پھر مؤمن بندہ ان تمام کے ہوتے ہوئے من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گذارے، یہ اعتکاف کا حاصل ہے کہ بندہ اِس دُنیا میں رہتے ہوئے اپنے نفس کو اِنابت الی اللہ کا عادی بنائے کہ وہ کبھی بھی اپنے رب کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اعتکاف کی اقسام:

میرے بھائیو! اعتکاف کی مشروعیت کی حکمت سمجھ لینے کے بعد اعتکاف کی قسموں کو اجمالی طور پر جان لیں کہ حکم کے اعتبار سے اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) سنّت علی الکفایہ (۲) مستحب (۳) واجب۔ واجب اعتکاف یہ ہے کہ کسی شخص نے منّت مان لی، نذر مان لی کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے گا کہ تو میں اتنے دِنوں کا اعتکاف کروں گا، پھر وہ کام پورا ہوجائے تو اس نذر کے ماننے کی وجہ سے وہ اعتکاف اس پر واجب ہوجائے گا۔

مستحب اعتکاف یہ ہے کہ جس کے لیے وقت وغیرہ کی کوئی تعیین نہیں ہے کہ کتنی دیر مسجد میں ٹھہرنا ہے، جب بھی ہم مسجد میں آئیں تو مسجد میں داخل ہونے کی دُعا پڑھ کر اعتکاف کی نیت کرلیں تو جتنی دیر مسجد میں رُکنا ہوگا وہ اعتکاف شمار ہوگا، اگرچہ تھوڑی ہی دیر رُکنا کیوں نہ ہو۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فضائل اعمال میں اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل نقل فرمایا ہے کہ آپ جب بھی مسجد میں تشریف لاتے تو اعتکاف کی نیت کا اہتمام فرماتے، اور بسا اوقات ہم خدّام کی تعلیم کی غرض سے اعتکاف کی نیت زور سے کرتے۔ (۱) ہمیں بھی اس پر عمل کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں مستحب اعتکاف کی نیت کرلیں، تاکہ ہمارا جتنا وقت مسجد میں گذرے وہ اعتکاف کے ثواب سے خالی نہ ہو، نیت دِل کے ارادے کا نام ہے، زبان ہی سے بولنا ضروری نہیں، لہٰذا بالکل آسان عمل ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی داخل ہونے کی دُعا پڑھیں پھر دِل میں اعتکاف کی نیت کرلیں۔

اعتکاف کی تیسری قسم سنّت علی الکفایہ ہے، یہ ماہِ رمضان کے اخیری عشرے کا اعتکاف ہے، مسجد جس علاقے اور بستی میں موجود ہے وہاں کے چند لوگ اگر رمضان کے اخیری عشرے کا اعتکاف کرلیتے ہیں تو علاقے کے تمام لوگ اس ذمّے داری سے سبک دوش ہوجائیں گے، اگر پورے علاقے کا کوئی ایک فرد بھی مسجد میں اعتکاف کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو پوری بستی کے لوگ تارکِ سنّت شمار ہوں گے۔

اس مسنون اعتکاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ رمضان کے اخیری عشرے کا اعتکاف فرمایا، حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَيَقُولُ: "تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي

(۱) فضائل اعمال: ۱/ ۶۱۶، ادارہ دینیات۔

الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ". (۱)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے اخیری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے اور فرماتے کہ رمضان کے اخیری عشرے میں شب قدر کو تلاش کرو۔

ایک سال کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے اخیری عشرے میں اعتکاف نہیں کر پائے تھے تو بعد میں اس کی قضا فرمائی ہے۔ چنانچہ مروی ہے:

"فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِي رَمَضَانَ، حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ". (۲)

خواتین کا اعتکاف:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اُمہات المؤمنین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اعتکاف کا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ". (۳)

ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے اخیری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے، اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج نے بھی اعتکاف کیا۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب فضل ليلة القدر / باب تحري ليلة القدر في الوتر. الرقم : ۲۰۲۰.
(۲) صحيح البخاري / أبواب الاعتكاف / باب الاعتكاف في شوال. الرقم : ۲۰٤۱.
(۳) صحيح البخاري / أبواب الاعتكاف / باب الاعتكاف في العشر الأواخر. الرقم : ۲۰۲٦.

اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف صرف مَردوں کے لیے نہیں، بلکہ عورتوں کے لیے بھی ہے، البتہ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مَردوں کا اعتکاف مسجد میں ہوگا، جب کہ عورتوں کا اعتکاف گھر کی ایک مخصوص جگہ میں ہوگا جہاں عورتیں عبادت کرتی ہیں۔

یہاں موقع کی مناسبت سے ضمناً ایک بہت ہی اہم بات دھیان میں رکھنی ہے کہ ہمارے گھروں میں عموماً عورتوں کے لیے عبادت کی جگہ مخصوص کرنے کا اہتمام بہت کم کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ از حد ضروری ہے، ہم میں سے بہت سے مال دار حضرات بڑے سے بڑا محل نما مکان بناتے ہیں، جس میں ہر طرح کا کمرہ علیحدہ بنایا جاتا ہے، سونے کے لیے کمرہ (Bedroom) مہمانوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے مہمان خانہ (Guestroom) ساتھ میں بیٹھ کر بات چیت کرنے کے لیے (Drawingroom) ساتھ میں بیٹھ کر کھانا کھانے کے لیے (Diningroom) بچّوں کے رہنے کے لیے (Kidsroom) ان کے کھیلنے کے لیے (Playroom) کھانا پکانے کے لیے (Kitchen) وغیرہ سب کچھ بنایا جاتا ہے، کمی ہے تو صرف یہ کہ عبادت کے لیے ایک علیحدہ جگہ منتخب نہیں کی جاتی۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی مال دار شخص نے اپنے مکان کے افتتاح کے لیے دعوت دی، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن کے مکان پر پہنچے تو مکان کے مالک یکے بعد دیگرے اپنے بڑے مکان کے تمام کمرے دِکھانے لگے کہ یہ فلاں روم ہے، یہ فلاں روم ہے، اخیر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ آپ کے مکان میں صلوٰۃ روم کونسا ہے؟ یعنی نماز کے لیے کونسا کمرہ مخصوص ہے؟ یہ دراصل تنبیہ تھی اس بات پر کہ اتنے بڑے مکان میں عبادت کے لیے ایک کمرہ مخصوص نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وُسعت عطا فرمائی ہو تو گھر میں ایک کمرہ عبادت کے لیے مخصوص ہونا چاہیے، اگر گھر چھوٹا ہے تو ایک جگہ خاص ہو جو گھر کی عبادت گاہ ہو، وہاں روزانہ عورتیں نماز پڑھ سکیں اور اعتکاف کر سکیں، نیز گھر کے مرد حضرات کو چاہیے کہ وہ بھی اس مخصوص جگہ یا کمرے میں سنن ونوافل کا اہتمام کریں، اس لیے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بلکہ ان میں بھی نماز پڑھتے رہو۔ (۱)

اعتکاف کے فضائل:

اعتکاف کے فضائل کے باب میں متعدد احادیث مبارکہ وارد ہیں، ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا:

"وَمَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالىٰ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَـلَاثَ خَنَادِقَ، أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ". (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ ایک دِن کا اعتکاف کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنّم کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ فرما دیں گے، اُن میں سے ہر خندق آسمان وزمین کے درمیان کے فاصلے کے برابر ہوگی۔

تصوّر کرو کہ صرف ایک دِن کے اعتکاف کی فضیلت یہ ہے کہ جہنّم بندے سے اتنی دور ہو جاتی ہے، تو مکمّل عشرے کا اعتکاف کرنے والے کے لیے کتنی فضیلت اور ثواب ہوگا۔

نیز ایک حدیث پاک میں مروی ہے کہ جو بندہ رمضان کے عشرے کا اعتکاف کرے اُس کو دو حج اور دو عمروں کا ثواب ملتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الصلوٰة / باب كراهية الصلوٰة في المقابر، الرقم : ٤٣٢.

(۲) شعب الإيمان للبيهقي / فصل فيمن فطّر صائما / ج : ٥/ ص: ٤٣٥، الرقم : ٣٦٧٩.

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِي رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ"(۱)

معتکف بندے کا تضرّع:

معتکف اپنی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کے حضور گویا یہ عرض کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیری چوکھٹ پر ڈال دیا ہے، جب تک میری مغفرت نہ ہو جائے میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا، در در کی ٹھوکریں کھا کر مصیبتوں کا مارا ہوا بندہ سب سے مایوس ہو کر معتکف بن کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اسی کے در پر آتا ہے، اور اس کو منانے اور اس سے تعلق درست کرنے کی نیت سے اسی کی چوکھٹ پر ڈیرا ڈال دیتا ہے کہ

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

تو ربِ کریم جس کا دروازہ کبھی کسی کے لیے بند نہیں ہوتا، اور جو ذات اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، وہ فوراً اپنے بندے کو آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ ربّ العزت کا پاک ارشاد ہے:

"مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْراً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً".(۲)

"جو بندہ میری طرف (میری اطاعت کے ساتھ) ایک بالشت متوجّہ ہوتا ہے

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / فصل فيمن فطّر صائما / ج: ٥ / ص: ٤٣٦، الرقم: ٣٦٨٠.
(۲) صحيح مسلم / كتاب الذكر والدعاء والتوبة / باب فضل الذكر والدعاء. الرقم: ٢٦٧٥.

تو میں اس کی طرف (اپنی رحمت کے ساتھ) ایک ہاتھ متوجّہ ہوتا ہوں، اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں، پھر اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ سبحان اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ جس درجہ اللہ تعالیٰ کی طرف (گناہوں سے توبہ اور اس کے احکام کی ادائیگی کے ذریعے) رجوع کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ توجّہ اور تلطّف اللہ جل شانہ کی طرف سے اس بندے پر ہوتا ہے، اعتکاف کرنے والا بھی سب کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف متوجّہ ہوتا ہے، اور اس دنیا میں اللہ ربّ العزت سے جس قدر قرب ممکن ہوتا ہے اتنا قریب ہوجاتا ہے، تو اندازہ لگایئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کتنے قریب ہوں گے؟ یہ لوگ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰﴾ [الأنبياء :۹۰]

”بے شک یہ بندے نیکی کے کاموں (کی انجام دہی) میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں شوق و رغبت اور خوف وخشیّت (کی کیفیتوں) کے ساتھ پکارا کرتے تھے، اور ہمارے حضور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ گڑگڑاتے تھے۔“

اعتکاف کے فوائد:

قارئین کرام! اعتکاف کے فضائل کے تحت جن احادیث مبارکہ کو بیان کیا گیا جن سے اعتکاف کی بے انتہا فضیلت معلوم ہوئی، اب ہم اعتکاف کے کچھ فوائد بھی جان لیں۔

(۱) اعتکاف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اعتکاف کرنے کی وجہ سے معتکف کو لیلۃ

القدر نصیب ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے، اس لیے کہ جو حدیث پاک پہلے بیان ہوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ".

کہ تم لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیری عشرے میں تلاش کرو، اور ہم سب جانتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں شب قدر کو ایک ہزار مہینوں سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے، پھر اس کی زائد فضیلت کتنی ہے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ معتکف بندے کا حالت اعتکاف میں آرام کرنا اور سونا بھی عبادت میں داخل ہے، لہٰذا پورے عشرے کے اعتکاف کے دوران شبِ قدر میں اگر معتکف سویا ہوا بھی ہوگا تو وہ رات اس کی عبادت میں شمار ہوگی۔

یہ جو مشہور ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات شبِ قدر ہے، تو جان لینا چاہیے کہ یہ کوئی طے شدہ بات نہیں ہے، کیوں کہ شبِ قدر کے بارے میں روایات مختلف ہیں، پھر بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ شبِ قدر سال بھر میں کسی بھی رات میں ہوسکتی ہے۔[۱] بہر حال رمضان کے اخیری عشرے کے اعتکاف کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ شبِ قدر نصیب ہونے کا قوی امکان ہے۔

(۲) اعتکاف کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ مسجد میں چوں کہ عبادت کا عام ماحول ہوتا ہے، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، تہجّد، اشراق، چاشت، اوّابین، تسبیح وتلاوت وغیرہ میں مشغول دوسرے بندوں کو دیکھ کر مسجد میں داخل ہونے والے کو بھی عبادت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے لیے عبادات آسان ہو جاتی ہیں، لہٰذا معتکف کو بھی یہ فائدہ ہوگا

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فضائل اعمال: ۱ / ۶۱۳، ادارہ دینیات۔

کہ عام دِنوں میں اس پر جو عبادات شاق گذرتی ہیں وہ اعتکاف کے نورانی ماحول میں آسان معلوم ہوتی ہیں۔

(۳) اعتکاف کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بندہ قیامت کے دِن ان خوش نصیب بندوں میں شمار ہوگا جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت مخصوصہ کا سایہ نصیب ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ، الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهٖ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ ... الخ"(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات ایسے خوش نصیب مؤمن بندوں کا تذکرہ فرمایا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اپنے عرش کے سایے میں جگہ عطا فرمائیں گے، جس دِن اس سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، اِن سات خوش نصیب بندوں میں سے ایک بندہ وہ بھی ہے جس کا دِل مساجد میں لگا ہوا ہو، یعنی جس بندے کو ہمیشہ عبادات کا خیال رہتا ہو، جس پر کبھی غفلت طاری نہ ہوتی ہو۔ اور معتکف بندہ تو صرف اپنا دِل ہی نہیں بلکہ پورا وجود ہی اللہ تعالیٰ کے دربار میں سپرد کردیتا ہے، لہٰذا معتکف کی فضیلت کا تصوّر ہی اور ہے۔

(۴) اعتکاف کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے لیے یکسوئی کا موقع مل جاتا ہے، سال بھر تو بندے اپنے روزمرّہ کے کاموں، مثلاً ملازمت، پیشے یا تجارت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں، رمضان میں بھی

(۱) صحيح البخاري / كتاب الأذان / باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوٰة. الرقم : ٦٦٠.

کچھ بندے فارغ نہیں ہو پاتے کہ دِن بھر تجارت سے متعلّق کاموں کے لیے فون چلتا رہتا ہے، تو اس ایک عشرے میں بندہ دُنیوی جھمیلوں سے کچھ دوری بنا کر اللہ تعالیٰ کی جانب یکسو ہو کر متوجّہ ہوسکتا ہے، اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجّہ ہونا اتنا اہم ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم سب سے پہلے فرمایا:

﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝﴾ [المزمل: ۷ - ۸]

’’بے شک آپ کے لیے دن میں بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں، اور آپ اپنے رب کے نام کا ذِکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ہٹ کر اُسی کے ہو رہیں۔‘‘

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تبتّل یعنی یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانا اللہ تعالیٰ کے خاص اور ممتاز بندوں کی شان ہے۔

معتکف بندہ بھی یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بآسانی کرسکتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کہ اعتکاف کا پورا لحاظ کیا جائے، عشرۂ اخیرہ کے وقت کو غنیمت جانتے ہوئے معتکف ایسے تمام امور سے پرہیز کرے جو عبادت میں خلل پیدا کرنے والے ہوں اور توجّہ دنیا کی طرف مبذول کردینے والے ہوں، مثلاً تاجر بندہ اعتکاف کرے اور اعتکاف ہی کے دوران تجارتی مشاغل جاری رکھتے ہوئے فون پر خرید و فروخت وغیرہ کرتا رہتا ہے تو ایسے اعتکاف کا خاطر خواہ فائدہ بندے کو نہ ہوگا۔

(۵) اعتکاف کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس سے بندے کے دِل میں رِقّت اور انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے، دِل نرم ہو جاتا ہے، جس سے تمام امور میں

بندے کے لیے رجوع الی اللہ آسان ہو جاتا ہے، ہم اپنی پچھلی زندگی میں غور وفکر کریں اور سوچیں کہ ہم نے کب کوئی وقت ایسا گذارا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے آنسو نکلے ہوں، بندے کو اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کا استحضار نہ ہو اور اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر رونا نہ آئے اور آنسو نہ نکلے تو یہ قساوتِ قلبی یعنی دِل کی سختی اور شقاوت و بدبختی کی علامت ہے، حالانکہ رِقّت قلبی مؤمن بندے کے لیے ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا بندہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی بہہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنّم کو حرام فرما دیں گے۔ چنانچہ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دَمْعَةٌ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ، فَتُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ".(۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی مؤمن بندے کی آنکھ سے مکھّی کے سر کے برابر بھی آنسو اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے نکل کر اس کے چہرے پر بہہ جائے تو اس بندے کو اللہ تعالیٰ جہنّم پر حرام فرما دیں گے۔''

اعتکاف کی وجہ سے بندے کو اللہ ربّ العزت کے خوف وخشیت سے رونے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے، جو ان شاء اللہ اس بندے کے حق میں نجاتِ آخرت کا

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / باب الخوف من الله / ج: ۲ / ص: ۲۳۵، الرقم: ۷۸۱.

سبب بنے گی۔

(٦) اعتکاف کا چھٹا فائدہ یہ ہے کہ آدمی مسجد کے اندر ہونے کی وجہ سے بہت سے ایسے گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے جو مسجد سے باہر بلاارادہ بھی سرزد ہوجاتے ہیں، چنانچہ خطبے میں جو حدیث پڑھی گئی اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہی فرمایا کہ "اَلْمُعْتَكِفُ يَعْكِفُ الذُّنُوْبَ". یعنی معتکف بندہ گناہ کرنے سے رُک جاتا ہے، مسجد جو کہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے وہ اس کے اور گناہوں کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اس لیے بندہ بہت سے گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے، مثلاً اعتکاف میں نہ ہو اور مسجد سے باہر ہو تو بندہ بسا اوقات اپنے ضروری کاموں کو پورا کرنے کے لیے بازار وغیرہ سے گذرتا ہے، جہاں بلاارادہ بھی کبھی بدنظری کا شکار ہوجاتا ہے، جب کہ یہ گناہ مسجد میں ہوتے ہوئے متصور نہیں ہے۔

(٧) اعتکاف کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ معتکف کو اُن سارے اعمالِ صالحہ کا ثواب بھی ملتا ہے جن کو وہ مسجد میں حالت اعتکاف میں نہیں کرسکتا، مثلاً اعتکاف کرنے والا بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کرسکتا، جو بہت بڑے اجر وثواب کا کام ہے، کسی لاچار، مسکین اور بیوہ ویتیم کی براہِ راست مدد ونصرت نہیں کرسکتا، جو بہت عظیم نیکی ہے، کسی میّت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر خلوصِ نیت کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نمازِ جنازہ کی شرکت کے لیے نہیں نکل سکتا، نیز میّت کے ساتھ قبرستان نہیں جاسکتا، اس قسم کی جو نیکیاں معتکف انجام نہیں دے سکتا اس حدیث شریف میں بشارت ہے کہ اعتکاف کرنے والے کو ان تمام نیکیوں کا ثواب بغیر کیے ہوئے بھی مفت میں مل جاتا ہے، اس کے اعمال نامے میں اللہ ربّ العزت کے حکم سے وہ سب نیکیاں

بھی لکھی جاتی ہیں جو اعتکاف کی وجہ سے کرنہ سکا، جب کہ وہ ان کا عادی تھا۔ خطبے میں جو حدیث پاک پڑھی گئی اس میں بھی اس فائدے کا ذکر ہے:

"وَيُجْرَىٰ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا".

''معتکف کے لیے تمام نیک اعمال کا ثواب اس بندے کی طرح جاری کیا جاتا ہے جو ان نیک اعمال کو خود انجام دینے والا ہو۔''

یہاں موضوع کی مناسبت سے ایک مسئلے کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتا سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ رمضان کے اخیری عشرے میں اعتکاف افضل ہے یا جماعت میں تین دِن یا دس دِن لگانا افضل ہے؟ تو دارالعلوم کے دارالافتا سے جواب دیا گیا کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کا جو اہتمام فرمایا ہے اس سے اس سنّت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا عمل مسنون بہرحال اولیٰ ہے، جماعت میں نکلنے کے لیے پورے سال کا وقت ہے۔ علاوہ ازیں اعتکاف میں رہتے ہوئے بھی جماعت میں نکلنے کا ثواب تو اس حدیث کے پیش نظر مل ہی جائے گا۔ بہرحال عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف سے افضل عمل اور کوئی نہیں ہے۔

(۸) اعتکاف کا آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ اعتکاف کی وجہ سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی جانب سے ولایت کا درجہ نصیب ہوتا ہے، ولی کے معنیٰ دوست کے ہیں، جس طرح ہم اپنے گھر اپنے دوستوں کو اور قریبی تعلق والوں کو بلاتے ہیں، ان سے اپنی محبّت کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے ان بندوں کو اعتکاف کی توفیق سے نوازتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں، جو بندے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونا چاہتے ہیں ان ہی کو یہ سعادت اللہ تعالیٰ نصیب فرماتے ہیں، تو معتکف کے لیے

ولایت کا درجہ پانا آسان ہے۔

(۹) اعتکاف کا نواں فائدہ یہ ہے کہ معتکف بندہ بُری صحبت سے محفوظ رہتا ہے، کیوں کہ اعتکاف ایک ایسی نرالی عبادت ہے جو خلوت وجلوت دونوں پر مشتمل اور دونوں کو جامع ہے، اعتکاف خلوت وجلوت کا ایک عجیب وغریب سنگم اور حسین امتزاج ہے، نماز میں پانچ اوقات میں تو جلوت ہے کہ مسجد میں آنے والے نیک نمازی سے ملاقات ہوتی ہے، باہر جا کر کسی سے ملنے کی تو اجازت نہیں، لیکن مسجد میں جو نیک لوگ آئیں ان سے ملنے اور ضروری بات چیت کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ بیہودہ لوگ تو مسجد میں آئیں گے نہیں، جن کی صحبت مضر ہو، ہمیشہ نمازی اور متقی لوگوں ہی سے سابقہ پڑے گا، ان ہی سے ملنا جلنا اور بات چیت ہوگی جن کی صحبت مفید ہے، مقولہ مشور ہے کہ "الْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ، وَالْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيسِ السُّوءِ". نیک ہم نشین گوشہ نشینی سے بہتر ہے اور گوشہ نشینی بُرے ہم نشین سے بہتر ہے۔ تو اعتکاف میں نماز کے وقت جلوت اور نیک صحبت میسر ہوتی ہے، اور باقی اوقات میں غیروں سے خلوت ہوتی ہے، اور خلوت مع الحق تو یقینی طور پر مفید ہے۔

(۱۰) اعتکاف کا دسواں فائدہ یہ ہے کہ اعتکاف کی وجہ سے معتکف بندے کو فرشتوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب معتکفین اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو فرشتے اُن کے اِرد گرد جمع ہو جاتے ہیں، حدیث پاک میں مروی ہے کہ جب کوئی بھی ایسی مجلس قائم ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہو تو ملائکہ اس مجلس کو گھیر لیتے ہیں، اور ایسی مجالس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت چھا جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے:

"لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ". (۱)

اس حدیث پاک میں مجالس ذکر کی تین فضیلتیں مذکور ہیں کہ ملائکہ ایسی مجالس کو گھیر لیتے ہیں، یعنی بہ کثرت ملائکہ نازل ہوتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہو جاتی ہے اور سکینت نازل ہوتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مقرّب فرشتوں کے درمیان ان بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

معتکف کے لیے ضروری ہدایات:

اعتکاف کے دوران معتکف کو چاہیے کہ وہ مسجد کے احترام کا ہر وقت خیال رکھے، مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، لہٰذا اس کی تعظیم یہ شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اور شعائر اللہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کی پہچان ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج : ۳۲]

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت وتعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقوٰی میں سے ہے۔''

یہ تعظیم وہی لوگ بجالاتے ہیں جن کے دِلوں کو تقوٰی نصیب ہو گیا ہو۔ جس طرح ہم کسی بڑے بادشاہ یا عہدے دار کے گھر جاتے ہیں تو اس بات کا خوب خیال رکھتے ہیں کہ ہمارے کسی بھی عمل سے اس کو تکلیف نہ ہو، ورنہ وہ ہم سے ناراض ہو

(۱) صحيح مسلم / كتاب الذكر... / باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن. الرقم : ۲۷۰۰.

جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ ہمیں اپنے گھر سے نکال دے، تو مسجد احکم الحاکمین کا دربار ہے، لہٰذا کسی بھی طرح اس کی بے حرمتی نہ ہونے پائے اس کا خوب خیال رکھا جائے، خاص کر موبائل فون کو صرف اہم ضرورت کے لیے ہی استعمال کریں، کوئی اہم بات چیت موبائل فون سے کرنے کی ضرورت پڑے تو پست آواز سے بات کریں، چیخ و پکار یہ مسجد کے احترام کے خلاف ہے۔

معتکف کو چاہیے کہ وہ مسجد کی صفائی کا بھی خوب خیال رکھے، کیوں کہ کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات معتکف کے لیے مسجد میں پوری کرنا جائز ہے، لہٰذا معتکف شخص مسجد میں کھا پی سکتا ہے، لیکن عموماً کھانے پینے کے دوران گندگی ہوتی ہے، لہٰذا دسترخوان وغیرہ اس طرح بچھائیں کہ جماعت خانہ اور جائے نماز وغیرہ اس کی وجہ سے خراب نہ ہوں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی توفیق دی ہے تو اس مبارک وقت کو غنیمت جانتے ہوئے حتی الامکان پورا وقت عبادت میں گذارنے کی کوشش کریں، مبارک وقت لایعنی باتوں اور بے ضرورت کاموں میں ضائع نہ ہوجائے اس کا خوب خیال رکھنا چاہیے، معتکف کے لیے ضرورت کی چیزیں وغیرہ لانے والے حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ بلاضرورت معتکف کے پاس بیٹھ کر لایعنی باتوں میں مشغول نہ ہوں، ورنہ دونوں ہی کا وقت ضائع ہوگا۔

معتکف کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر عاجزی کے ساتھ خوب دُعائیں مانگے، اللہ تعالیٰ اپنے مانگنے والے بندوں سے خوش ہوتا ہے، اپنے فقر و احتیاج کو پیش کر کے اپنی عاجزی و درماندگی کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کو خطاب کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝١٥﴾ [فاطر:۱۵]

’’اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، سزاوارِ حمد وثنا ہے۔‘‘

اس خطاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان بلا کسی فرق کے تمام کو محتاج قرار دیا ہے، خواہ کوئی صاحب ثروت مالدار انسان اپنے آپ کو کتنا ہی متموّل کیوں نہ خیال کرے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مال دار اور نادار تمام انسانوں کو ضرورت مند قرار دیا ہے، اور بات بھی بالکل معقول ہے کہ انسان خواہ کتنے ہی دُنیوی اسباب و وسائل حاصل کر لے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو وہ کچھ کام کے نہیں، لہٰذا جن بندوں کو ہم فقیر سمجھتے ہیں وہ بھی اور جن کو ہم غنی سمجھتے ہیں وہ بھی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے ہر حال میں محتاج ہیں، بندوں کے ساتھ احتیاج ہمیشہ کے لیے لازم ہے، لہٰذا ہمیں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، بندوں سے نہیں، بندے خود ہی جب فقیر ہیں تو فقیر سے کیا مانگنا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غنی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں، لہٰذا ہم اُسی سے مانگنے والے بنیں۔ اور ان مبارک دِنوں میں اعتکاف کے دوران توبہ واستغفار کثرت سے کریں، اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں کہ اے اللہ میں تیرے در پر آیا ہوں اور جب تک تو میری مغفرت نہ فرما دے میں یہاں سے ہٹنے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عاجزی کو پسند فرماتے ہیں، وہ اپنے بندوں پر ماؤں سے زیادہ مہربان ہیں، معتکف بندے کی عاجزی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در پر پڑا رہتا ہے، اس کے در پر پڑا رہنا بھی بڑی چیز ہے، جو مردود کو بھی مقبول بنا دیتی ہے، جیسے کسی شریر بچّے سے اس کی ماں ناراض ہو کر کبھی گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیتی ہے،

تو وہ بچّہ اولاً اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے، لیکن جب اُسے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی تو پھر دو بارہ اُلٹے قدموں ماں کی طرف رجوع کرتا ہے، اور گھر کا دروازہ بند دیکھ کر اس اُمید پر کہ ماں جب دروازہ کھولے گی تو معافی مانگ کر اسے منالوں گا، وہیں بیٹھ جاتا ہے، اس حالت میں اگر نیند کا غلبہ بھی ہوجائے تو اسی دہلیز پر سر رکھ کر سو جاتا ہے، دوسری طرف ماں کو پتا چلتا ہے تو اس کا دل موم ہوجاتا ہے، اور وہ فوراً دروازہ کھول کر اپنے بچّے کو آغوشِ محبت میں لے لیتی ہے، معتکف کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لیے اپنے وجود کو اس کے در پر ڈال دینے کا بہانہ ہے، اور رحمت حق اپنے بندوں کی مغفرت کے لیے بہانے تلاش کرتی ہے۔

میرے بھائیو! ایک اہم بات یہ بھی عرض ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں اس کا اہتمام ہو کہ جس طرح ہم اپنی مسجد میں مسجد وار جماعت میں تشکیل کرکے ٹیم بناتے ہیں کہ اس ہفتے اتنی جماعتیں جائیں گی، اتنے لوگوں کی جماعت جائیگی، اعتکاف کی فضیلت کے پیش نظر مسجد وار جماعت اس کی بھی فکر کرے کہ ہماری مسجد اعتکاف سے زیادہ سے زیادہ آباد ہو، اس کے لیے باضابطہ تشکیل اور فکر ہو۔ کیوں کہ آئے دِن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی مساجد میں معتکف مشکل سے ہوتے ہیں۔

معتکفین ساتھی جتنے بھی ہوں تمام کو چاہیے کہ آپس میں ایک دوسرے کی خدمت اور راحت رسانی کا خیال رکھیں، تمام سہولیات میں اپنے ساتھیوں کو خود پر ترجیح دیں، ایثار وقربانی کے جذبے سے ہر ایک کو راحت اور سہولت پہنچے اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ بھی عبادت میں داخل ہے، مثلاً کھانا کھاتے وقت جب تمام معتکف ساتھی بیٹھے ہوں تو کوشش یہ کریں کہ تمام ساتھی اچھّی طرح سیر ہوکر کھالیں، اگرچہ میں کچھ کم کھا

لوں گا، اگر کسی ساتھی کو گرمی زیادہ لگتی ہے تو پنکھے کے نیچے اس کو جگہ دیں اور خود ہٹ کر سو جائیں۔ نیز تمام ایک دوسرے کا اکرام واحترام ملحوظ رکھیں، تا کہ ان مبارک دِنوں میں مبارک وقت میں کسی کی دِل شکنی نہ ہو اور ہم حقوق اللہ کو حقوق العباد کے ساتھ مکمّل ادا کرنے والے بنیں۔

خلاصہ:

محترم قارئین! رمضان المبارک کے پہلے دو عشروں میں تو روزے کے ذریعے انسان کے نفس کو اعتدال پر لا کر اسے شریعت کے تقاضے پورا کرنے کے لائق بنایا جاتا ہے، اب جب اس نے اس طریقے پر بیس دن گذار دیے اور گویا روحانی دوا کا ایک نصاب (کورس) پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرا بندہ میرے سوا تمام مخلوقات سے غیر ضروری ملنا جلنا ترک کر کے میرے ہی در پر آ پڑے اور میرے سوا اس کو کسی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہے، روزے میں محبوبہ بیوی کو صرف دِن میں چھڑایا تھا، جب بندہ اس میں پورا اترا تو اب دن رات اس سے الگ کر کے اس کی تمام تنہائیاں اپنے لیے مخصوص کر لیں اور فرمادیا کہ کھانا، پینا، لیٹنا اور سونا سب ہمارے ہی در پر ہو، اور ہماری جو عبادات اور ذکر اب تک دنیا کے کام، ملازمت، پیشے اور تجارت وغیرہ میں لگ کر کرتے تھے، اب ان سب سے الگ تھلگ ہمارے گھر (مسجد) ہی میں ہوا کرے، تا کہ دنیا کے گندے ماحول سے یکسو ہو کر دل و دماغ میں ہماری محبّت خوب رچ بس جائے اور تمھارے دل کی دُنیا پر اب حکومت رہے تو صرف ایک اللہ واحد اور قہار کی۔ (۱)

---

(۱) رمضان کیا ہے رص: ۱۴۰، مسائل اعتکاف رص: ۹

میرے بھائیو! اعتکاف کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ بندے میں رجوع الی اللہ سے اللہ تعالیٰ کی کامل محبّت پیدا ہو جائے اور جب تک بندے میں عبدیت اور اللہ تعالیٰ سے محبّت نہ ہو اعتکاف آسان نہیں ہوتا، اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ ہوتا ہے ان کا حال اس سلسلے میں بھی قابلِ رشک ہوتا ہے۔

چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ کی بہن سیّدہ حفصہ بنت سرین رحمہا اللہ کے متعلّق منقول ہے، حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ''انھوں نے گھر میں مسجد بنائی تھی، اور زندگی کے ۳۵ سال اس حال میں گذارے کہ قضائے حاجت کے لیے گھر کی مسجد سے باہر نکلتیں اور بقیہ وقت اعتکاف کی نیت سے گھر کی مسجد میں گذار دیتیں۔(۱)

ان کی چاہت یہی ہوتی تھی کہ

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دِن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے

الغرض! اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے اعتکاف کیا جائے تو یہ نہایت ہی عظیم الشان عبادت ہے، اس کے بے شمار فوائد اور فضائل ہیں، یہ رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔

علاوہ ازیں ماہِ رمضان المبارک کے متبرک و مسعود اوقات کی قدر و عظمت بھی اعتکاف کے بغیر کامل طور پر نہیں ہوسکتی۔ بس ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں، اسی کے در پہ سر جھکائیں کہ:

---

(۱) نماز کے اسرار و رموز ص: ۷۷۔

سر جس در پہ نہ جھک جائے اسے در نہیں کہتے

ہر در پہ جو جھک جائے اسے سر نہیں کہتے

حق تعالیٰ ہمیں رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ نصیب فرما کر اپنا بنا لیں، ہم سب کو رمضان المبارک کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائیں، ہم تمام کو تا عمر اخیری عشرے کے اعتکاف کے اہتمام سے نوازیں اور اعتکاف کا عادی بنا دیں، ہم تمام کی مغفرت فرما کر اپنے مقبول بندوں میں ہم سب کو شامل فرمائیں۔

آمین یا ربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ للهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

آسان دین
Aasan Deen
Media Services

شبِ قدر

ہزار مہینوں سے بہتر

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤﴾ [القدر]

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③﴾ [الدخان : ۳]

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

تمہید:

قابلِ صد احترام معزز و مکرّم قارئین! آج کی مجلس میں ہم شب قدر کے متعلّق گفتگو کریں گے، اس رات کی حقیقت، عظمت و فضیلت اور اس کے تقاضوں کے بارے میں بات کریں گے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس عاجز کو صحیح و حق بات کہنے کی اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

شب قدر کیا ہے؟ یہ در اصل ربِ کریم کی جانب سے انسانیت کے لیے مغفرت و نجات کی ایک عظیم الشان مبارک اور جلیل القدر رات ہے، آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے جب دُنیا ضلالت و ظلمت اور جہالت و معصیت کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، سارا انسانی معاشرہ تباہی و بربادی کے قریب پہنچ چکا تھا، تب اللہ ربّ العزت نے

پھر ایک بار شبِ قدر میں انسانیت پر نظر رحمت فرمائی، پھر دوبارہ اس کی رحمت کی گھٹائیں تمام عالم کے اُفق پر چھائیں، اُس کا ابرِ کرم ''حرا'' کی سمت اترا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلی وحی، پیغامِ الٰہی اور کلامِ ربّانی کا نزول ہوا، جس میں تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی، چنانچہ فرمایا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱﴾ [العلق : ۱]

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔''

اس لیے کہ جب علم کی شمع روشن ہوگی تو خود بخود ضلالت کافور اور ظلمت دور ہو جائے گی، جہالت ختم ہوگی اور معصیت کے پردے چاک ہو جائیں گے، انسانیت کو امن اور سلامتی، سکونِ زندگی، احترامِ انسانیت، حقوقِ باہمی اور اُخوت ومحبّت کی گراں قدر نعمت نصیب ہوگی، اور ایسا ہی ہوا، جس کی تصدیق تاریخ اسلام سے ہوتی ہے، الغرض! انسانیت کی نجات وعافیت کا یہ عظیم الشان واقعہ نزولِ قرآن کی شکل میں رمضان کی شب قدر میں پیش آیا، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ [البقرة : ۱۸۵]

''رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اُتارا گیا ہے، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةِ ٱلۡقَدۡرِ ۝١﴾ [القدر: ۱]

’’بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اُتارا ہے۔‘‘

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں اُتارا گیا، پھر وہاں سے حسب ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر تھوڑا تھوڑا کر کے تیئیس سال میں نازل ہوا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے قرآن کا نزول یعنی وحی کی ابتدا شب قدر میں ہوئی۔ اس اعتبار سے شب قدر اس عظیم الشان واقعے کی یادگار ہے جس میں انسانیت کو اوہام اور بت پرستی کی ذلّت وغلامی، ظلم وزیادتی اور جہل وگمراہی سے نجات ملی، اس اعتبار سے شب قدر انسانیت کے لیے شب نجات تھی اور ہے، بشرطیکہ اس کی فضیلت سے شریعت کے دائرے میں رہ کر فائدہ اٹھایا جائے۔

ایک تنبیہ:

محترم قارئین! چوں کہ ہم شب قدر کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں تو مناسبت کے تقاضے سے ایک عام غلطی کی جانب متوجّہ کرنا چاہوں گا کہ شب قدر کو ہم بہت سی مرتبہ ’’شب قدر کی رات‘‘ کہہ دیتے ہیں، اور ہمارا ذہن اس غلطی کی جانب متوجّہ نہیں رہتا کہ ’’شب‘‘ فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں رات، تو ’’شب قدر‘‘ کے معنیٰ ہوں گے قدر کی رات یا لیلۃ القدر، یہ صحیح ہے، لیکن اگر ہم ’’شب قدر کی رات‘‘ کہیں یا ’’لیلۃ القدر کی رات‘‘ کہیں تو رات کا ذکر بے وجہ مکرّر ہوگا، جو کہ غلط ہے، بہت سی مرتبہ سبقت لسانی سے اس میں ایسے لوگ بھی غلطی کر لیتے ہیں جن کو یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے دورانِ گفتگو اس عاجز سے بھی اگر یہ غلطی ہو جائے تو درگذر فرمائیں۔

شب قدر کی فضیلت:

شب قدر نہایت ہی عظیم رات ہے، اس کی عظمت وفضیلت اور قدر ومنزلت بڑھانے کے لیے حق تعالیٰ نے اس کے نام سے مستقل سورۂ قدر قرآنِ مجید میں نازل فرمائی۔ اس رات کی عظمت وفضیلت کی جانب توجّہ دِلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورتِ پاک میں سوال فرمایا کہ "تمھیں معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیا ہے؟" ایسا سوال عموماً اس وقت کیا جاتا ہے جب ہم کسی چیز کی عظمت بتانا چاہتے ہوں، اس چیز کا شوق اور رغبت دِلانا چاہتے ہوں۔

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے۔ یہاں لیلۃ القدر کی افضلیت کے لیے کوئی حد مقرّر نہیں کی گئی کہ وہ ایک ہزار مہینوں سے کتنی افضل ہے؟ اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس رات کے فضائل اور اس کی عظمتیں بے شمار ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے تمام خیر وبرکات لے کر اُترتے ہیں، یہ رات سراپا سلامتی ہے اور یہ سلامتی اور خیر وبرکات کا سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری وساری رہتا ہے۔

اس رات کی فضیلت کے متعلّق حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب قيام ليلة القدر من الإيمان. الرقم : ۳۵.

جو شخص ایمان کے ساتھ شب قدر میں جاگ کر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے اگلے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حقوق اللہ اور صغائر کی معافی:

محترم قارئین! یہاں ایک بات ملحوظ رہے کہ ایسی آیات واحادیث جن میں مختلف اعمال وعبادات پر گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو حقوق اللہ سے متعلّق ہوں یا صغائر ہوں، حقوق العباد ایسی عبادات کی وجہ سے معاف نہیں ہوتے، وہ صرف صاحب حق کا حق ادا کرنے سے یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں، لہٰذا غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب جی چاہے کسی کا بھی حق دبالو، پھر لیلۃ القدر آنے پر عبادت کر کے تلافی کرلو، نہیں، حقوق العباد میں Clearance Certificate اس طرح نہیں مل جاتا، یہ کوئی دُنیوی حکام کا قانون نہیں ہے جہاں ''کچھ لے دے کر'' معاملہ دبا دیا جائے، عدالت خداوندی میں سو فی صد عدل ہوتا ہے، یا فضل ہوتا ہے، لہٰذا صاحب حق کا حق ادا کرنا ہوگا، یا صاحب حق معاف کردے تو معاف ہوگا، اسی طرح وہ کبائر جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اُن کی معافی کے لیے سچّی توبہ کرنی ہوگی، البتہ چوں کہ حقوق اللہ سے متعلّق حق ہے لہٰذا بغیر توبہ کے بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنا فضل فرما کر معاف فرمادیں تو یہ اس کا رابطہ فضل ہے، ورنہ ضابطہ عدل تو یہی ہے کہ کبائر کے لیے توبہ کی جائے۔

شب قدر کی قدر ومنزلت بیان کرتے ہوئے امامِ ربّانی، مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ نے سال بھر کے انوارات رمضان میں جمع فرمادیے، پھر ان تمام انوارات وبرکات کا

جو ہر عشرۂ اخیرہ میں رکھ دیا، پھر اس کا لب لباب، خلاصہ اور عطر شب قدر میں ودیعت فرمادیا‘‘۔ (گلدستۂ تفاسیر:۷/۶۷۳)

میں ہی کم بخت غافل تھا، تو مجھ سے غافل نہ تھا
تو نے مجھ کو وہ سب دیا جس کے میں قابل نہ تھا

اگر ہم قدر کرلیں تو واقعی بات یہ ہے کہ اس ایک رات میں عباداتِ خداوندی کے ذریعے ہم قربِ الٰہی کی اتنی منزلیں اور مسافتیں طے کر سکتے ہیں کہ دوسری ہزاروں راتوں میں بھی یہ مسافتیں طے نہیں ہوسکتیں، جس طرح تیز رفتار سواری (ہوائی جہاز یا راکٹ) کے ذریعے ایک رات میں اتنی مسافت طے کی جاتی ہے کہ پُرانے زمانے کی دوسری سواریوں سے مہینوں میں بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔

اسی لیے شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ’’شبِ قدر کی جو بھی قدر کرے گا وہ صاحب قدر ہو جائے گا۔‘‘

خطبے میں سورۂ دُخان کی جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآنِ پاک کو بابرکت رات میں نازل کیا، اس آیت کریمہ کے متعلّق جمہور مفسرین کرام کی رائے یہی ہے کہ اس سے شب قدر مراد ہے، البتہ کچھ مفسرین نے اس سے شب برائت مُراد لی ہے۔ لیکن سورۂ قدر کی پہلی آیت سے اس بات کی مزید تائید ہو جاتی ہے کہ نزولِ قرآن شب قدر ہی میں ہوا ہے۔[1] اور ظاہر سی بات ہے کہ جس رات میں ساری کائنات کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے آخری کتابِ ہدایت نازل کی جائے وہ اسی قدر فضائل کی حامل رات ہوگی۔

---

(۱) معارف القرآن:۷/۵۶۷، مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔

لیلۃ القدر کے مخفی ہونے کی حکمتیں:

غرض شب قدر کی بڑی قدر و منزلت ہے، شاید اس کی عظمت اور قدر و منزلت ہی کی وجہ سے اُسے ایک راز بنا کر رکھا ہے، جیسے اسم اعظم کو اللہ تعالیٰ نے اُس کی عظمت کی وجہ سے ایک راز بنا کر رکھا ہے۔ یا پھر اس لیے تا کہ لوگ ایک ہی رات پر تکیہ و بھروسا نہ کرلیں، بلکہ اس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ اسی وجہ سے حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَىٰ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ: "إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَإِنَّهُ تَلَاحَىٰ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُم، التَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ". (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ القدر کے بارے میں لوگوں کو خبر دینے کے لیے نکلے ہی تھے کہ دو آدمیوں (عبداللہ بن ابی حدرَد اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما) کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھگڑتے ہوئے دیکھ لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا ہی تھا کہ فلاں اور فلاں جھگڑنے لگے، تو اس کی تعیین اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُٹھالی گئی، اور اُمید ہے کہ یہی (شب قدر کی پوشیدگی) تمھارے حق میں بہتر ہو، تم لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں یعنی سات، نو اور پانچ میں تلاش کرو۔''

(۱) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب خوف المؤمن. الرقم : ٤٩.

اس میں حکمت یہ بھی ہے کہ جتنی راتیں اس رات کی طلب اور جستجو میں خرچ ہوں گی ان کا مستقل ثواب بندوں کو علیحدہ ملے گا۔

اس حدیث پاک سے آپسی تنازُع اور جھگڑوں کی قباحت اور بُرائی بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اتنی بابرکت رات کی تعیین اُٹھالی گئی، یہی وجہ ہے کہ آپسی تنازُع کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "الحَالِقَةُ" فرمایا ہے،(۱) یعنی مونڈنے والے، کہ آپسی جھگڑوں کی وجہ سے اُمّت کا اتحاد و اتفاق ختم ہوجاتا ہے اور اجتماعی حیثیت سے اُمّت کمزور ہوجاتی ہے۔

اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان: "عَسىٰ أَنْ يَكُوْنَ خَيْرًا لَكُمْ" سے لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھے جانے کی حکمت معلوم ہوتی ہے، یہ وہی مفہوم ہے جس کو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۲۱۶﴾ [البقرة : ٢١٦]

''اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقۃً) تمھارے لیے بہتر ہو اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقۃً) تمھارے لیے بُری ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھنے جانے کی ایک حکمت علمائے کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ بعض طبیعتیں اتنی نافرمان ہوتی ہیں کہ ان کو گناہ کیے بغیر چین نہیں آتا، اگر اس رات کو متعین کر دیا جاتا، پھر گناہ کے عادی بندے اس رات میں بھی گناہ کرتے تو وہ

(۱) سنن أبي داود / أول كتاب الأدب / باب في إصلاح ذات البين، الرقم : ٤٩١٩.

مزید غضب الٰہی کے مستحق بنتے، اس وجہ سے اللہ ربّ العزت نے اس رات کو متعین نہیں فرمایا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی طلب اور عبدیت پسند ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں اس کے بندے اس سے گڑگڑا کر عاجزی سے بہ کثرت دُعائیں مانگیں، اس وجہ سے اس رات کو مخفی رکھا گیا، تاکہ پورے سال میں، پھر رمضان میں، پھر رمضان کے اخیری عشرے میں، پھر طاق راتوں میں بندے اُسے تلاش کریں، جیسا کہ مختلف روایات میں وارد ہے، اور اس سے بندوں کا فائدہ یہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ وقت بندوں کا عبادت میں گذرے گا۔

ان کے علاوہ بھی لیلۃ القدر کی پوشیدگی میں بہت سی حکمتیں ہیں، جن تمام کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔

لیلۃ القدر کی وجہِ تسمیہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رات کو "لَيْلَةُ الْقَدْرِ" فرمایا، لہٰذا ہمیں یہ بات سمجھنی ہے کہ اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کیوں کہا گیا؟ ''قدر'' کے ایک معنیٰ ہیں عظمت و احترام اور مقام و مرتبہ، جیسے ہم محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں کی لوگوں میں بہت قدر ہے، یعنی لوگ اس کے مقام و مرتبے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رات بھی اپنے فضائل و برکات کی وجہ سے نہایت اہم مقام و مرتبے کی حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے فضائل کے لیے اللہ تعالیٰ نے مکمّل ایک سورت نازل فرمائی، جس میں اس کی وجہ فضیلت ذکر کی گئی کہ اس میں کلام اللہ کا نزول ہوا ہے، قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات احکم الحاکمین ہے، جس طرح اس کی ذات عظیم الشان ہے اسی

طرح اس کا کلام بھی عظیم الشان ہے، عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے: "كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ". یعنی بادشاہوں کا کلام بھی دیگر تمام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اب تصوّر کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو احکم الحاکمین ہے، اس سے بڑھ کر کوئی ذات ہو ہی نہیں سکتی، تو اس کے کلام جیسا کوئی کلام بھی مخلوق میں نہیں ہوسکتا، ایسے بابرکت کلام کو اللہ تعالیٰ نے اس رات میں نازل فرمایا، اس وجہ سے بھی اس رات کی عظمت وفضیلت بڑھ جاتی ہے۔

قرآن اور رمضان کا قوی تعلق:

یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر اس دور تک پوری اُمّت کے احوال میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ہر دور میں رمضان المبارک اور قرآنِ پاک کے درمیان ایک مضبوط رِشتہ رہا ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت تو عام دِنوں میں بھی ہوتی ہے، مگر رمضان المبارک میں زیادہ ہوتی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے آپ قرآنِ پاک کا دور سناتے تھے۔(۱) وجہ یہی ہے کہ اس مہینے کی شبِ قدر کو قرآنِ پاک نازل ہوا۔

قرآنِ پاک کا مختصر تعارُف:

علاوہ ازیں یہ بھی جان لیں کہ قرآنِ پاک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات میں سب سے اہم معجزہ ہے، یہ ایک زندہ اور جاوید معجزہ ہے، یعنی ہمیشہ کے لیے قرآنِ پاک کی شانِ اعجاز کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوتا رہے گا، چنانچہ قرآنِ پاک

(۱) صحيح البخاري / باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله...الخ، الرقم: ٦.

کے اعجاز کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس بات کو بنیاد بنایا اور تحدّی (چیلنج) فرمائی کہ اس قرآن جیسی کوئی ایک سورت یا آیت پیش کردو،[۱] تو یہ چیلنج بھی دوامی ہے، جس میں تا قیامت آنے والی مخلوق کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تمھیں قرآنِ پاک کے کلام اللہ ہونے میں کچھ بھی شبہ ہے تو اس جیسا کوئی کلام پیش کردو۔

جب کہ قرآنِ پاک کے علاوہ دیگر معجزات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دُنیا سے رحلت فرمانے کے بعد نہیں ہیں، صرف قرآنِ پاک ہی دوامی معجزہ ہے۔ اور اسی لیے اس کی حفاظت کا ذمّہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر: ۹]

’’بے شک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔‘‘

میرے بھائیو! کلام اللہ کی عظمت سب سے اوّل تو اس وجہ سے ہے کہ یہ خالق کائنات کا ازلی کلام ہے، اس کو نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جیسا کہ خود ہی فرمایا:

﴿تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝٨٠﴾ [الواقعة: ۸۰]

’’تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔‘‘

لہٰذا یہ تمام کلام میں سب سے اشرف و افضل ہے۔ کلام اللہ کے اسی شرف و فضل کی وجہ سے اس کا محل ومقام جہاں اسے اُتارا گیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے شایانِ شان منتخب کیا گیا، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

(۱) سورة البقرة / الآية: ۲۳.

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾﴾ [البروج : ٢١-٢٢]

''بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، (جو) لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔''

پھر جس ذات پر اس کلام کو اُتارا گیا وہ افضل الخلق علی الاطلاق (اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے افضل) اور امام الانبیا ہیں، اس کی بھی صراحت خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کئی جگہوں پر فرمائی ہے، مثلاً:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿٢﴾﴾ [محمد : ٢]

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ اُن (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیے اور ان کا حال سنوار دیا ہے۔''

علاوہ ازیں جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے اس کے نزول کا واسطہ اور ذریعہ بنایا وہ افضل الملائکہ اور سیّد الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾﴾ [الشعراء : ١٩٣]

''اسے روح الامین (حضرت جبرئیل علیہ السلام) لے کر اترے ہیں۔''

مزید جس دور میں اسے نازل کیا گیا وہ خیر القرون، پھر جس مہینے میں اسے نازل کیا گیا وہ وہ سیّد الشہور، یعنی تمام مہینوں میں سب سے افضل۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرة : ١٨٥]

’’رمضان کا مہینہ وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔‘‘

نیز رمضان المبارک میں قرآنِ پاک کا نزول ایسی مبارک رات میں ہوا ہے جو پورے سال کی راتوں میں سب سے افضل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ①﴾ [القدر: ۱]

’’بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اُتارا ہے۔‘‘

اور جس اُمّت کے لیے قرآن کو نازل کیا گیا اس کو اللہ تعالیٰ نے خیرِ اُمّت یعنی تمام اُمتوں میں سب سے بہتر اُمّت قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

’’تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

میرے بھائیو! قرآنِ پاک میں ایسی کئی آیتیں ہیں جن سے کلام اللہ کی عظمت کا پتا چلتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اپنی جہالت اور قساوت کی وجہ سے کلام اللہ کی عظمت و تجلّی کو سمجھ نہیں پاتے اور اس کا حق ادا نہیں کر پاتے، ورنہ کلام اللہ میں اس قدر طاقت وقوت ہے کہ اس کی تاثیر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ [الحشر: ۲۱]

’’اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تو اسے دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا، پھٹ کر پاش پاش ہو جاتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ کلام اللہ سے ہمارے دِلوں کا متاثّر نہ ہونا ہمارے دِلوں کی سختی کی علامت ہے، ورنہ پہاڑ جیسی بے جان مخلوق کہ جس کی سختی کی مثالیں دی جاتی ہیں وہ کلام اللہ کی عظمت اور تجلیات کو برداشت نہیں کرسکتا۔ میرے بھائیو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو کلام اللہ کے سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف متوجّہ کریں، کلام اللہ کے حق کو سمجھیں، بداعمالیوں کی وجہ سے ہمارے دِلوں پر لگے زنگ کو دور کر کے اسے صاف کریں، اس لیے کہ بداعمالیاں بسااوقات سلبِ توفیق کا سبب بن جاتی ہیں، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے کفّار کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ [المطففين : ١٤]

’’(ایسا) ہرگز نہیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اُن کے دِلوں پر ان اَعمالِ (بد) کا زنگ چڑھ گیا ہے جو وہ کیا کرتے تھے (اس لیے آیتیں ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں)۔‘‘

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کے نزول کے مقصد کو بالکل شروع ہی میں بیان فرمادیا:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾﴾ [البقرة : ٢]

’’(یہ) وہ کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔‘‘

قرآنِ پاک سے ہدایت ہم تب ہی حاصل کر پائیں گے جب اس کے درس میں شرکت کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے، پھر سمجھ کر عملی زندگی میں اُسے زندہ

رکھنے کا عزم کریں گے۔

بہر حال یہ قرآنِ پاک کا مختصر تعارُف تھا، جو خود قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ اس سے ہمیں لیلۃ القدر کے نام کی پہلی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ ''قدر'' کے معنیٰ محترم رُتبہ و مقام کے ہیں، اور قرآنِ پاک کے نزول کی وجہ سے یہ رات ''قدر'' والی یعنی بیش قیمت ہو گئی، کیوں کہ جب قرآنِ پاک اتنی ساری عظمتوں و فضیلتوں کا حامل ہے تو جس رات میں وہ اُترا ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی قدر عظمت و فضیلت اور مقام و رُتبے والی ہو گی، اس وجہ سے اسے ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہِ تسمیہ:

محترم قارئین! اب دوسری وجہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس رات کو ''لیلۃ القدر'' اس وجہ سے کہا گیا کہ ''قدر'' کے ایک معنیٰ ہیں تنگی، لفظ قدر اس معنیٰ میں قرآنِ پاک میں آیا ہے، چنانچہ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ [الرعد : ٢٦]

''اللہ جس کے لیے چاہتے ہیں رزق کشادہ فرما دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہتے ہیں) تنگ کر دیتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ازلی اُصول ذکر فرمایا ہے کہ تمام بندوں کو رِزق اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ملتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جب جسے چاہیں فراوانی عطا فرماتے ہیں اور جب جسے چاہیں تنگی میں مبتلا فرما دیتے ہیں، یہاں مشیت کا تعلق دونوں امر کے ساتھ ہے، یعنی بندوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا دخل ہے اور رزق کی مقدار میں بھی، لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ چاہیں اُسے ہی ملے گا، اور جتنا اللہ تعالیٰ

چاہیں گے اُتنا ہی ملے گا، لہٰذا بندہ امیر بننے کے لیے ہزار جتن کرے، لاکھ کوششیں کرے اور ہاتھ پیر مار کر تھک جائے، لیکن ملے گا اُتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں۔

یہاں مناسبت کی وجہ سے یہ بھی یاد رکھیں کہ رزق کی تنگی اور فراوانی کا تعلق جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہے، لہٰذا یہ مشیت خداوندی تمام بندوں میں جاری ہے، خواہ بندہ کافر ہو یا مؤمن، دونوں ہی فریق میں کچھ لوگ امیر و مالدار اور کچھ لوگ تنگ دست اور فقیر ملیں گے، یہاں تک کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو پوری پوری سلطنت کا بادشاہ بنایا، جیسے حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام، اور بعضوں کو تنگ دستی میں رکھا۔

دونوں ہی حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کا امتحان ہوتا ہے، فراوانی کی حالت میں بندے کے شکر کا امتحان ہوتا ہے کہ رزق کی فراوانی اور نعمتوں کے بہ کثرت میسّر ہونے پر بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا امیری اور مالداری کو قارون کی طرح اپنا کمال بتا کر اِتراتا ہے؟ اسی طرح رزق کی تنگی اور فقر و فاقہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے صبر کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتا ہے یا آہ وواویلہ مچا کر رحمٰن ورحیم سے مایوس ہو جاتا ہے؟

حاصل یہ کہ لفظ ''قدر'' کے ایک معنیٰ تنگی کے ہیں، اور جیسا کہ سورۂ قدر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس رات میں بہ کثرت ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، اتنے سارے ملائکہ نازل ہوتے ہیں کہ ان کی کثرت سے گویا زمین بھی تنگ ہونے لگتی ہے، اس وجہ سے اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ تسمیہ:

تیسری وجہ بھی سمجھ لیں کہ ''قدر'' کے ایک معنیٰ ہیں تقدیر، یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے کردہ وہ امور جو کائنات میں اس کی مشیت کے موافق انجام پاتے ہیں، اس رات میں چوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نوشتۂ تقدیر فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے کہ سال بھر کے لیے وہ اُن امور کو کائنات میں نافذ کرتے رہیں، چنانچہ خطبے میں سورۂ دُخان کی جو آیت کریمہ پڑھی گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آگے اسی کا ذکر فرمایا:

﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝٤ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا﴾ [الدخان : ٤]

''اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ کردیا جاتا ہے۔''

یعنی سال بھر کے لیے ہر ایک بندے کے رزق، عمر اور اعمال وغیرہ کے متعلق جو فیصلے تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب نفاذ کے لیے فرشتوں کے حوالے اسی رات کو کیے جاتے ہیں،(۱) اس لیے اسے ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے۔

چوتھی وجہ تسمیہ:

اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کہنے کی چوتھی وجہ بعض علمائے کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسا گنہگار بندۂ مؤمن جو سال بھر گناہ کرتا رہا، لیکن اتفاق سے اس نے شب قدر پالی اور اس کی صحیح معنیٰ میں قدر کرتے ہوئے پوری رات عبادت، توبہ اور استغفار میں لگا رہا تو اس کی مغفرت ہوجائے گی، گویا اس رات کی عبادت نے اللہ تعالیٰ کے یہاں بندے کی قدر بڑھادی، اس وجہ سے اس رات کو ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) معارف القرآن: ۷/ ۷۵۸۔

(۲) فتح الباري لابن حجر / كتاب فضل ليلة القدر : ٤ / ٢٥٥.

لیلۃ القدر اُمّت محمدیہ کی خصوصیت:

میرے بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس اُمّت پر ہمیشہ بے انتہا فضل وکرم رہا ہے، اور یہ اُمّت ایسی خصوصیات اور آسانیوں سے نوازی گئی ہے جو اگلی اُمتوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، ان میں سے ایک خصوصیت لیلۃ القدر ہے، جو صرف اسی اُمّت کو عطا ہوئی ہے۔

علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلی اُمتوں کا حال یہ تھا کہ کوئی بھی بندہ عنداللہ عبادت گزار اسی وقت شمار ہوتا تھا جب وہ ایک ہزار مہینوں (یعنی ۸۳ سال اور چار مہینے) تک عبادت کرتا۔ (چوں کہ اُمم سابقہ کی عمریں طویل ہوا کرتی تھیں اس لیے اتنے سال تک عبادت کرنا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا) تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت پر آسانی فرماتے ہوئے یہ ایک رات ایسی عطا فرمائی جو ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

پھر علّامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جس نے ایک ہزار مہینوں تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سن کر بڑا تعجب اور رشک ہوا، اس پر یہ سورۂ قدر نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت پر یہ خصوصی احسان فرمایا۔[1]

لیلۃ القدر کی تلاش:

لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخفی رکھی گئی، متعین نہیں کی گئی، اس میں بہت

(۱) مستفاد من تفسير القرطبي / سوة القدر / الآيات من : ٢ إلى ٤.

سی حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر لیلۃ القدر متعین کردی جاتی تو بہت سے بندے اسی کو کافی سمجھنے لگتے اور دیگر ایام میں عبادت میں کوتاہی کرتے۔

ویسے شب قدر کے بارے میں شارحِ بخاری شریف حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۶ / اقوال نقل فرمائے ہیں،[۱] جن میں قریب قریب یہ بات متفق علیہ ہے کہ شب قدر کی یقینی اور متعین تاریخ کسی کو معلوم نہیں، اس لیے یہ اقوال اندازہ اور تخمین کا درجہ رکھتے ہیں، اکثر اہل علم کا مختلف احادیث مبارکہ کے مطابق خیال یہی ہے کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں شب قدر دائر ہوتی ہے، گھومتی رہتی ہے، جن میں زیادہ رجحان ۲۷ کا ہے، کیوں کہ متعدد روایتیں اس سلسلے میں موجود ہیں۔ مثلاً مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے ظن غالب کی بنا پر قسم کھائی کہ شبِ قدر رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ أُبَيٌّ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ: "وَاللهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهَا وَأَكْثَرُ عِلْمِي هِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِيَامِهَا هِيَ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ".[۲]

اسی طرح تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب نکتہ شب قدر کی تعیین کے متعلّق منقول ہے کہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ ''لیلۃ القدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے؟'' سب نے کہا: ''واللہ اعلم''، یعنی کوئی تعیین بیان نہیں کی، مجمع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے، جو سب سے چھوٹے تھے، ان سے پوچھا گیا: ''تم کیا کہتے ہو؟'' تو حضرت

(۱) فتح الباري لابن حجر / كتاب الصوم / باب تحرّي ليلة القدر... الخ : ٤ / ٢٦٦.
(٢) صحيح مسلم / باب الترغيب في قيام رمضان، وهو التراويح. الرقم : ٧٦٢.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''امیر المؤمنین! میں نے لیلۃ القدر معلوم کرنے کے لیے سات کے عدد میں غور کیا، تو وہ عدد اس کے لیے زیادہ موزوں نظر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کیے، زمینیں سات پیدا کیں، طوافِ خانۂ کعبہ کے چکّر سات، سعی میں صفا و مروہ کے چکّر سات، رمی جمرات بھی سات، قرآن کی قرائتیں سات، منزلیں سات، اعضائے سجدہ سات، انسان کی تخلیق کے مراحل سات، سب سے پہلے: "سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ" گیلی مٹی، دوسرا درجہ: "نُطْفَةً، تیسرا: "عَلَقَةً، چوتھا: مُضْغَةً، پانچواں: عِظَامًا، چھٹا: لَحْمًا" اور ساتواں مرحلہ تکمیل کا ہے۔ انسان کی غذا سات چیزیں ہیں: سب سے پہلے: "حَبًّا، پھر "عِنَبًا"، پھر "قَضْبًا"، پھر "زَيْتُوْنًا"، پھر "نَخْلًا"، پھر "حَدَآئِقَ غُلْبًا"، پھر "فَاكِهَةً وَّأَبًّا". (اس میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں، جن میں پہلی سات چیزیں انسان کی غذا اور آخری یعنی "أَبًّا" یہ جانور کی غذا ہے)۔ اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر چیزوں کو اللہ ربّ العزت نے سات کے حساب سے بنایا، اب اگر لیلۃ القدر بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہے تو قوی امکان ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب کو ہوگی۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان کو سراہتے ہوئے مجمع میں موجود لوگوں سے فرمایا کہ تم سب اس بچّے جیسی چیز پیش کرنے سے بھی عاجز ہو۔(۱)

مزید برآں قرآنِ کریم کی سورۂ قدر میں ﴿سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ [القدر:۵] میں "هِيَ" کا لفظ بھی ستائیس کلمات کے بعد آتا ہے، اس سے

---

(۱) معارف القرآن: ٦ / ٣٠٢، سورة المؤمنون.

بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر ستائیس رمضان کو ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ سورۂ قدر میں لفظ ''لیلۃ القدر'' تین مرتبہ وارد ہوا ہے، اور ''لیلۃ القدر'' میں نو حروف ہیں، جن کو تین میں ضرب دینے سے ستائیس ہوں گے، تو اسے بطورِ نکتہ ستائیسویں رات کا عدد مانا جا سکتا ہے۔

بہر حال! احتمال بلکہ غالب گمان تو ستائیس کا ہے، لیکن اس کے علاوہ جن راتوں کا ذکر ہے ان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی کار آمد بات ارشاد فرمائی ہے کہ ''جو بھی شب قدر کے گمان سے شب بیداری کرے گا، رات میں جاگ کر عبادت کرے گا تو "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کے تحت ان شاء اللہ شب قدر کا ثواب پائے گا۔'' (احکامِ اعتکاف، ص: ۶۲)

اسی مفہوم کو کسی فارسی شاعر نے یوں پیش کیا ہے:

اے خواجہ! چہ جوئی ز شبِ قدر نشانی

ہر شب شبِ قدر است گر قدر بہ دانی

یعنی شبِ قدر کی علامات کیا ڈھونڈتے رہتے ہو! اگر بندۂ مؤمن صحیح معنیٰ میں رمضان کی رات کی قدر کرتے ہوئے عبادت کرے تو اس کے لیے وہ رات شبِ قدر سے کم نہیں ہے۔

اور مناسب بھی یہی ہے کہ جب اس کی تعیین کا علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں دیا گیا تو تعیین کے پیچھے پڑنے کے بجائے بندے کی شان یہی ہے کہ رمضان المبارک کی تمام راتوں کو شبِ قدر کی طرح گذارے۔

لیلۃ القدر کی دُعا:

لیلۃ القدر کے متعلّق حدیث میں ہے کہ ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! اگر مجھے علامات کے ذریعے شبِ قدر کا پتا چل جائے تو میں کیا دُعا مانگوں؟''

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: "قُولِي: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي".(۱)

غور کیجیے! کتنا پیارا سوال ہے، حدیث میں ہے کہ "حُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ".(۲) ٹھیک ٹھیک اور اچھے انداز میں سوال کرنا آدھا علم ہے۔ کیوں کہ مطلق سوال کرنا آسان ہے، کوئی بھی کرسکتا ہے، اس کے لیے آدھے علم کی ضرورت نہیں، البتہ بہترین سوال وہی کرسکتا ہے جو مسئلے کا فی الجملہ علم رکھتا ہو، کچھ نہ کچھ جانتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علوم سے فائدہ اُٹھایا اور بعد کے لوگوں تک پہنچایا۔

غرض جب اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں یہ دُعا تلقین فرمائی: "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ، تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي". یہ نہایت ہی جامع اور مفید دعا ہے، دنیا و عقبیٰ کی ساری بھلائیوں اور مطالب خیر پر حاوی اور مشتمل ہے، اس میں دنیا کے لیے عافیت اور آخرت کے لیے مغفرت طلب کی گئی ہے، کیوں کہ شب قدر در اصل شب عافیت و شب مغفرت ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا بھی ایسی تلقین فرمائی جس میں عافیت اور مغفرت کا سوال ہے، حدیث میں ہے:

(۱) سنن الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله صلّى الله عليه وسلم. الرقم : ۳۵۱۳.
(۲) مسند الشهاب / باب حسن السؤال نصف العلم : ۱ / ۵۳.

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَليهِ وَسَلَّمَ : "مَا سَأَلَ العِبَادُ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ أَن يَّغْفِرَ لَهُمْ، وَيُعَافِيَهُمْ".(۱)

''بندوں نے عافیت اور مغفرت سے افضل وبہتر کوئی سوال نہیں کیا۔''

اور دعائے شب قدر میں یہی تو سوال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم العصر مولانا شاہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ ''اس دُعا میں پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان فرمائی، کیوں کہ "ثَنَاءُ الْكَرِيْمِ دُعَاءٌ" کریم کی تعریف کرنا بھی اُس سے مانگنا ہے، اور جو چیز کریم سے لینی ہوتی ہے تعریف اسی صفت سے کی جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اُمّت کو معافی دِلوانا چاہتے تھے، اس لیے صفت عفو کا واسطہ دیا کہ "اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ، أَيْ: إِنَّكَ أَنْتَ كَثِيْرُ الْعَفْوِ". یعنی اے ربِ کریم! آپ تو بہت ہی زیادہ معاف کرنے والے ہیں۔ اور بعض روایات میں لفظ "كَرِيْمٌ" کا اضافہ بھی ہے، اور "كَرِيْمٌ" اس لیے فرمایا تاکہ اُمّت کے گنہگار بندے بھی محروم نہ رہیں، اس لیے کہ "كَرِيْمٌ" کے معنیٰ ہیں: "اَلَّذِيْ يُعْطِيْ بِدُوْنِ الاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّةِ". کریم وہ ذات ہے جو نالائق پر بھی کرم فرمائے، اگرچہ وہ مستحق نہ ہو۔ اور "تُحِبُّ الْعَفْوَ" کے معنیٰ ہیں: "أَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰى عِبَادِكَ". ربِ کریم! اپنے بندوں کو معاف کرنا یہ آپ کا بہت ہی زیادہ پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، تو بس اب آپ اپنا محبوب عمل ہم گنہگاروں پر جاری فرما کر ہمیں معاف فرما دیجیے۔'' (از: ''مواہب ربانیہ'' ص: ۹۰)

علّامہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) مسند البزار / حديث أبي الدرداء رضي الله عنه، ۱۰ / ۳۰، الرقم : ۴۰۹۰.

اے محب عفو! از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناسورِ کہن!

اے عافیت اور مغفرت کو پسند کرنے والے ربِ کریم! ہماری خطاؤں کو معاف فرما، اور اے پرانے ناسور (رِستے ہوئے زخم) کی تکلیف کو دور کرنے والے! ہمارے تمام امراضِ رَذیلہ کو دور فرما کر ہمیں شفا عطا فرما۔ الغرض! دُعائے شب قدر نہایت جامع و نافع دُعا ہے، اگر قبولیت کی اس رات میں یہ نبوی دُعا قبول ہوگئی تو بس کام بن گیا! اس لیے کہ اس کریم کی شانِ کریمی بڑی عجیب ہے، وہ ایک مرتبہ معاف کر کے کسی کو محبوب بنا لیتے ہیں تو پھر کبھی مردود نہیں فرماتے، بلکہ لوگوں میں بھی اس کو محبوب بنا دیتے ہیں۔

ایک حیرت انگیز واقعہ:

روایتوں میں ایک حیرت انگیز واقعہ منقول ہے کہ سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانے میں ایک نہایت سرکش اور بدکار نوجوان تھا، ساری بستی اس سے حیران و پریشان تھی، ایک مرتبہ لوگوں نے تنگ آکر اُسے بستی سے نکال دیا، یہ نوجوان آبادی سے باہر کسی ویران میدان میں جا کر رہنے لگا، جہاں اس کی موت واقع ہو گئی، اِدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ”ہمارے ایک ولی کا جنگل میں فلاں مقام پر انتقال ہو گیا ہے، تم جلدی جاؤ، اسے غسل کراؤ، اس کی نمازِ جنازہ پڑھاؤ اور اعلان کرو کہ جو اس جنازے میں شرکت کرے گا وہ مغفرت کا حقدار ہو جائے گا۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا تو بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے، لیکن اس مقام پر پہنچے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا

ولی کوئی اور نہیں بلکہ وہی فاسق نوجوان ہے جس سے تنگ آکر ہم نے اُسے بستی سے نکال دیا تھا! سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت تعجب ہوا، بارگاہِ الٰہی میں راز معلوم کرنا چاہا، تو وحی کے ذریعے بتایا گیا: ''موسیٰ! لوگ سچ کہتے ہیں، یہ فاسق، فاجر اور بدکار ہی تھا، لیکن جب لوگوں نے اس کو بستی سے نکال دیا تو یہ بالکل ہی بے سہارا ہو گیا، اس جنگل میں موت سے قبل سچّی توبہ کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہنے لگا:

"إِلٰهِيْ! عَبْدٌ مِنْ عِبَادِكَ، غَرِيْبٌ فِيْ بِلاَدِكَ، لَوْعَلِمْتُ أَنَّ عَذَابِي يَزِيْدُ فِيْ مُلْكِكَ، وَعَفْوَكَ عَنِّيْ يَنْقُصُ مِنْ مُلْكِكَ، لَمَا سَأَلْتُكَ الْمَغْفِرَةَ، وَلَيْسَ لِيْ مَلْجَأٌ، وَلاَ رَجَاءٌ إِلاَّ أَنْتَ، وَقَدْ سَمِعْتُ فِيْ مَا أَنْزَلْتَ إِنَّكَ قُلْتَ: "إِنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ". فَلاَ تُخَيِّبْ رَجَائِيْ".

اللہ العالمین! میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، تیری سلطنت میں اجنبی ہوں، الٰہی! اگر میں یہ جان لیتا کہ مجھے عذاب دینا تیری سلطنت کو بڑھائے گا اور معاف کرنا گھٹائے گا، تو میں تجھ سے بخشش اور مغفرت ہی طلب نہ کرتا، (لیکن) تیرے سوا میرا کوئی ٹھکانہ اور سہارا بھی کہاں؟ تو نے اپنی کتاب میں جو فرمایا ہے کہ ''میں بڑا غفور ورحیم ہوں'' اسے میں سن چکا، میرے مولیٰ! تو مجھے ناامید نہ فرما۔''

(از: ''سیلابِ مغفرت''، ص: ١٢١)

حق تعالیٰ نے اس دُعا کے بعد صرف اسے معاف ہی نہیں کیا، بلکہ اپنا ولی بھی بنالیا۔ سبحان اللہ!

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے، رہروِ منزل ہی نہیں

میرے بھائیو! شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی راہ صرف کھلتی ہی نہیں، بلکہ بہت مختصر اور آسان بھی ہوجاتی ہے، اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو رمضان المبارک اور لیلۃ القدر کی صحیح معنیٰ میں قدردانی سے نوازیں، ان مبارک اوقات میں ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادات کی توفیق نصیب فرمائیں، لغو اور لہو سے ہم تمام کو محفوظ فرمائیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ.

آسان دین Aasan Deen Media Services

لیلۃ الجائزہ

عظمت و فضیلت

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَعَ لِعِبَادِهِ صِيَامَ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَجَعَلَهُ أَحَدَ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ أَفْضَلِ مَنْ صَلّٰى وَصَامَ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ البَرَرَةِ الكِرَامِ. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾ [البقرة : ١٨٥]

وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾﴾ [الحجر : ٤٩ - ٥٠]

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى :

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿٧﴾﴾ [إبراهيم:٧]

وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ"(١)

صَدَقَ اللهُ العَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الكَرِيْمُ.

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایے تلے
حشر تک سونا ہے خاک کے سایے تلے

---

(١) صحيح البخاري / باب قول الله تعالىٰ : يريدون أن يبدلوا ... الخ، الرقم : ٧٠٥٤.

تمہید:

میرے محترم عزیزو اور دوستو! اللہ عزّوجلّ نے ہمیں رمضان المبارک کا بہت قیمتی مہینہ عنایت فرمایا تھا جو ہماری ٹوٹی پھوٹی اور کوتاہیوں والی عبادات کے ساتھ بڑی تیزی سے رُخصت ہوگیا، پلک جھپکنے کی سی تیزی سے ختم ہوگیا، پانی کی رَوانی کی طرح بہہ گیا، شعلے کی طرح یکا یک جل کر بجھ گیا۔ آج کی اس رات کو''لیلۃ الجائزہ'' کہا جاتا ہے، عربی زبان میں ''جائزۃ'' کے معنیٰ ہیں انعام، اس رات میں چوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی پورے مہینے کی عبادت کو شرفِ قبول عطا فرما کر ان کے لیے مغفرت کا اعلان فرما دیتے ہیں اس لیے اس رات کو''لیلۃ الجائزہ'' کہا جاتا ہے۔ اس رات کے بھی بہت سے فضائل مختلف احادیث مبارکہ میں وارد ہیں، تو اب ہم اس رات کی مناسبت سے بات کریں گے۔

روزوں کے مکمّل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر:

رمضان المبارک کے مکمّل ہونے پر ہمیں سب سے پہلا کام جو کرنا ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اس بابرکت مہینے کے روزوں کی توفیق عطا فرمائی، اسی کی توفیق سے ہم نے رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح کا اہتمام کیا، اپنی مقدور بھر کوشش کے مطابق قرآنِ پاک کی تلاوت کی، اعتکاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں نے اعتکاف کیا، یہ تمام عبادتیں جو ہم نے اپنی طاقت کے مطابق ادا کیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کیں، تو اب اس موقع پر ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ یا اللہ! آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ رمضان

المبارک جیسے عظیم الشان مہینے کی نعمت سے ہمیں مالا مال فرمایا، ایسا مہتم بالشان مہینہ جس کی تمنّا اور دُعا امام الانبیا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

اس شکر کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان نعمتوں میں اضافہ فرمائیں گے، خطبے میں جس آیت کریمہ کو پڑھا گیا اس میں اللہ تعالیٰ اپنا ضابطہ بیان فرمارہے ہیں کہ اے میرے بندو! اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تمھارے لیے نعمتوں میں اضافہ کرتا رہوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی نہایت سخت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے بطورِ نعمت عطا فرمایا، ہمارا اس میں کوئی استحقاق نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے فضل سے یہ مہینہ عطا فرمایا، لہٰذا اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ہمیں اگلے سال پھر اللہ تعالیٰ یہ مبارک مہینہ عطا فرمائیں گے اور اس میں توفیق عبادت سے نوازیں گے۔ ان شاء اللہ۔

شکر کی اہمیت:

اعمالِ صالحہ میں شکر کی اہمیت بہت زیادہ ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے بندوں کو شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصاف میں بھی شکر کے وصف کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾﴾ [النحل:۱۲۱]

’’(حضرت ابراہیم) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں چن (کر اپنی بارگاہ میں خاص برگزیدہ بنا) لیا اور انھیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمادی۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن اوصاف کو بیان فرمایا ان میں نعمتوں کے شکر کو بھی خاص طور پر بیان فرمایا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝٣﴾ [الإسراء:۳]

”(اے) ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) اٹھالیا تھا، بے شک نوح (علیہ السلام) بڑے شکر گزار بندے تھے۔“

نیز حضرت داود علیہ السلام کو نبوت و رسالت اور سلطنت عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مع اہل خانہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝١٣﴾ [سبأ:۱۳]

اے آلِ داود! (اللہ کا) شکر بجالاتے رہو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوئے ہیں۔“

یہاں حضرت داود علیہ السلام کو شکر کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے کنبے کے ساتھ دیا گیا، یعنی تمام مل کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، پھر اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ شکر کی یہ صفت بہت کم بندوں میں پائی جاتی ہے۔

ادائے شکر کی انواع:

ہماری روزمرّہ کی گفتگو میں جب ہم شکر کا لفظ سنتے ہیں تو عموماً یہی سمجھتے ہیں کہ صرف زبان سے شکریہ (Thanks) کہہ دینا ہی شکر کے لیے کافی ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں شکر کا مفہوم بہت وسیع ہے، جس میں بندوں کی بہ نسبت شکر تین طرح کا ہوتا ہے:

(۱) الشُّكْرُ بِاللِّسَانِ:

زبان سے شکر ادا کرنا، مثلاً کسی نے کوئی احسان کیا تو اس کو "جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا" کہنا، یہ بھی شکر کی ایک قسم ہے، اس کی بھی بڑی اہمیت ہے، حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: "جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا"، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ".(۱)

''حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے ساتھ کسی احسان کا سلوک کیا جائے اور وہ بندہ احسان کرنے والے کو "جَزَاكَ اللهُ" کہہ دے تو اس نے گویا محسن کی بہت تعریف کی۔''

میرے بھائیو! لفظ "جَزَاكَ اللهُ" ہمیں بولنے میں معمولی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے معنیٰ میں غور کرنے سے پتا چلے گا کہ یہ درحقیقت احسان مند بندے کی جانب سے اپنی عاجزی کا اعتراف ہے کہ وہ احسان کرنے والے بندے سے یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کے احسان کا بدلہ میں تو کیا دے سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے احسان کا مکمّل بدلہ عطا فرما سکتے ہیں، تو گویا لفظ "جَزَاكَ اللهُ" کہنے والا بندہ محسن کے بدلے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہا ہوتا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نیک کام کا بدلہ عطا فرمائیں تو وہ بے حساب ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے فرمایا ہے:

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الثناء بالمعروف، الرقم : ۲۰۳۵.

"إِذَا قَصُرَتْ يَدَاكَ بِالْمُكَافَأَةِ، فَلْيَطُلْ لِسَانُكَ بِالشُّكْرِ وَالدُّعَاءِ".(۱)

یعنی جب آپ کے ہاتھ کسی کے احسان کا بدلہ نہ دے سکیں، یعنی عملی طور پر ہم کسی کے احسان کے بدلے میں اس پر احسان نہ کرسکیں، جو کہ مطلوبِ اوّل ہے، تو کم ازکم زبان ہی کے ذریعے اس کا شکر ادا کر دیجیے اور اس کے لیے دُعا کر دیجیے۔

عام طور پر اس بات کو معمولی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ مؤمن بندے کی دُعا ہے، جس پر آمین کہنا چاہیے، ہمارے بہت سے بھائی اس حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے "جَزَاكَ اللهُ" کے جواب میں کہتے ہیں: ''نہیں، نہیں، کوئی بات نہیں''۔ یہ غلط ہے، "جَزَاكَ اللهُ" الفاظِ دُعا ہیں، لہٰذا اس پر آمین کہنا چاہیے۔

یہ شکر کی پہلی قسم ہے جس میں زبان کے ذریعے بندہ شکر ادا کرتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کا شکر دونوں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر باللسان یعنی زبان کے ذریعے شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اس کی خوب حمد وثنا بیان کی جائے اور جو نعمت عطا ہوئی ہے اس کو بطورِ تحدیث نعمت بیان کیا جائے، بشرطیکہ اس میں فخر اور اپنی بڑائی کا شبہ نہ ہو۔

(۲) الشُّكْرُ بِالْجَنَانِ:

شکر کی دوسری قسم الشکر بالجنان ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ دِل سے بھی شکر ادا کرے، جس بندے نے ہم پر کوئی احسان کیا ہو اگر وہ سامنے موجود نہ ہو تو اس کا دِل سے شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر بھی اس کا دِل سے شکر ادا کرنا چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ بندہ اُن نعمتوں کے متعلّق ہمیشہ اس بات کا اپنے دِل میں خیال رکھے کہ ان نعمتوں کے حصول میں اس کا اپنا ذاتی طور پر کوئی کمال نہیں ہے، تمام نعمتیں

(۱) تحفة الأحوذي / أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الثناء بالمعروف: ٦ / ١٥٦.

صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئی ہیں، بندہ ان تمام نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرے، نہ کہ اپنی ذات یا اپنے کمال کی جانب۔ کیوں کہ کسی بھی نعمت کی نسبت اپنی جانب کرنا اور اسے اپنا کمال سمجھنا یہ ناشکروں اور متکبرین کی عادت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے متکبرین کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾﴾ [الزمر:۴۹]

’’پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے (میرے) علم و تدبیر (کی بنا) پر ملی ہے، بلکہ یہ آزمائش ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

معلوم ہوا کہ کسی بھی نعمت کو اپنا ذاتی کمال سمجھنے کے بجائے اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کا شکر بالجنان یعنی دِل سے شکر ادا کرنا ہے۔

(۳) الشُّکْرُ بِالأَرْکَانِ:

شکر کی تیسری قسم الشکر بالارکان ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اَعضا و جوارِح ظاہرہ کے ذریعے بھی شکر ادا کرے، اس میں بھی دونوں طرح کے شکر داخل ہیں، بندوں کا شکر اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً کسی نے ہمارا کوئی ایسا کام کر دیا جو اسی سے ہو سکتا تھا، تو ہم بھی اس بندے کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کا کوئی کام کر دیں، اور اعضا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ بندہ تمام اعمالِ ظاہرہ میں ہر مامور کا امتثال اور ہر محظور سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی ہر چیز سے رُک جائے۔

علّامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کی ان تینوں قسموں کو بہت مختصر انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

"الشُّكْرُ: ظُهُورُ أَثَرِ نِعْمَةِ اللهِ عَلىٰ لِسَانِ عَبدِهِ ثَنَاءً وَاعتِرَافًا، وَعَلىٰ قَلبِهِ شُهُودًا وَّمَحَبَّةً، وَعَلىٰ جَوَارِحِهِ انقِيَادًا وَطَاعَةً."(۱)

''اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ بندے کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نعمتوں کا اعتراف جاری رہے، بندے کا دِل بھی اس کے فضل اور محبّت کی گواہی دے، نیز بندے کے اعضا سے شکر بشکل اطاعت وفرماں برداری ظاہر ہو۔''

طاعت وعبادت پر استقامت:

حاصل یہ کہ ہمیں اس مبارک رات کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اس نے ہمیں اس بابرکت مہینے میں عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ اور چوں کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود بتقاضائے بشریت (انسان ہونے کے ناطے) ہماری عبادتوں میں کوتاہیاں ضرور رہتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کرنی ہے کہ اے اللہ! ہماری کوتاہیوں کے سبب ہمیں آئندہ رمضان کی برکات سے محروم نہ فرما، اور جس طرح رمضان میں ہمیں عبادت کی توفیق دی اور گناہوں سے دور رکھا اسی طرح پورے سال بھی ہماری یہی حالت بنی رہے ایسی استقامت ہمیں نصیب فرما! ہمیں صرف رمضانی مسلمان نہیں بننا ہے، یعنی عارضی طور پر ایک مہینے کے لیے کچھ عبادتیں کرلیں اور مہینہ پورا ہوتے ہی پھر اپنی اصل حالت پر لوٹ آئیں ایسا نہ ہو، ہمیں اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت پر استقامت اختیار کرنی ہے، کیوں کہ رمضان المبارک میں ہماری عبادات

(۱) موسوعة شرح أسماء الله الحسنىٰ / باب الشكور يحب الشاكرين، ج: ۱/ ص: ۵۶۰.

اللہ تعالیٰ کے لیے تھیں، رمضان کے لیے نہیں، تو رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم نے عبادات کیں وہ حیّ و قیوم ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اس لیے اسے راضی رکھنے کے لیے ہماری طاعت وعبادات کا سلسلہ بھی مرتے دَم تک باقی رکھنا ہے۔

ربّانی بنو، رمضانی نہیں:

اس مناسبت سے مجھے امام الحرم شیخ سعود الشریم کا ایک خطبہ یاد آرہا ہے جو اُنھوں نے غالباً عید کے دِن یا عید کے بعد والے دِن پیش فرمایا تھا، اس خطبے میں اُنھوں نے ایک بہت نکتے کی بات کہی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دُنیا سے پردہ فرما گئے، تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کہرام مچ گیا، غم کے گویا پہاڑ ٹوٹ پڑے، ہر ایک حواس باختہ تھا، کسی کا دِل اس خبر کے ماننے کو تیّار نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمادیا کہ اگر کوئی کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں تو میں اس کی گردن اُڑا دوں گا، اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑا مقام عطا فرمایا تھا، جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّد الانبیا ہیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیّد الصحابہ ہیں، آپ موقع کی نزاکت کو اپنی فراست ایمانی سے بھانپ گئے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دیتے ہوئے ایک خطاب فرمایا، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ سُن لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ آیت کریمہ پڑھی جس

میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انْقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـــًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ﴿۱۴۴﴾﴾ [آل عمران : ١٤٤]

”اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا) آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر (مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات فرما جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنے (پچھلے مذہب کی طرف) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یعنی کیا ان کی وفات یا شہادت کو معاذ اللہ دینِ اسلام کے حق نہ ہونے پر یا ان کے سچے رسول نہ ہونے پر محمول کرو گے؟) اور جو کوئی اپنے الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ عنقریب (مصائب پر ثابت قدم رہ کر) شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔“(۱)

اس واقعے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امام کعبہ نے یہ فرمایا تھا:

"مَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَمَضَانَ فَإِنَّهُ قَدْ وَلّٰى، وَانْقَضٰى، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ هُوَ رَبُّ الشُّهُوْرِ كُلِّهَا، فَبِئْسَ الْقَوْمُ لَا يَعْرِفُوْنَ اللهَ إِلَّا فِيْ رَمَضَانَ".

کہ جو شخص رمضان المبارک کی عبادت کرتا تھا تو وہ مہینہ ختم ہو چکا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے، یعنی ہمیشہ قائم و دائم اور زندہ و جاوید ہے، اس کو کبھی موت نہیں آئے گی، وہ سارے ہی مہینوں کا رب ہے، بہت بُری ہے وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کو صرف رمضان میں پہچانتی ہے۔

---

(١) صحيح البخاري / الرقم : ٣٦٦٧.

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم جس طرح رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور رمضان المبارک کے جو ہمارے معمولات تھے ان میں کمی نہ آئے بلکہ استقامت کے ساتھ تمام معمولات پر جمے رہیں۔

بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ ہمارے کچھ بھائی اس بابرکت رات میں بے دینی اور فسق و فجور کی پلاننگ کرتے ہیں کہ رمضان کی وجہ سے رُکا ہوا تھا، اب رمضان ختم ہو گیا ہے تو ٹی وی اور موبائل فون پر فلمیں اور حیا سوز مناظر دیکھوں گا، ڈاڑھی صاف کرلوں گا، وغیرہ، ہم نے کئی گھروں میں بذاتِ خود دیکھا ہے کہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی ٹی وی کو کپڑے یا پردے سے ڈھانپ لیتے ہیں اور بڑے خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے رمضان المبارک کا لحاظ کر کے ٹی وی بند کر دیا ہے، یعنی نیت پہلے ہی سے یہ ہوتی ہے کہ رمضان کب ختم ہو اور ہم ٹی وی چلائیں! میرے بھائیو! جو گناہ کا کام رمضان المبارک میں گناہ ہے وہ بہر حال رمضان کے بعد بھی گناہ ہی ہے، لہٰذا جس طرح رمضان میں گناہوں سے پرہیز کرتے تھے اسی طرح رمضان کے بعد بھی ہماری یہ حالت برقرار رہنی چاہیے، تب ہی تو رمضان المبارک کی عبادات اور مجاہدات کا ہمیں فائدہ ہوگا، ورنہ صرف بھوکے رہنے سے کیا حاصل؟

توبہ اور اعمال کی قبولیت:

اس رات کو ہمیں دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سچّی اور پکّی توبہ کریں کہ اے اللہ! گناہوں سے بچنے کی بہت کوششوں کے باوجود اس ماہِ مبارک میں ہم سے ایسے بھی کئی گناہ سرزد ہو گئے ہیں جنھیں صرف تو جانتا ہے، ہم تو گناہ کر کے بھول جاتے ہیں، تو اُن گناہوں کو بھی معاف فرما دے جنھیں ہم نہیں جانتے، اسی طرح

روزوں میں، تراویح میں، سحر و اِفطار میں جتنی کوتاہیاں ہم سے ہوئی ہوں اُن سب کو بھی تو معاف فرمادے۔

نیز اس مبارک مہینے میں ہم نے اپنی طاقت وقدرت کے مطابق جو کچھ اعمالِ صالحہ کیے ہیں ان کی قبولیت کے لیے دُعا کریں، اصل چیز اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال کا قبول ہونا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ [فاطر:۱۰]

”پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل (کے مدارج) کو بلند فرماتا ہے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوتے ہیں اور اُن اعمال کے درجات کو بڑھایا جاتا ہے۔

ہمارے جو بھائی تبلیغ کی محنت سے وابستہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے متعلّق علمائے کرام وصلحائے عظام بہت سادہ اور سہل انداز میں سمجھاتے ہیں کہ بندے کا عمل قبول ہونے کے لیے پانچ چیزیں ضروری ہیں: (۱) اللہ والا دھیان (۲) کلمے والا یقین (۳) اِخلاص والی نیت (۴) فضائل والا علم (۵) مسائل والی شکل۔

(۱) پہلی چیز یعنی اللہ والا دھیان یہ ہے کہ جو عمل بندہ کر رہا ہو اس میں اس بات کا خیال اور استحضار ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور اسے دیکھ رہا ہوں، اسے صفت احسان کہا جاتا ہے، جیسے حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ". (۱)

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الإيمان / باب سوال جبريل، الرقم : ٥٠.

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ احسان کے کیا معنیٰ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ گویا آپ اُسے دیکھ رہے ہیں، اگر آپ (حقیقۃً) نہیں دیکھ پا رہے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ تو آپ کو دیکھ ہی رہے ہیں۔

تو اس میں احسان کے دو درجے بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ اس تصوّر کے ساتھ عبادت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور جب خادم آقا کو دیکھ رہا ہو تو خادم کے کام کی کیفیت ہی بدل جایا کرتی ہے، اسی طرح اللہ کے بندے کو بھی چاہیے کہ اسی استحضار کے ساتھ عبادت کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ''مقامِ مشاہدہ'' کہلاتا ہے۔

احسان کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر بندے کو پہلے درجے والی کیفیت نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ ''مقامِ مراقبہ'' کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝٤﴾ [الحدید:٤]

''وہ (اللہ) تمھارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو (اُسے) خوب دیکھنے والا ہے۔''

اور جب مالک اپنے خادم کو دیکھ رہا ہو تو خادِم ادنیٰ سی کوتاہی سے بھی پرہیز کرتا ہے، تو ہمارے اعمالِ صالحہ بھی اسی استحضار کے ساتھ ہونے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں اللہ والا دھیان۔

(۲) دوسری چیز کلمے والا یقین، یعنی ہماری عبادت اس بات کے یقین کے

ساتھ ہو کہ تمام عبادتوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے عمل میں اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ کسی بھی طرح شرک فی الذات یا شرک فی الصفات کا شائبہ بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

(۳) تیسری ضروری چیز اِخلاص والی نیت، یعنی عمل سے پہلے نیت کو تمام دُنیوی اغراض سے پاک رکھیں، عمل صالح سے ہماری نیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، اس کے علاوہ اور کوئی نیت نہ ہو، ورنہ وہ عمل جو بظاہر عمل صالح معلوم ہوتا ہے درحقیقت ریاکاری شمار ہوگا، ایسے عمل پر ثواب تو درکنار بلکہ مؤاخذے کا خوف ہے۔ اور رِیا کی قباحت اتنی خطرناک ہے کہ بعض احادیث مبارکہ میں اُسے شرکِ خفی قرار دیا گیا ہے،[1] یعنی ایسا شرک جو نظر نہیں آتا، لیکن اللہ تعالیٰ چوں کہ بندوں کے دِلوں کی باتوں کو بھی اچھّی طرح جانتے ہیں اس لیے اس کے سامنے ایسی مخفی چیزیں بھی چھپ نہیں سکتیں۔

بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ ہم میں سے ایک بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے لیکن اس اندرونی قباحت کا کبھی ہمارے دِلوں سے گذر تک نہیں ہوتا، مثلاً حاجی صاحب جو کئی مرتبہ حج کر کے آئے ہیں، وہ اپنے یہاں آنے والے مہمانوں کے سامنے اپنے حج شمار کروانے کے لیے خادِم سے علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ زَم زَم کا پانی اس کین میں لے آؤ جو ہم آٹھویں حج کے موقع پر لائے تھے، یہاں مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں آٹھ مرتبہ حج کر چکا ہوں، ظاہر ہے کہ اس ایک جملے سے آٹھ حج کے ثواب کو آٹھ سیکنڈ میں ضائع کر دیا۔

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الزهد / باب الرياء والسمعة / الرقم : ٤٢٠٤.

ایک عبرت آموز حکایت:

رِیا کاری کے متعلّق حضرت شیخ سعدیؔ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہورِ آفاق کتاب ''گلستان''[1] میں ایک نہایت عبرت آموز حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک بزرگ کی کسی بادشاہ نے اپنے یہاں مہمان نوازی کی، مقرّرہ دِن بزرگ اپنے ساتھ خدمت کے لیے اپنے ایک بیٹے کو ساتھ لے گئے، جب بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے شاندار استقبال کیا، خیریت دریافت کی، پھر دینی مذاکرات اور بات چیت میں مشغول ہو گئے، جب کھانے کا وقت ہوا تو بادشاہ کے خادموں نے طرح طرح کے لذیذ کھانے بُزرگ کی خدمت میں پیش کیے، لیکن بُزرگ نے بہت ہی کم کھایا، پھر جب نماز کا وقت ہوا تو نماز بھی بڑی لمبی اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی، پھر واپسی پر بادشاہ نے ڈھیر سارے ہدایا وتحائف دے کر بُزرگ کو رُخصت کیا۔ جب گھر آئے تو بُزرگ اپنے بیٹے سے کہنے لگے کہ بیٹا! ''ذرا کھانا لے آؤ! بادشاہ کے سامنے میں نے زیادہ نہیں کھایا، تاکہ ان کی عقیدت بڑھانے میں کچھ کام آسکے! تو صاحب فراست بیٹے نے بڑا عمدہ جواب دیا کہ ''ابّا جان! نماز بھی تو دُہرا لیجیے! اس لیے کہ وہ بھی تو اسی لیے لمبی پڑھی تھی کہ کچھ کام آسکے! اللہ تعالیٰ کے یہاں تو یہ نماز کام آئے گی نہیں۔

(۴) چوتھی ضروری چیز ہے فضائل والا علم، یعنی اعمالِ صالحہ کے فضائل علمائے کرام سے خوب معلوم کریں، تاکہ اعمالِ صالحہ کا دِل میں شوق اور جذبہ پیدا ہو، انسان فطری طور پر اپنے ہر عمل کے بارے میں یہ سوچتا ہے کہ مجھے اس کے کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ پھر جو عمل جس قدر فوائد کا حامل ہوتا ہے اسے انسان اسی قدر شوق اور جذبے

(۱) گلستانِ سعدی/ باب دوم در اخلاقِ دُرویشاں/ صفحہ: ۷۰۔

کے ساتھ انجام دیتا ہے، اس کے پیچھے خوب وقت لگاتا ہے، تو جب ہمیں اعمالِ صالحہ کے فضائل معلوم ہوں گے تو ان کو کرنے کے لیے ہمارا دِل فوراً آمادہ ہوجائے گا۔

(۵) پانچویں ضروری چیز ہے مسائل والی شکل، یعنی عمل صالح قبول اسی وقت ہوگا جب وہ شریعت مطہرہ کی بیان کردہ شرائط وضوابط کی پابندی کے ساتھ کیا جائے، ورنہ عمل باطل ہوجائے گا، بلکہ بسااوقات عمل بدعت بھی بن جاتا ہے، مثلاً فرض نمازوں کی رکعات کے لیے جو تعداد شریعت مطہرہ کی جانب سے طے ہے اسی کے مطابق اُنھیں پڑھنا ہے، ان میں ہماری مرضی کے مطابق کمی زیادتی نہیں کرسکتے کہ عصر کی نماز دو رکعات پڑھ لیتا ہوں اور مغرب کی چار پڑھوں گا۔ اگر ایسا کیا تو یہ نماز باطل ہوگی اور بندہ گنہگار ہوگا۔

سحبانِ شیراز حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نہ بر حکمِ شرع آب خوردن خطاست

وگر خوں بہ فتویٰ بریزی رواست (۱)

یعنی شریعت کی اجازت کے بغیر پانی پینا بھی غلطی اور گناہ ہے، لیکن شریعت کی ہدایت اور دائرے میں رہتے ہوئے تو خون بہانا بھی، یعنی جہاد وقربانی وغیرہ نہ صرف جائز بلکہ عبادت ہے۔

حاصل یہ کہ ہمیں اعمالِ صالحہ میں ان پانچوں امور کا خوب دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ بہت سی اندرونی خرابیاں بندے میں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا خود بندے کو پتا نہیں چلتا۔

---

(۱) بوستانِ سعدی/ باب اوّل در عدل ورائے وتدبیر جہاں داری/ صفحہ: ۲۵۔

اعمال کی قبولیت کے لیے دُعا:

میرے بھائیو! اس بابرکت رات میں ہمیں جو اہم کام کرنے ہیں ان میں سے ایک بہت ہی اہم عمل دُعا کا ہے، پورا مہینہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے روزے مکمّل کیے، تراویح پڑھی، قرآنِ پاک کی تلاوت کی، نوافل پڑھیں، غرض حسب توفیق تمام بندوں نے عبادت کی، تو اب اس آخری رات میں جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے عید کی صبح انعام دیا جائے گا تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ان عبادتوں کی قبولیت کے لیے دُعا مانگیں، اعمالِ صالحہ کرتے ہوئے اور اور ان کے مکمّل ہونے کے بعد قبولیت کی دُعا کرنا حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب وہ دونوں باپ بیٹے مل کر بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو اُن کی زبان پر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کے یہ کلمات جاری تھے:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾﴾ [البقرة : ١٢٧]

”اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما لے، بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کرنی ہے کہ اے اللہ! ہم نے اپنی طاقت کے مطابق ٹوٹی پھوٹی اور کوتاہیوں والی کچھ عبادتیں کی ہیں، جنھیں تو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما لے۔

اعمال کی قبولیت کے لیے جب ہم دُعا مانگیں تو ہمارے دِل میں اس بات کا اعتراف ہونا بھی بہت ضروری ہے کہ ہماری عبادتیں کوتاہیوں سے خالی نہیں ہیں، اُنھیں قبول کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔

اعمالِ صالحہ پر ناز نہ ہو اور مایوسی بھی نہ ہو:

میرے بھائیو! پھر یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ اپنی عبادت پر کبھی بھی ناز نہ کرے، اپنی عبادت کو ہمیشہ کم سمجھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق بندے کبھی مکمّل تو ادا کر ہی نہیں سکتے، لہٰذا کسی بھی عمل پر بندے کو ناز برداری کی گنجائش ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے دربار میں بندے کو نیاز ہی زیب دیتا ہے، کوئی بھی عمل کر کے بندہ یہ ہرگز نہ سوچے کہ بہت بڑا تیر مار لیا، عربی زبان میں اس موقع پر ایک جملہ بولا جاتا ہے: "صَلَّىٰ الحَائِكُ رَكْعَتَيْنِ وَانتَظَرَ الوَحْيَ". یعنی جولاہے نے دو رکعات نماز کیا پڑھ لی، بس خود کو نبی خیال کر کے وحی کا انتظار کرنے لگا! ہمیں دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت کے دوران یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہمیں عمل کرتے کرتے ڈرنا ہے اور ڈرتے ڈرتے کرنا ہے، پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمارا کوتاہی والا عمل قبول ہوگا یا نہیں، لہٰذا اپنی کسی بھی عبادت پر نازاں نہ ہوں۔

اسی طرح عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات سے قبولیت کی اُمید بھی قوی ہونی چاہیے کہ بہت سی کوتاہیوں کے باوجود میرا عمل اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائیں گے، مایوسی نہ ہو کہ پتا نہیں یہ تیس روزے میں نے رکھ تو لیے، لیکن اتنی ساری کوتاہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُنھیں قبول فرمائیں گے؟ یہ مایوسی ہے، اور جو بندہ مایوس ہو جاتا ہے اُسے عبادات پر استقامت نصیب نہیں ہوتی، وہ ہر وقت یہ سوچتا ہے کہ میں نے اتنی نمازیں پڑھ لیں، اتنے روزے رکھ لیے، لیکن مجھ میں کوئی روحانی تبدیلی تو نظر نہیں آ رہی، میرا دِل تو پہلے ہی کی طرح سخت ہے، مجھے دُعا میں رونا نہیں آتا، تو اب ان عبادتوں کا کیا فائدہ؟ یہ سوچ کر بندہ اعمالِ صالحہ اور عبادات کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مایوسی کا

نقصان ہے۔

یہاں یہ بات دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ اعمالِ صالحہ کا اثر بندے کے اندرون میں بتدریج ہوتا ہے، آہستہ آہستہ اعمالِ صالحہ کا اثر محسوس ہوتا ہے، کچھ دِنوں کی عبادت کے بعد کچھ محسوس نہ ہو تو اس کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کر دیں۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ڈیڑھ دو سالہ چھوٹا سا بچّہ جسے روزانہ اس کے والدین اچھّا کھانا کھلاتے ہیں، اس کی پرورش کی جانب خوب متوجّہ رہتے ہیں، اگر وہ روزانہ اس بچّے کو دیکھتے رہیں کہ بڑا ہوا یا نہیں؟ تو اُنھیں کچھ بھی تبدیلی محسوس نہیں ہوگی، حالانکہ بچّے میں روزانہ بتدریج افزائش کا سلسلہ غیر محسوس طور پر جاری ہے، رفتہ رفتہ کچھ نہ کچھ بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، لیکن والدین کو اس کا پتا نہیں چلتا، لیکن ایسے رِشتے دار جو سال دو سال میں کبھی کبھی آتے ہوں تو وہ دیکھ کر فوراً کہیں گے کہ ماشاء اللہ ! یہ بچّہ تو بہت بڑا ہو گیا۔

لہٰذا اعمالِ صالحہ کی تاثیر ہمیں فوری طور پر کچھ نظر نہ آئے تو اس سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معمولات کو استقامت کے ساتھ دوامی طور پر جاری رکھیں، ان شاء اللہ آہستہ آہستہ اس کا فائدہ ضرور محسوس ہوگا۔

اسلام نہایت آسان دین ہے:

عزیزانِ گرامی ! خطبے میں جو آیت کریمہ پڑھی گئی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ تمھارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمانا چاہتے ہیں، سختی کا نہیں۔ دین اسلام کے جتنے بھی احکام ہیں ان میں کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جو کسی کے لیے دشوار ہو، اس لیے اہل اسلام کا حقائق کی روشنی میں یہ دعویٰ ہے جو عقل ونقل ہر اعتبار سے بالکل ثابت اور

صحیح ہے کہ اس دنیا میں موجود تمام ادیان ومذاہب میں دین اسلام سب سے زیادہ آسان دین ہے، اس کے ثبوت کے لیے اگر دنیا والے صرف اسلامی عبادات پر غور کریں تو ہر سنجیدہ اور سمجھدار انسان اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوسکتا ہے کہ واقعی اسلام سب سے آسان دین ہے، کیوں کہ ایک سلسلہ ہے انعاماتِ الٰہیہ کا، اور دوسرا سلسلہ ہے عباداتِ اسلامیہ کا، حقیقت یہ ہے کہ انعاماتِ الٰہیہ کے مقابلے میں عباداتِ اسلامیہ تو کچھ بھی نہیں ہیں، جہاں تک تعلق ہے انعاماتِ الٰہیہ کا تو وہ بے حد وحساب ہیں، اور انسان کی پیدائش سے لے کر موت کے بعد تک اس کا ایک لامتناہی (کبھی ختم نہ ہونے والا) سلسلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کہتا ہے:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ؕ﴾ [إبراهيم:٣٤]

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکو گے۔''

رمضان المبارک کے روزوں کے حکم میں غور کرنے سے اچھی طرح کسی کو بھی یقین ہوجائے گا کہ وہ کس قدر آسان عبادت ہے کہ سال بھر میں صرف ایک مہینہ فرض ہے، اور وہ بھی دن میں، رات کو روزہ نہیں ہوتا۔ پھر سحری جس کے بعد کھانا بند کیا جاتا ہے تو اس میں تاخیر افضل ہے، اور افطاری جس میں کھانا شروع کیا جاتا ہے تو اس میں تعجیل (جلدی کرنا) افضل ہے۔

اور اگر کوئی روزے دار سفر یا مرض کی وجہ سے فی الحال روزہ نہ رکھ سکے تو گنجائش ہے، حکم ہے کہ بعد میں قضا کرلے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ؕ﴾ [البقرة:١٨٥]

''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا کہیں سفر میں ہو تو اس پر دوسرے دنوں سے

گنتی کو پورا کرنا ہے۔'' یعنی مریض اور مسافر بعد میں قضا کر سکتے ہیں، اور اگر بعد میں قضا کا موقع بھی نہ ملا تو فدیہ ہے (ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار ہے، یعنی تقریباً پونے دوکلو گیہوں) یہ آسانی نہیں تو اور کیا ہے؟

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے روزوں کا حکم کھانے پینے میں تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ روزوں کے ساتھ بندوں کے بہت سے جسمانی و روحانی فوائد وابستہ ہیں۔

پھر آگے فرمایا: ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ تاکہ تم گنتی پوری کر سکو۔ یہ اس آسان حکم کی حکمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے روزوں کو نہایت آسان بنا دیا ہے، اور آسانی اسی لیے ہے کہ تم ایک مہینے کے روزے کا عدد پورا کر سکو، اس میں نکتہ یہ بھی ہے کہ بندے ایک مہینے کی گنتی کو پورا کر لیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے روزوں میں بتقاضائے بشریت جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی اُن کو معاف فرما دیں گے اور روزوں کی اس عبادت کو شرفِ قبول عطا فرمائیں گے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ ''تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرو اس وجہ سے کہ اس نے تمھیں ہدایت دی ہے۔'' یہ تکبیرِ تشریق کا حکم ہے، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مؤمنین کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی توفیق دیے جانے کا شکرانہ ہے۔ اور اسی کو آگے آیت کی تمامیت میں فرمایا: ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۸۵﴾﴾ ''اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔''

لیلۃ الجائزہ کی فضیلت:

میرے محترم دوستو! لیلۃ الجائزہ یعنی انعام کی یہ رات ان راتوں میں سے ہے

جو بہت زیادہ فضیلتوں کی حامل ہے، اور یہ رات اُمّت محمدیہ کی اُن خصوصیات میں سے ہے جو پہلی اُمتوں کو عطا نہیں ہوئی، حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أُعْطِيَتْ أُمَّتِي فِي رَمَضَانَ خَمْسَ خِصَالٍ لَمْ يُعْطَهَا أُمَّةٌ قَبْلَهَا: خُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يُفْطِرُوا، ويُصَفَّدُ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، فَلَا يَخْلُصُوا فِيهِ إِلىٰ مَا كَانُوا يَخْلُصُونَ فِيهِ فِي غَيْرِهِ، ثُمَّ يَقُولُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: "يُوشِكُ عِبَادِي الصَّالِحُونَ أَنْ يُلْقُوا عَنْهُمُ الْمُؤْنَةَ وَالْأَذٰى، أَحْسِبُهُ قَالَ: فَيَصِيرُ إِلَيْكَ، أَوْ فَيَصِيرُوا إِلَى آخِرِهِمْ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ"، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: "لا، وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ يُوَفَّىٰ أَجْرَهُ إِذَا قَضٰى عَمَلَهُ". (۱)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کو رمضان سے متعلّق پانچ خصوصیات ایسی عطا ہوئی ہیں جو پہلی اُمتوں میں سے کسی کو عطا نہیں ہوئیں: روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ معطر ہے۔ ملائکہ ان کے لیے افطار تک استغفار کرتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں شیاطین کو قید میں رکھا جاتا ہے، لہٰذا غیر رمضان میں جو دوڑ دھوپ اور فتنہ انگیزی وہ کر سکتے ہیں رمضان میں نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندے (رمضان المبارک میں میری رضا حاصل کر کے) اپنے گناہوں کا بوجھ کم کرتے ہیں، یہاں تک کہ عبادت کرتے ہوئے رمضان کی آخری رات تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے

(۱) كشف الأستار عن زوائد البزار / كتاب الصيام / باب فضل شهر رمضان، الرقم: ۹۶۳، ۱/ ۴۵۸، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان.

پوچھا کہ اللہ کے رسول! کیا یہ لیلۃ القدر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ مزدور کو اس کی مزدوی اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمّل کرلے۔"

اس روایت میں "اٰخِرِ لَيْلَةٍ" یہ لیلۃ الجائزہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی مغفرت کے انعام سے نوازتے ہیں۔

لیلۃ الجائزہ کی عبادت کا ثبوت تابعین کے اقوال سے بھی ملتا ہے۔ حضرت ابو مجلَز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عید الفطر کی رات اس مسجد میں گذارو جس میں تم نے اعتکاف کیا ہو، پھر صبح عیدگاہ کی طرف جاؤ۔

"عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَالَ: "بِتْ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفْتَ فِيهِ، حَتّٰى يَكُونَ غُدُوُّكَ إِلٰى مُصَلَّاكَ مِنْهُ". (۱)

علاوہ ازیں عیدین کی راتوں میں عبادت کا ذکر تو متعدد احادیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عیدین کی راتوں میں جاگ کر عبادت کا اہتمام کرے گا اس کا دل اس وقت بھی زندہ رہے گا جس وقت سب کے دل مُردہ ہوجائیں گے۔

"مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيدِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ". (۲)

دلوں کے مردہ ہوجانے کا مطلب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ فتنہ وفساد کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مُردنی چھاجاتی ہے اس وقت بھی اس بندے کا دل زندہ رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ صور

---

(۱) مصنّف ابن أبي شيبة / كتاب الصيام / من كان يحب أن يغدو المعتكف كما هو في مسجده إلى المصلىٰ : ۲ / ۳۳۸. الرقم : ۹۶۷۹.

(۲) الأذكار للنووي / باب الأذكار المشروعة في العيدين.

پھونکے جانے کا دِن مُراد ہو کہ اس کی روح بے ہوش نہ ہوگی۔

اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے، اس لیے بندوں کو بھی اس رات کی بے حد قدر کرنی چاہیے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں، حالاں کہ یہ رات بھی خصوصیت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے۔(۱)

نیز فقہائے کرام کی تصریح سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں عید کی راتوں میں عبادت کرنا اور انھیں زندہ رکھنا یعنی ان میں عبادت کرنا فضیلت اور ثواب کا کام ہے، اسے فقہا نے مستحب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں دُعا قبول ہوتی ہے:

"وَنَدُبَ إِحْيَاءُ لَيْلَةِ العِيْدَيْنِ الفِطْرِ وَالأَضْحىٰ لِحَدِيْث...، وَيَسْتَحِبُّ الإِكْثَارُ مِنَ الاستِغْفَارِ بِالأَسْحَارِ، وَسَيِّدِ الاستِغْفَارِ ....، وَالدُّعَاءُ فِيْهَا مُسْتَجَابٌ". (۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ لیلۃ الجائزہ کی فضیلت وترغیب میں وارد روایات پر محدثین کو کلام سہی، اس کے باوجود یہ تو قرآن سے ثابت ہی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ [التوبة: ۱۲۰]

یعنی اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی تو نوازنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ روزہ وتراویح کے ذریعے رمضان کورس مکمّل کر کے آنے والوں کو ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہوگا اور ربِ کائنات اپنے بندوں کی اس محنت سے راضی ہوتا ہوگا اور رب کی

---

(۱) فضائل اعمال: ۱/ ۶۲۹، ادارہ دینیات۔

(۲) مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح / باب في النوافل / فصل في تحية المسجد، الصفحة: ۱۵۰.

رضا ہی عبدیت کا سب سے بڑا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملنے والے انعام کی خوشی:

خطبے میں جس حدیث پاک کو پیش کیا گیا اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ روزے دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں، ایک خوشی تو افطار کے وقت کی، اور دوسری خوشی جس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

یہاں افطار کے دو معنیٰ محدثین نے بیان کیے ہیں: (۱) روزہ کھولنا (۲) روزہ نہ رکھنا۔ ایک تو وہ افطار جو روزے دار بندہ مغرب کی اذان کے وقت کرتا ہے، اس وقت روزے دار بندے کو خوشی ہوتی ہے کہ الحمدللہ آج کا روزہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمّل ہو گیا، یہ خوشی صحیح اور حقیقی معنوں میں ان حضرات سے معلوم کی جا سکتی ہے جو دین دار ہیں، روزہ رکھنے کے پابند اور شوقین ہیں، لیکن شوگر وغیرہ امراض کی تکلیف کی وجہ سے ان کے لیے بعض مرتبہ روزہ پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جب روزہ مکمّل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کو بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔

افطار کے دوسرے معنیٰ ہیں عید کا دِن، جو پورے مہینے کے روزوں اور دیگر عبادات پر انعام کا دِن ہے، تو یہ بھی روزے دار بندوں کے لیے نہایت خوشی کا دِن ہے، درحقیقت عید کی قلبی خوشی اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں کو نصیب ہوتی ہے جنھوں نے روزے کے تمام تقاضوں کو بھی پورا کیا ہو۔

رمضان المبارک کے اختتام پر دُعائیں:

میرے محترم بھائیو! رمضان المبارک میں ہم سب نے اللہ تعالیٰ کے فضل و

توفیق سے جو اعمال کیے ہیں اُن کی قبولیت کے لیے انعام کی اس مبارک رات میں ہمیں بطورِ خاص چند دُعائیں مانگنی ہیں، اور دُعا ہمیں اس بات کے اعتراف کے ساتھ مانگنی ہے کہ اے اللہ! ہمارے اعمال تو ہرگز اس قابل نہیں کہ ہم اُنھیں تیرے دربار میں پیش کرسکیں، جب تک تیرا فضل شامل نہ ہو ہمارے اعمال قابل قبول نہیں ہوں گے، لہٰذا اپنے فضل سے ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادات قبول فرما، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قحط سالی کے زمانے میں جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے غلّہ طلب کرنے کے لیے آئے تو اپنی بے مایگی اور مفلسی کا اعتراف کرتے ہوئے جو کہا تھا اُسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۝۸۸﴾ [یوسف : ۸۸]

”سو جب وہ (دوبارہ) یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے: اے عزیزِ مصر! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر مصیبت آن پڑی ہے (ہم شدید قحط میں مبتلا ہیں) اور ہم (یہ) تھوڑا سا سرمایہ لے کر آئے ہیں سو (اس کے بدلے) ہمیں (غلّہ) پورا پورا عطا فرمادیں اور (اس کے علاوہ) ہم پر (کچھ) صدقہ (بھی) کر دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے لائے ہوئے سرمایے کو قلیل اور معمولی کہا، اور یہ درخواست کی کہ ہمارا سرمایہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے آپ کے سامنے بطورِ قیمت پیش کرسکیں، البتہ

آپ ہم پر اپنا فضل فرما کر اُسے قبول فرمالیں اور ہم پر احسان کرتے ہوئے غلّے میں اضافہ بھی فرمادیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی اِس درخواست سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنا مطالبہ اور درخواست جب کسی معزز شخصیت کے پاس منظور کروانی ہو تو شرطِ اوّل یہ ہے کہ ہم اپنے قصور اور کوتاہی کے معترف ہوں، میرے بھائیو! اللہ تبارک و تعالیٰ جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کا مالک ہے تو اس کے دربار میں جب ہم دُعا کریں تو قبولیت کے لیے ہمارے دِلوں میں اپنی بے سروسامانی اور اپنی عبادات کے ہیچ ہونے کا اعتراف ضروری ہے، جب ہم گناہوں کا اِقرار کریں گے، اپنی کوتاہی کا اعتراف کریں گے تو ان شاء اللہ دُعا کی قبولیت یقینی ہوجائے گی۔

اسی طرح دوسری دُعا جو سیّدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر بیت اللہ کے دوران کی تھی کہ اس کا بھی اہتمام کریں۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾﴾ [البقرة : ١٢٧]

”اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے، بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“

میرے بھائیو! اِس دُعا میں اعمال کی قبولیت کا ذکر ہے کہ کوئی عمل خواہ ہمیں کتنا ہی اچھّا معلوم ہوتا ہو، مگر جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہ ہو کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ جیسے اس آیت کریمہ میں تعمیر بیت اللہ کا عمل ذکر ہوا، ظاہری بات ہے کہ اس عمل کی عظمت و فضیلت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ پھر بھی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے اس عمل کو قبول فرما

لیجیے۔ معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کے بعد قبولیت کے لیے دُعا بھی کرنی چاہیے۔

اسی کے ساتھ یہ دُعا بھی مانگنی ہے:

﴿وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾﴾ [البقرۃ: ۱۲۸]

''اور ہم پر (رحمت و مغفرت) کی نظر فرما، بے شک تو ہی خوب توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔''

یہ بھی اسی دُعا کا حصّہ ہے جو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے تعمیر بیت اللہ کے وقت کی تھی، اس میں توبہ کا ذکر ہے، میرے بھائیو! غور کرنے کا مقام ہے یہ دُعا مانگنے والے دونوں حضرات انبیائے کرام ہیں، اور انبیائے کرام تو معصوم ہوتے ہیں، اُن سے گناہ صادر نہیں ہوتے، پھر بھی نیک عمل کے وقت یہ دُعا کی جا رہی ہے، اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ بندے کو ہر وقت اپنی کوتاہی کا اعتراف ہونا چاہیے۔

تیسری دُعا جس کا ہمیں خاص طور پر اہتمام کرنا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دیں اور اپنے مغفور بندوں میں شامل فرما دیں، اس لیے کہ جس بندے کی رمضان المبارک میں بھی مغفرت نہ ہو وہ انتہائی محروم القسمت ہے، جیسا کہ حدیث پاک گذر چکی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کہا کہ ہلاک و برباد ہو جائے وہ شخص جو رمضان المبارک کو پائے اور عبادات و توبہ اور استغفار کرکے اپنی مغفرت نہ کروائے، تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آمین فرمایا، بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ماہِ مبارک کی صحیح قدردانی میں ہم سے کوتاہی ہو جائے اور ہماری مغفرت نہ ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور بہ کثرت توبہ و استغفار کا اہتمام کریں۔

خلاصہ:

حاصل یہ کہ جو حضرات عید الفطر کی رات میں عبادتیں کرنا چاہیں وہ ضرور اس

موقع سے فائدہ اٹھائیں، لیکن دو باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھیں۔ اول یہ کہ اس رات کو عبادت کے نام سے گذارنے کے بہانے کسی بے ہودہ کام جیسے سڑکوں پر اودھم مچانے، گاڑیاں دوڑانے اور مسجدوں میں جمع ہو کر شور شرابا کرنے سے باز رہیں۔ دوسرے دیر رات تک غیر ضروری مجلس بازی اور گپ شپ سے اجتناب کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ نمازِ فجر اونگھتے ہوئے گذرے، نیز اہلِ خانہ کی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھیں کہ ان کے آرام وسکون میں خلل واقع نہ ہو۔

بعض مقامات پر ایک یہ رسمِ بد بھی پھیل گئی ہے کہ عید کی رات میں کچھ نہیں کھاتے اور رات کے آخری پہر تک صبح کی اذان کا انتظار کرتے ہیں، جب اذان ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو، پھر کچھ کھاتے ہیں، گویا ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا، حالانکہ عید کا چاند دیکھتے ہی دوسرا مہینہ شروع ہو گیا۔ خیال تو کیجیے! یہ کیسی بے وقوفی ہے، دوسرے مہینے کی ایک رات بھی گذر گئی اور ان کے یہاں اب تک روزہ ہی چل رہا ہے۔ یہ محض ایک بدعت ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہے، روزہ افطار کر لینے کے بعد رات کو کچھ کھانا یا نہ کھانا بندے کے اختیار میں ہے، لیکن بغیر کھائے پیے رہنے کو روزہ سمجھنا بدعت ہے۔ ایسے موقع پر رسم توڑنے کے لیے خود ارادہ کر کے مغرب بعد یا عشاء بعد کچھ کھا لینا چاہیے۔

مختصر یہ کہ کہ ازراہِ شوق اس رات کو نیکیوں میں گذارنے کا خوب اہتمام کریں اور پھر اللہ کا نام لے کر سورہیں اور صبح کی نماز پوری بشاشت سے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنّم سے نجات کا پروانہ نصیب فرمائیں اور بار بار ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

عید الفطر
کی
حقیقت و فضیلت

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحَمدُ للهِ المُبدِئِ المُعِيدِ، الفَعَّالِ لِما يُرِيدُ، مَنْ هَدَاهُ فَهُوَ السَّعِيدُ، وَمَنْ أَضَلَّهُ فَهوَ الطَّرِيدُ البَعِيدُ، أَحْمَدُهُ سُبْحَانَهُ وَأَشْكُرُهُ، وَالشُّكْرُ مِنْ أَسْبَابِ المَزِيدِ، وَأَشهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ذُو العَرْشِ المَجِيدُ، وَأَشهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا مُحَمَّدًا عَبدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، أَشرَفُ مَنْ أَظَلَّتِ السَّمَاءُ، وَأَكْرَمُ مَنْ أَقَلَّتِ البِيدُ، صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ، أَهلِ التَّوفِيقِ وَالتَّسْدِيْدِ، وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلىٰ يَومِ الوَعِيْدِ.

أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿١٨٥﴾﴾ [البقرة : ١٨٥]

وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا، إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ". (١)

تمہید:

محترم بزرگو، دوستو، عزیزو اور پردہ نشین مائیں اور بہنیں! ایک بہت ہی پُرمسرّت موقع پر ہم سب جمع ہوئے ہیں جسے ہم عیدالفطر کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگیوں میں ایسی خوشی کے دِن بار بار نصیب فرمائیں اور رمضان المبارک کا رحمت و مغفرت کا مہینہ بھی ہمیں بار بار نصیب فرمائیں۔

اللہ ربّ العزت نے انسانی فطرت وطبیعت کچھ اس طرح بنائی ہے کہ وہ معاشرت ومعمولات کی یکسانیت سے کبھی کبھی گھبرا اور اکتا جاتی ہے، اس لیے انسان

(١) صحيح البخاري / كتاب الصوم / باب هل يقول : إني صائم إذا شتم؟ الرقم : ١٩٠٤.

اپنی زندگی میں ذرا تبدیلی (Change) اور ایسے شب و روز کا خواہش مند بھی ہوتا ہے جن میں وہ اپنے روز مرّہ کے ماحول و معمولات سے تھوڑا ہٹ کر اپنے دِل و دماغ کو فارغ کرے، اور کچھ وقت خوشی کے ساتھ (Relax) ہو کر ہنس بول کر گذارے، اسی انسانی فطرت وطبیعت کے تحت کچھ دن خوشی و مسرّت کے مقرّر کیے گئے، چنانچہ ہر قوم و ملّت میں سال کے کچھ دِن خوشی و مسرّت کے منانے لیے اجتماعی طور پر مقرّر ہیں، جنھیں عرفِ عام میں تہوار (Festival) کہا جاتا ہے۔

پھر تہوار منانے کے لیے ہر قوم وملّت کا مزاج و مذاق اگر چہ جدا ہے، لیکن ان میں قدرِ مشترک جو بات ہے وہ ہے خوشی منانا۔ اب جس قوم وملّت کی تہذیب وتمدن اور اخلاق کا معیار جتنا اونچا اور اچھّا ہوتا ہے اس کے تہوار اور خوشی و مسرّت منانے کے طور و طریق بھی اتنے ہی مہذب و مبارک ہوتے ہیں، اس کے برخلاف اگر کسی قوم کا اخلاقی و عملی معیار نیچا اور گرا ہوا ہے تو اس کے منائے جانے والے تہوار بھی اتنے ہی مکروہ اور غیر مہذب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قوموں کے تہوار ان کے عقائد و تصوّرات اور تہذیب وتمدن کے ترجمان و آئینہ دار ہوتے ہیں۔

اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے، اس کا اخلاقی و عملی معیار سب سے اونچا اور اچھّا ہے، اس لیے ایک طرف اس کے تہوار میں مذکورہ تقاضائے فطرت کی رعایت ہے تو دوسری طرف اس تہوار کے منانے میں اخلاقی و عملی پیغام و ہدایت بھی ہے، اس اعتبار سے عید اُمّت محمدیہ کے لیے ایک عظیم الشان انعام ہے۔

چاند رات کی اہمیت:

افسوس کی بات ہے کہ ہمارے یہاں چاند رات کو ایک لحاظ سے شرعی پابندیوں سے فرار کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، حالانکہ چاند رات کو حدیث شریف میں

''لیلۃ الجائزہ'' یعنی'' انعام والی رات'' کہا گیا ہے ۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ
''رمضان المبارک کی آخری رات میں اُمّتِ محمد ﷺ کی مغفرت کردی جاتی ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ شبِ قدر ہے؟ آپ ﷺ نے
فرمایا: نہیں، کام کرنے والے کو مزدوری اُس وقت دی جاتی ہے جب وہ کام پورا کر لیتا
ہے اور وہ آخری شب میں پورا ہوتا ہے، لہٰذا بخشش ہو جاتی ہے۔''

"وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِي اٰخِرِ لَيْلَةٍ، قِيلَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لاَ ، وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفّٰى أَجْرَهٗ إِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ".(۱)

ہمارے بہت سے بھائی جو پورے ماہِ مقدّس میں تقویٰ و پرہیز گاری کی راہ پر کاربند رہے، اُن میں سے بھی بہت سے اس رات کو لہو و لعب میں مشغول ہو کر اپنی ساری محنت اکارت اور بیکار کر بیٹھتے ہیں، دراصل، شیطان آزاد ہوتے ہی خلقِ خدا کو تقویٰ و پرہیز گاری کے راستے سے ہٹا کر فسق و فجور کی طرف مائل کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے اور بد قسمتی سے بہت سے لوگ اُس کے پُر فریب جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم چاندرات بازاروں اور لایعنی مشاغل میں گذار دیتے ہیں، جب کہ احادیثِ مبارکہ میں اس رات میں عبادت کی تاکید کی گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس رات کو بے مقصد گھومنے پھرنے اور گناہ کے کاموں میں گذارنے کے بجائے نوافل، نمازِ تہجّد، تلاوتِ قرآن اور دیگر عبادات میں مشغول رہیں، تاکہ اس کی برکات حاصل کر سکیں۔

عید الفطر کے معنیٰ:

یومِ عید، ماہِ صیام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ سے انعامات پانے کا دن ہے، تو اس

(۱) مسند أحمد / مسند أبي هريرة رضي الله عنه. الرقم : ۷۹۱۷. إسناده ضعيف.

سے زیادہ خوشی ومسرّت کا موقع کیا ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ میں اِس دن کو ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ''عید'' کا لفظ "عَوْدٌ" سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ''لوٹنے'' کے ہیں، یعنی عید ہر سال لوٹتی ہے، اس کے لَوٹ کر آنے کی خواہش کی جاتی ہے۔ اور ''فطر'' کے معنیٰ ہیں روزہ نہ رکھنا، چوں کہ عیدالفطر کے دِن روزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس دِن اللہ تعالیٰ بندوں کو عباداتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتے ہیں تو اِسی مناسبت سے اسے ''عیدالفطر'' قرار دیا گیا۔

مسلمانوں کے لیے خوشی کے دو دِن:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ مدینہ دو دن بہ طورِ تہوار مناتے اور اُن میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ ''یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟'' تو اُنھوں نے کہا: ''ہم زمانۂ جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اِسی طرح منایا کرتے تھے۔'' یہ سُن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن مقرّر فرما دیے ہیں، یوم عیدالاضحیٰ اور یوم عیدالفطر۔'' چنانچہ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا، فَقَالَ: "مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟" قَالُوا: "كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ"، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ".[1]

(١) سنن أبي داود / كتاب الصلوة / باب صلوٰة العيدين. الرقم: ١١٣٤.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدین کے موقع پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشیاں منانے کی اجازت دینے کے ساتھ دوسروں کو بھی ان خوشیوں میں شامل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ نیز ان مواقع پر عبادات کی بھی تاکید فرمائی کہ بندۂ مؤمن کسی بھی حال میں اپنے رب کو نہیں بھولتا۔

عید رمضان کا تحفہ:

قرآن مجید کی جو آیت کریمہ خطبے میں تلاوت کی گئی اس میں اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تمھارے حق میں آسانی چاہتے ہیں اور تمھارے لیے دُشواری نہیں چاہتے، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرسکو اور اس لیے کہ اس نے تمھیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔''

ماہِ رمضان المبارک مکمّل ہوا، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم نے اس ماہِ مبارک میں مختلف قسم کی عبادات ادا کیں، روزے رکھے، تراویح پڑھی، قرآنِ پاک کی کثرت سے تلاوت کی اور کچھ اللہ تعالیٰ کے باتوفیق بندوں نے اعتکاف بھی کیا، سب نے اپنے اعتبار سے رمضان المبارک کی رحمت ومغفرت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہ شکل انعام اور تحفہ ہمیں عیدالفطر کا یہ دِن عطا کیا گیا، جو تمام مسلمانوں کے لیے اس وجہ سے خوشی کا دِن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہم نے اس مہینے میں عبادتیں کیں۔ خصوصاً روزہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے مہینے میں فرض ہے، ہر مؤمن بندے کی تمنّا ہوتی ہے کہ وہ رمضان المبارک کے تمام روزے رکھے، کوئی بھی

روزہ چھوٹنے نہ پائے، اس لیے بہت سے ایسے بندے جن کو مختلف امراض مثلاً شوگر وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہے اُن کے لیے زیادہ دیر تک بھوکا رہنا مشکل ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ بندے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کسی بھی طرح صبر کر کے اپنے تمام روزے مکمّل کر لیتے ہیں، کیوں کہ رمضان کا روزہ قضا ہو جائے تو اُس کی حقیقی تلافی ممکن ہی نہیں، یعنی وہ فضیلت جو رمضان کے روزے کی ہے وہ غیر رمضان کی نہیں ہے، اس لیے اُن بندوں کے لیے روزوں کو مکمّل کر لینے کی توفیق خصوصی نعمت ہے۔

رمضان کے مکمّل ہونے پر ادائے شکر:

جب رمضان المبارک کا مہینہ ہم نے عبادتوں کے ساتھ گذارا تو یہ توفیق الٰہی کی وجہ سے ممکن ہوا، اس لیے رمضان المبارک کے بخیر وخوبی مکمّل ہونے پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، تاکہ ایسا موقع غنیمت ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بار بار ملتا رہے، مؤمن بندے کا شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافے کا باعث ہے، جیسا کہ ناشکری غضب وعذابِ الٰہی کا سبب ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [إبراهيم:۷]

”اور (یاد کرو) جب تمھارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔“

تو رمضان المبارک جیسی عظیم الشان نعمت ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ رمضان المبارک کس قدر عظیم الشان نعمت ہے اس کا اندازہ

اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مہینے پہلے سے اس کا انتظار فرماتے تھے، اسی طرح حدیث پاک میں مروی ہے کہ رمضان المبارک کے آنے سے ایک سال پہلے سے جنّت کو اس مہینے کے استقبال کے لیے آراستہ کیا جاتا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْجَنَّةَ لَتُزَيَّنُ مِنَ الْحَوْلِ إِلَى الْحَوْلِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ ...الخ".(۱)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنّت کو مکمّل ایک سال تک رمضان کے لیے آراستہ کیا جاتا ہے۔''

جس طرح ہمارے گھر کوئی بڑا معزز مہمان آنے والا ہو تو اس کے استقبال میں ہم اپنے گھر کو مزین کرتے ہیں، اس میں جگہ جگہ خوشبو لگاتے ہیں اور اس بات کا پورا خیال رکھتے ہیں کہ آنے والے مہمان کو گھر میں کوئی تکلیف نہ ہو، اسی طرح رمضان المبارک کے مہینے کے لیے اور اس میں روزہ رکھنے والے مؤمن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیشگی انتظامات کیے جاتے ہیں۔

عید کے دِن کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اُسے آسمانوں پر ''لیلۃ الجائزہ''، یعنی ''انعام کی رات'' کے عنوان سے پکارا جاتا ہے اور جب صبحِ عید طلوع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو تمام بستیوں میں بھیجتا ہے اور وہ گلی کوچوں کے دَہانوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جسے جنّات اور انسانوں کے سِوا ہر مخلوق سُنتی

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / باب فضائل شهر رمضان : ۲۳۸/۵.

ہے، پکارتے ہیں کہ ''اے اُمّتِ محمّدیہ! اس کریم رب کی بارگاہِ کرم میں چلو، جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔'' جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں، تو اللہ ربّ العزت فرشتوں سے فرماتے ہیں: اُس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جو اپنا کام پورا کرچُکا ہو؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے معبود! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی مزدوری اور اُجرت پوری پوری عطا کردی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے فرشتو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنھیں رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا فرمادی۔ پھر بندوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ ''اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزّت وجلال اور بلندی کی قسم! آج کے دن آخرت کے بارے میں تم جو سوال کروگے عطا کروں گا، دُنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اُس میں تمھاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزّت وجلال کی قسم! میں تمھیں مجرموں اور کافروں کے سامنے رُسوا نہ کروں گا۔ تم نے مجھے راضی کرلیا اور میں تم سے راضی ہوگیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیے گئے عیدالفطر کے اس عطیے پر ملائکہ بھی خوش ہوجاتے ہیں۔

"فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةَ الْفِطْرِ بَعَثَ اللهُ الْمَلَائِكَةَ فِي كُلِّ بِلَادٍ، فَيَهْبِطُونَ إِلَى الْأَرْضِ، فَيَقُومُونَ عَلىٰ أَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُونَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مَنْ خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، فَيَقُولُونَ: "يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! أُخْرُجُوا إِلىٰ رَبٍّ كَرِيمٍ يُعْطِي الْجَزِيلَ، وَيَعْفُو عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِيمِ"، فَإِذَا بَرَزُوا إِلىٰ مُصَلَّاهُمْ، يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ: "مَا جَزَاءُ الْأَجِيرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ؟" فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: "إِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا! جَزَاؤُهُ أَنْ تُوَفِّيَهُ أَجْرَهُ"، قَالَ: "فَيَقُولُ: "فَإِنِّي أُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِي!

أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامَهُ رِضَائِي وَمَغْفِرَتِي"، وَيَقُولُ: "يَا عِبَادِي! سَلُونِي! فَوَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ شَيْئًا فِي جَمْعِكُمْ لِآخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ، فَوَعِزَّتِي لَأَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَا رَاقَبْتُمُونِي، فَوَعِزَّتِي لَا أُخْزِيكُمْ وَلَا أَفْضَحُكُمْ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِ الْحُدُودِ، انْصَرِفُوا مَغْفُورًا لَكُمْ، قَدْ أَرْضَيْتُمُونِي وَرَضِيتُ عَنْكُمْ، فَتَفْرَحُ الْمَلَائِكَةُ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِمَا يُعْطِي اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ إِذَا أَفْطَرُوا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ".(۱)

حقیقی عید کس کے لیے؟

یقیناً اُمّت کے وہ افراد نہایت خوش قسمت ہیں کہ جنھوں نے ماہِ صیام پایا اور اپنے اوقات کو عبادات سے منور رکیا۔ پورے ماہ تقویٰ کی روِش اختیار کی اور بارگاہِ ربّ العزت میں مغفرت کے لیے دامن پھیلائے رکھا۔ یہ عید ایسے ہی خوش بخت افراد کے لیے ہے اور اب اُنھیں مزدوری ملنے کا وقت ہے۔ تاہم حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین اپنی عبادات پر اِترانے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دُعائیں کیا کرتے تھے، اور اپنے اعمال کے بارے میں ہمیشہ محاسبہ کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور ہے کہ ”عید اُن کی نہیں جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کیا، بلکہ عید تو اُن کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ گئے اور اُس کے عذاب و عتاب سے ڈر گئے۔ عید اُن کی نہیں جنھوں نے بہت زیادہ خوشیاں منائیں، بلکہ عید تو اُن کی ہے جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اُس پر

(۱) شعب الإيمان للبيهقي / باب التماس ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر : ٥ / ٢٧٧.

قائم رہے۔ عید اُن کی نہیں جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور دستر خوان آراستہ کیے، بلکہ عید تو اُن کی ہے جنھوں نے نیک بننے کی کوشش کی اور سعادت حاصل کی۔ عید اُن کی نہیں جو دنیوی زیب وزینت اور آرائش وزیبائش کے ساتھ گھر سے نکلے، بلکہ عید تو اُن کی ہے جنھوں نے تقویٰ، پرہیزگاری اور خوفِ خدا اختیار کیا۔ عید اُن کی نہیں جنھوں نے اپنے گھروں میں چراغاں کیا، بلکہ عید تو اُن کی ہے جو دوزخ کے پُل سے گذر گئے۔"

مشہور محدث حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ (حقیقۃً) عید اُس شخص کی نہیں ہے جس نے نئے کپڑے پہن لیے اور کچھ بہتر کھا پی لیا، بلکہ (حقیقی) عید اُس بندۂ مؤمن کی ہے جو اعمالِ صالحہ کر کے وعیدِ الٰہی سے مامون ہو جائے اور اس کے اعمال بڑھتے جائیں۔ نیز (حقیقی) عید عمدہ کپڑے پہننے والے کی نہیں ہے، بلکہ (حقیقی) عید تو اُس بندۂ مؤمن کی ہے جو عذابِ آخرت سے نجات پالے۔

"لَيْسَ العِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الجَدِيْدَ، وَأَكَلَ المَزِيْدَ، بَلِ العِيْدُ لِمَنْ أَمِنَ الوَعِيْدَ، وَكَانَتْ طَاعَتُهُ تَزِيْدُ، وَلَيْسَ العِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ المَلَابِسَ الفَاخِرَةَ، إِنَّمَا العِيْدُ لِمَنْ أَمِنَ عَذَابَ الآخِرَةِ".(۱)

خلیفۃ المسلمین کے بچّوں کی عید:

محترم قارئین! ہماری اسلامی تاریخ ایسے سبق آموز واقعات اور ایسی شخصیات سے بھری پڑی ہے کہ اس دور میں ہم تصوّر نہیں کر سکتے، یہاں عید کی مناسبت سے ایک واقعہ پیش کرنا چاہوں گا کہ پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے

(۱) لطائف المعارف: ۲۷۷.

بارے میں منقول ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ لوگ آپ کو عید کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے آئے، اولاً مرد آئے، پھر بچّے بھی آئے، ان بچّوں میں آپ کا بیٹا بھی تھا، جو پُرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا، جب کہ دیگر بچّوں نے نئے کپڑے پہنے تھے، یہ منظر دیکھ کر خلیفۃ المسلمین کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے، آپ کے معصوم بیٹے نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ”بیٹے! میں نے جب تمھیں پُرانے کپڑوں میں دیکھا تو دِل میں یہ خیال گذرا کہ دیگر بچّوں کے نئے کپڑے دیکھ کر تمھارا دِل ٹوٹ رہا ہوگا، تمھیں رنج وغم ہو رہا ہوگا“ اس موقع پر آپ کے بیٹے نے جواباً جو بات کہی تاریخ کے اوراق ہمیشہ کے لیے اُسے محفوظ رکھیں گے، تربیت یافتہ بیٹے نے کہا: ”اے ابّا جان! دِل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باوجود اس کی نافرمانی کرتا ہے، اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے، الحمد للہ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں، حقیقۃً عید تو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور صالح بندوں کی ہوتی ہے۔“(۱)

میرے بھائیو! اس واقعے میں ذرا غور کریں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ وقت کے خلیفہ اور امیر المؤمنین تھے، اور کسی معمولی، چھوٹے علاقے کے نہیں، بلکہ کئی لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے امیر تھے، اور حال یہ تھا کہ عید کے دِن بچّوں کے لیے نئے کپڑتے تک نہیں تھے، پھر اسی پر بس نہیں، بچّوں کی غیر معمولی روحانی تربیت کا حال دیکھیے کہ دیگر بچّوں کے نئے کپڑے دیکھ کر کسی بھی بچّے کا دِل ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ آپ کے بیٹے نے آپ کے سوال پر آپ کو مزید تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں دِل چھوٹا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے

(۱) دروس و خطب علي القرني / باب الإيمان والحياة : ٦ / ٢٦.

ہم معصیت میں مبتلا نہیں ہیں، والدین کے نافرمان نہیں ہیں۔ یقیناً تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں، اور بعد کا دور ایسی مثالیں پیش کرنے سے عاجز ہے۔

غریبوں کی ہمدردی اور مدد:

عید کے اس پُرمسرّت موقع پر ہمارا ایک کام یہ بھی ہونا چاہیے کہ آس پاس اور قریبی رشتے داروں میں نظر دوڑائیں کہ کہیں اُن میں سے کوئی ایسا تو نہیں جو اپنی غربت اور تنگ دستی کے سبب عید کی خوشیوں میں شامل ہونے سے محروم ہے۔ اگر ایسا ہے تو یقین جانیے کہ ہم خواہ کتنے ہی اچھے کپڑے پہن لیں، طویل دسترخوان سجالیں، عیدیاں بانٹتے پھریں، ہماری عید پھر بھی پھیکی ہی رہے گی، بلکہ ایسی عید حقیقی معنیٰ میں عید کہلانے کے قابل ہی نہیں جس میں اُمّت کے تمام طبقات کو شامل نہ کیا جائے۔

عیدالفطر ہمارے محتاج اور غریب بھائیوں کی ہمدردی اور ان کے تعاون کا ایک بہت ہی موقع غنیمت ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہمیں اس دِن صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، صدقۃ الفطر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ہے، اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صدقۃ الفطر کو واجب قرار دیا، تا کہ روزہ لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک ہوجائے اور مساکین کے لیے کھانے کا بندوبست بھی ہوجائے۔‘‘

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ: "فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ

مِنَ الصَّدَقَاتِ". (۱)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر میں دونوں قسم کے بندوں کا فائدہ ہے، صدقۃ الفطر ادا کرنے والے کو فائدہ یہ ہوگا کہ پوری کوشش کے باوجود بتقاضائے بشریت روزے کے دوران لغویات، بیہودہ گوئی وغیرہ کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں وہ صدقۃ الفطر ادا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، تو اب گویا اس روزے دار کے روزے بالکل پاک، صاف، خالص اور قابل قبول ہو جائیں گے۔ اس میں روزوں کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی توفیق کا شکر بھی ہے۔ دوسری طرف صدقۃ الفطر وصول کرنے والے محتاج بندے کے لیے کچھ دِنوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی ہو جائے گا، جس سے وہ بھی دیگر مسلمانوں کے ساتھ عید کی خوشی میں شریک رہے گا۔ لہٰذا اس میں دونوں ہی کا فائدہ ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر صدقۃ الفطر کا فلسفہ یہی ہے کہ عید الفطر کی خوشیوں میں غریب مسلمان بھی بھرپور طریقے سے شریک ہو سکیں۔

صدقۃ الفطر کبھی بھی دیا جا سکتا ہے، تاہم عام طور پر ماہِ رمضان کے آخری دنوں میں ادا کیا جاتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ نمازِ عید کے لیے جاتے ہوئے راہ میں بیٹھے بھکاریوں کو فطرانہ دیتے جاتے ہیں، جو کہ مناسب طریقہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کر دیا جائے، تاکہ ضرورت مند افراد بھی عید کی تیّاری کر سکیں۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام طور پر گیہوں کی قیمت کے لحاظ سے فطرانہ ادا کیا جاتا ہے، جو جائز ہے، تاہم امیروں کے لیے مستحب

(۱) سنن أبي داود / كتاب الزكاة / باب زكاة الفطر. الرقم: ۱۶۰۹.

یہی ہے کہ وہ کھجور یا پھر کشمش وغیرہ کے حساب سے فطرانہ دیں، تاکہ غریبوں کی مزید مدد ہو سکے۔ اسی طرح صاحبِ حیثیت افراد کو فطرانے کے علاوہ بھی عید کے موقع پر صدقہ وخیرات کرنا چاہیے کہ اس سے غریبوں کو عید کی خوشیاں نصیب ہوں گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی کی دُعا آپ کی زندگی میں بھی مزید خوشیاں بھر دے۔

عیدالفطر کی سنن ومستحبات:

کتب احادیث میں عید کے دِن کی متعدد سنتیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) غسل کرنا، جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ آپ غسل کرنے کے بعد ہی عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔(۱)

(۲) نئے یا جو بہتر کپڑے موجود ہوں پہننا، یہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے معمول میں تھا کہ آپ عید کے دِن اپنے عمدہ کپڑے پہنتے تھے۔(۲)

(۳) عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھانا، یاد رہے کہ اس بات میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی سنّت مختلف ہے، چنانچہ عیدالفطر کے دِن عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے کچھ کھانا سنّت ہے، جب کہ عیدالاضحیٰ کے دِن عید کی نماز کے بعد اپنی قربانی کے گوشت میں سے کھانا سنّت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر کے دِن طاق عدد سے کھجور تناول فرمانے بعد ہی عید کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(۳)

---

(۱) المؤطا للإمام مالك / باب الاغتسال يوم العيدين.

(۲) فتح الباري لابن حجر / الجزء الثاني / قوله: باب في العيدين والتجمل فيه.

(۳) صحيح البخاري / كتاب العيدين / باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج / الرقم : ۹۵۳.

(۴) عیدگاہ جانے اور آنے میں پیدل چلنا، یہ بھی سنّت ہے، لہٰذا جب تک شدید ضرورت نہ ہو سواری استعمال نہ کریں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیدگاہ چل کر پہنچتے اور چل کر ہی واپس تشریف لاتے۔ (۱)

اگر عیدگاہ زیادہ دُور ہو، یا کمزوری کے باعث پیدل نہ جا سکتے ہوں تو سواری پر بھی جانے میں مضائقہ نہیں۔

(۵) عیدگاہ جانے اور آنے کے راستے علیحدہ ہوں، یعنی جاتے وقت جس راستے سے گئے ہوں اُسی راستے سے واپس آنے کے بجائے دوسرے راستے کو اختیار کریں۔ بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیدگاہ پہنچنے اور واپسی کا راستہ الگ الگ اختیار فرماتے تھے۔ (۲)

(۶) تکبیر تشریق: "اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ". اس تکبیر کو کثرت سے پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ کے پیشِ نظر علمائے کرام نے اُسے مسنون قرار دیا ہے۔ نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہ تھا کہ عید کے دِن جب وہ گھر سے عیدگاہ کے لیے نکلتے تو تکبیر کہتے۔ (۳)

(۷) مؤمن بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو دُعا کے ذریعے مبارک باد دینا مستحب ہے، لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ الفاظ دُعا کے ہوں، جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها / باب ما جاء في الخروج إلى العيد ماشيا، الرقم : ۱۲۹۵.

(۲) صحيح البخاري / كتاب العيدين / باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، الرقم : ۹۸٦

(۳) مصنف ابن أبي شيبة / في التكبير إذا خرج إلى العيد / الرقم : ۵۷٤٦.

عید کے دِن ملا تو میں نے کہا: "تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جواباً یہی دُعا ارشاد فرمائی۔ [1] نیز بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہ رہا ہے۔

شوال کے چھ روزے:

رمضان المبارک کے بعد ماہِ شوال میں چھ روزے رکھنا مستحب ہے اور احادیث مبارکہ میں ان کی بہت فضیلت اور ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اُس کے بعد ماہِ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے، تو اُس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہوگا۔''

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ". [2]

یہ روزے مسلسل بھی رکھے جا سکتے ہیں اور وقفے کے ساتھ بھی، یعنی اپنی سہولت کے مطابق نظام ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

خوشی شرعی حدود میں منائی جائے:

یومِ عید اپنی اصل میں ہمارا ایک مذہبی تہوار ہے، اس لیے اِس روز ہونے والی تمام سرگرمیوں کو اسی تناظر میں ترتیب دیا جانا چاہیے۔ تاہم، یہ بھی ذہن میں رہے کہ اسلام نے خوشی کے اظہار سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اسلام میں تقویٰ و پرہیزگاری کا مطلب خشک مزاجی اور رُوکھا پن ہے۔ البتہ اسلام نے تہواروں اور تفریحات کو کچھ

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي / كتاب صلاة العيدين / باب ما روي في قول الناس يوم العيد بعضهم لبعض : "تقبل الله منا ومنك". الرقم : ٦٢٩٤.

(۲) صحيح مسلم / كتاب الصيام / باب استحباب صوم ستة أيام من شوال...الخ. الرقم : ١١٦٤.

حدود و قیود کا پابند ضرور بنایا ہے، تا کہ بے لگام خواہشات اور نفس پرستی کی راہ روکی جا سکے۔ عید کا آغاز، دو رکعت نماز سے ہوتا ہے، جو اس بات کا اظہار ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنی مذہبی اور تہذیبی روایات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے لاپروا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''عید کا دِن تھا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کے سامنے حبشہ کے کچھ لوگ نیزوں اور ڈھالوں کے ساتھ کرتب دِکھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے میں سے اُنھیں دیکھ کر خوشی کا اظہار فرما رہے تھے اور میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کے پیچھے چُھپ کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دیر تک مجھے چادر کی اوٹ میں چھپائے اُن غلاموں کا کھیل دِکھاتے رہے۔ جب کھیل دیکھ کر میرا جی بھر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: بس! میں نے کہا، جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، جاؤ۔''

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَانْتَهَرَنِي، وَقَالَ: "مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟" فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَام، فَقَالَ: "دَعْهُمَا،" فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا، فَخَرَجَتَا. وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ، يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِمَّا قَالَ: "تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ؟" فَقُلْتُ: "نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُولُ: "دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ! حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: "حَسْبُكِ! قُلْتُ: "نَعَمْ، قَالَ: "فَاذْهَبِي".(۱)

(۱) صحيح البخاري / كتاب العيدين / باب الحراب والدرق يوم العيد. الرقم: ٩٤٩ و ٩٥٠.

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ عید کے دن ہمارے گھر میں دو بچیاں جنگ بعاث سے متعلّق کچھ اشعار گنگنا رہی تھیں، اسی دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہنے لگے: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا: ''اے ابوبکر! انھیں رہنے دو۔''

ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ ''ہر قوم کے تہوار کا ایک دِن ہوتا ہے، آج ہمارے لیے عید کا دن ہے۔''

اسلامی تاریخ میں ایسے دنوں کی کوئی کمی نہیں تھی جن کی خوشی ہر سال اجتماعی طور پر نہ منائی جا سکے۔ مثلاً:

(۱) صرف دنیا ہی کا نہیں، بلکہ اس پوری کائنات کا سعید ترین دِن وہ تھا جس میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

(۲) یا وہ دن تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ورسالت کا عظیم منصب عطا فرمایا گیا۔

(۳) اس دن کی عظمت بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔

(۴) اسی طرح اس دن کی شان وشوکت کا کیا کہنا جس میں مکّہ مکرّمہ فتح ہوا اور کعبۃ اللہ کی چھت سے پہلی بار اذانِ بلالی گونجی۔''

غرض سیرت النبی اور تاریخ اسلامی میں ایسے جگمگاتے ہوئے دن بے شمار ہیں، جنھیں مسلمانوں کے لیے خوشی ومسرّت کی بنیاد بنایا جا سکتا تھا، لیکن ان میں سے کسی دن کا انتخاب نہیں کیا گیا، بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مسلمانوں کی عید وخوشی

کے لیے جو دو دِن مقرّر کیے وہ ایسے ہیں جن میں اُمّت مسلمہ ایک ایسی اجتماعی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتی ہے جو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ انجام دی جاتی ہے، چنانچہ یکم شوال کو عید الفطر اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، اور عید الاضحیٰ ۱۰/ذی الحجہ کو اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان ایک دوسری سالانہ عبادت یعنی حج کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، دنیا بھر کے لاکھوں مسلمان میدانِ عرفات میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا کر کے اور خوش قسمت لوگ پروانۂ مغفرت پا کر ایک نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں، اور جو لوگ براہِ راست حج میں شریک نہیں ہوتے وہ رضائے الٰہی کی خاطر قربانی کی عبادت انجام دیتے ہیں۔

اسلامی تہوار کی خصوصیات:

اس حکمت بھرے نکتے میں اور اس سلسلے میں موجود کتاب اللہ وسنّت رسول اللہ کی ہدایات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلامی تہوار کی چند خصوصیات ہیں:

پہلی خصوصیت: یہ ہے کہ اسلام نے سالانہ عید اُن موقعوں سے وابستہ کی جو مسلمانوں کے حال سے متعلّق ہیں، اور جن کی تجدید ہر سال ہوتی ہے، جس میں یہ سبق دیا گیا کہ تمھیں اصل خوشی منانے کا حق اُن کاموں پر پہنچتا ہے جو تم نے خود فی الحال انجام دیے، محض ان کارناموں پر نہیں جو تمھارے آبا واجداد کر گذرے ہیں، ورنہ تمھیں یہ طعنہ سننا پڑے گا:

تھے وہ آبا تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

دوسری خصوصیت: فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنے مال کو اپنے غریب

بھائیوں کی مدد میں استعمال کرنا۔ چنانچہ عید الفطر کے موقع پر صاحب استطاعت مسلمان کا صدقۃ الفطر نیز عموماً رمضان میں صدقۂ نافلہ اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ پھر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے گوشت کا ایک حصّہ غربا اور ایک حصّہ اپنے رشتے داروں پر خرچ کرنا، نیز ان جانوروں کی کھال وغیرہ فروخت کر کے اس کی قیمت غربا پر خرچ کرنا اسی نیک مقصد کے تحت ہوتا ہے کہ ان غریبوں کو بھی خوشیوں میں شریک کیا جائے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عیدین میں غریب سے غریب گھرانہ بھی خوشی خوشی کھاتا پیتا، پہنتا اوڑھتا اور آسودہ نظر آتا ہے۔ یہ ہے اسلامی تہوار کی اصل حقیقت و خصوصیت کہ اس میں فضول خرچی کی تو کوئی جگہ نہیں، لیکن غریبوں کی اعانت و مدد اور خوشی کو ہر موقع پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تیسری خصوصیت: اس کا بنیادی و امتیازی وصف نظم و ڈسپلن اور تہذیب و شائستگی ہے۔ نہ جلوس، نہ ریلی، نہ پٹاخے، نہ آتش بازی، نہ دلوں کو دہلانے والا شور و ہنگامہ، نہ اشتعال انگیز نعرے، بلکہ شریعت کے حکم کے مطابق ہر مسلمان صبح سویرے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے گھر سے عید گاہ کی طرف نکلتا ہے، زبان پر ہلکے ہلکے بول جن میں نہ اپنی بڑائی، نہ کسی کی بُرائی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور حمد و ثنا کرتے ہوئے عید گاہ پہنچ کر دو رکعت نماز ادا کرتا ہے، پھر کیا امیر، کیا غریب، کیا زمین دار، کیا کاشتکار، کیا حاکم، کیا محکوم، سب نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور محبّت کا ایسا چراغ جلایا کہ اس کی روشنی نے سارے عالم اسلام کو روشن کر دیا، کتنی شائستگی ہے ان تہواروں میں۔

کاش! ہمارے برادرانِ وطن ہم سے تہوار منانے کا طریقہ سیکھتے! تو نہ ان کے

تہوار فتنوں کا ذریعہ بنتے، نہ تہواروں کے نام پر بے حیائی کے مناظر وجود میں آتے اور نہ دیوالی میں آتش بازی کی صورت میں لوگوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی جل کر خاکستر ہوتی۔

لیکن میرے بھائیو! دوسروں سے شکوہ وگلہ تو بعد کی بات ہے، کیا یہ ایک تلخ حقیقت نہیں ہے کہ خود ہم مسلمانوں نے اپنے دین اور اس کے شائستہ طور وطریق کو خیر باد کہہ کر غیروں کے غیر مہذب و ناشائستہ طریقے اختیار کر لیے ہیں؟ مقام فکر ہے کہ دوسری قومیں اپنے ناشائستہ طور وطریق پر شرمائیں اور ہم ان ہی طریقوں کو اپنا کر اپنے لیے وجہ افتخار تصوّر کریں۔

عید کا پیغام:

میرے بھائیو! اس نقطۂ نظر سے اسلامی عید ہم مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے حال واعمال کے پیشِ نظر کیا واقعی ہمیں خوشی منانے کا حق حاصل ہے؟ عید الفطر درحقیقت رمضان المبارک کے تربیتی کورس میں کامیابی کا ایک انعام ہے، اسی لیے حدیث میں اس کی رات کو "لَیْلَۃُ الْجَائِزَۃِ" یعنی انعام کی رات قرار دیا گیا ہے، لہٰذا عید کا یہ دن ہم سے یہ جائزہ لینے کا تقاضا کرتا ہے کہ کیا ہم نے رمضان المبارک میں اعمال واخلاق کے اس تربیتی کورس میں واقعی کامیابی حاصل کرلی ہے؟

عید کا یہ دن ہم سے اس بات کا محاسبہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے کہ کیا واقعی اللہ ربّ العزت کے ساتھ ہمارے تعلق میں کوئی اضافہ ہوا ہے؟ اور کیا ہم نے اپنے دل میں ضبطِ نفس اور عبادات میں محنت وکوشش کے جذبات، نیز حق تعالیٰ کی محبّت میں اپنی خواہشات کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا کیا ہے؟ اور کیا ہم نے آپس میں ملک وملّت کی فلاح وبہبودی اور کامیابی کے لیے متحد ہونے کا کوئی ارادہ وعزم کیا ہے؟ جس طرح آج

نمازِ عید کے وقت یکجا نظر آتے ہیں؟ کیوں کہ

بغض وکینہ لے کے دل میں جب ملے تو عید کیا؟
عید کے دن بھی نہ دِل سے ملے تو عید کیا؟

عیدین کے موقعوں پر اگر ہم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر انصاف کے ساتھ اپنا جائزہ لینے کے بعد ان سوالات کا، یا کم ازکم ان میں سے کچھ سوالات کا جواب اثبات اور ہاں میں پاتے ہیں تو واقعی ہمیں عید مبارک! یہ عید ہمارے لیے سعید اور اللہ تعالیٰ کی رضا و دید کا سبب ہوگی، پھر ہمیں حق ہوگا عید کی مسرّت اور خوشی منانے کا۔

اس لیے کہ یہ عیدین کی شکل میں ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، قرآن نے کہا:

﴿قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ۝۵۸﴾ [یونس : ۵۸]

فرما دیجیے! (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثت محمدی کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

یہ پیغام دیتی ہے آج مسلمانوں کو عید سعید
خدا کی خوشنودی ہی میں ہے حقیقی عید

اگر عیدین کا جائزہ لینے کے بعد ان سوالات کا جواب خدا نہ خواستہ نفی اور ''نہیں'' میں ملتا ہے، تو پھر عیدین کی خوشی ان لوگوں کو زیب نہیں دیتی جنھوں نے عید الفطر سے قبل احترامِ رمضان کو پامال کیا، مبارک وقت غفلت و معصیت میں گذارا، در حقیقت ان کے لیے عید کا موقع مسرّت کا نہیں، بلکہ عبرت کا ہے، آج ضرورت ہے کہ ہم عید کے موقع پر اپنا جائزہ لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنیٰ میں عید کی خوشیاں نصیب فرمائیں، اس کی بے شمار نعمتوں کی قدردانی نصیب فرمائیں، اتحاد و اتفاق کے اور ایثار و ہمدردی کے ان مواقع میں ہم تمام کو متحد و متفق فرمادیں، شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہمیں عید کی خوشیاں منانے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام کہی اور سنی گئی باتوں پر توفیق عمل سے نوازیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالمِينَ.

آسان دین Aasan Deen Media Services

رمضان المبارک کے بعد زندگی کیسی ہو؟

BAYAN QR CODE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ [الحجر : ٩٩]

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ [الأنعام : ١٦٠]

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ".[١]

تمہید:

قابل صد احترام میرے بھائیو اور بزرگو!

رمضان المبارک اپنی روحانی برکات کے ساتھ جلوہ فگن ہوا اور ہر جانب نورانیت کے جلوے بکھیر کر رخصت ہوا۔ اس کی آمد سے دل ودماغ میں روحانی چمک پیدا ہوئی، کشتِ تقویٰ کی آبیاری ہوئی، غریب اور نادار بھائیوں کی تنگدستی کا احساس ہوا، صدقہ وخیرات میں غیر معمولی اضافہ ہوا، مسلمانوں نے ایمان واحتساب کے ساتھ روزوں اور قیام اللیل کا اہتمام کیا۔ تلاوتِ قرآن کی کثرت کے ساتھ اس کے معانی ومفاہیم پر تدبر وتفکر اور اس کے پیغام کو سمجھنے پر بھی وقت لگایا اور نیکی وبھلائی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی اور روزے کے تین بڑے مقاصد تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اظہار تشکر کے حصول کا جذبہ دلوں

(١) صحيح مسلم / كتاب الصيام / باب استحباب صوم ستة أيام من شوال، الرقم : ١١٦٤.

میں پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

تو اب ہمیں اس بات کی پوری کوشش کرنی ہے کہ رمضان کے بعد بھی ہماری یہی حالت بنی رہے، بلکہ ہماری روحانی پرواز اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں مزید اضافہ ہو۔ جس کے لیے چند اہم اور ضروری امور پر ہمیں کاربند رہنا ہوگا، ان کے متعلّق اس مجلس میں ہم گفتگو کریں گے۔

کثرتِ عبادت سے دھوکہ نہ کھائیں:

رحمتوں اور برکتوں کا یہ حصول، ماہِ مقدّس کی عبادات، صدقہ وخیرات، ذکر واذکار اور تلاوتِ قرآن ہمیں دھوکے میں نہ ڈال دے، شیطان انسان کو اس کے اعمال کے حوالے سے وسوسے اور دھوکے میں ڈال سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اے انسان! تم نے بڑی بڑی عبادات اور کارہائے خیر کو انجام دیا ہے، رمضان کی ایک مہینے کی عبادت سے تمھارے پاس نیکیوں کا پہاڑ اور اجر وثواب کا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، اب اس کے بعد تمھیں نیکیوں کی ضرورت نہیں، اور یہ بات انسان کو فخر وغرور اور گھمنڈ وتکبّر میں مبتلا کر سکتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دِن بندہ اپنے بڑے سے بڑے عمل کو بھی کم اور چھوٹا محسوس کرے گا اور اس بات کی تمنّا کرے گا کہ کاش کہ میں کچھ اور زیادہ عمل کر لیتا، انسان اپنے اعمال وعبادات سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنّت میں داخل ہوگا، اعمال دخولِ جنّت کی قیمت یا بدل نہیں بلکہ دخولِ جنّت کے اسباب میں سے ہیں، ورنہ ہم جنّت میں صرف نیک اعمال کے ذریعے ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے داخل ہو سکتے ہیں۔ رمضان المبارک میں ہم نے روزہ، تراویح، تلاوتِ قرآن، صدقہ وخیرات اور دعا واستغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا جو قرب حاصل کیا ہے اور ان

تمام اعمال سے ہمارے اندرون میں روحانیت کی جو قوت پیدا ہوئی ہے اُسے برقرار رکھنے کے لیے اور اس میں دِن بہ دِن اضافے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ رمضان المبارک کے بعد بھی ہم اعمالِ صالحہ کا اہتمام جاری رکھیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے رہیں۔

اعمالِ صالحہ پر استقامت:

اعمالِ صالحہ پر استقامت اصل چیز ہے، ہمارے بہت سے بھائی جوش میں آکر رمضان المبارک میں تو بہت نیکیاں کر لیتے ہیں، لیکن اس پر ہمیشگی اختیار نہیں کرتے، جب کہ مؤمن کامل کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کا خوگر ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لَا يَكُوْنُ لِعَمَلِ الْمُؤْمِنِ أَجَلٌ دُوْنَ الْمَوْتِ".(۱)

کہ مؤمن بندے کے نیک عمل کرنے کے لیے کوئی آخری وقت نہیں ہے سوائے موت کے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر:۹۹] ”اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔“

اس آیت کریمہ میں ”یقین“ سے مُراد موت ہے، اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرتے دم تک عبادت و بندگی کا حکم ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشے بخشائے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا رمضان میں نیکیاں کر لینا سال بھر کے لیے کافی ہے، اب ہمیں آئندہ رمضان تک نماز پڑھنے کی، قرآن مجید کی تلاوت کرنے، ذکر واذکار کرنے

(۱) دروس للشيخ عبد الرحمٰن السديس / وداعا رمضان / الاستمرار على العبادة حتى الموت.

اور روزہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ تصوّر سراسر غلط اور غیر اسلامی تصوّر ہے۔

استقامت کی اہمیت اس حدیث پاک سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتلا دیجیے (کہ جس میں ساری باتیں آجائیں) کہ آپ کے بعد مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ".[1] یعنی کلمۂ توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اس پر ڈٹ جاؤ، ثابت قدم ہو جاؤ۔ اپنی زبان سے "اٰمَنْتُ بِاللهِ" کہہ کر جب ایمان قبول کر لیا تو اب تمھاری ذمّے داری ہے کہ ایمان کے مطالبات کو پورا کرو، ایمان کے تقاضوں کی تکمیل کرو اور ایمانی صفات اختیار کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، جن بھلے کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجالاؤ اور جن کاموں سے روکا ہے ان سے رُک جاؤ اور باز رہو، اللہ تعالیٰ کے حکموں کا خیال رکھو، تب تو تم دین اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی اختیار کرنے والے سمجھے جاؤ گے، ورنہ صرف ''رمضانی'' مسلمان کہے جاؤ گے، ''ربّانی'' نہیں۔

اس حدیث میں ایک مسلمان کو ایمان لانے کے بعد طاعت کے کاموں اور نیکیوں پر گامزن رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رمضان میں ہم نے خیر کے کاموں پر استقامت کا مظاہرہ کیا اسی طرح سال کے باقی تمام مہینوں میں بھی ہمیں طاعات پر استقامت اختیار کرنی چاہیے۔

عید کے بعد معمولات:

عید کے بعد ہم اپنے روز وشب کس طرح گذاریں؟ جس طرح ہم رمضان

(۱) صحیح مسلم / کتاب الإیمان / باب جامع أوصاف الإسلام / الرقم : ۳۸.

المبارک میں پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ تلاوتِ قرآن کریم کا اہتمام کرتے تھے اور اس مہینے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کرتے تھے، اسی طرح راتوں کو نوافل سے آباد کرتے تھے تو ربّ العالمین سے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ وہ ان تمام عبادتوں پر ہمیں استقامت عطا فرمائیں۔ خود قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا اپنے بندوں کو سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ⑧﴾ [آل عمران: ٨]

''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔''

اور اللہ ربّ العزت نے جتنی عبادت کی توفیق بخشی اس پر اس کا شکر ادا کریں، اس پر تکبّر اور غرور نہیں ہونا چاہیے، بہت سے سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ عبادت جس سے انسان غرور و تکبّر میں مبتلا ہو جائے اس سے وہ گناہ بہتر ہے جسے کرنے کے بعد انسان کو پشیمانی لاحق ہو۔

بلکہ ہمیں خوف لاحق رہنا چاہیے کہ یہ عبادتیں ربّ العالمین کے دربار میں شرفِ قبولیت پا سکیں گی یا نہیں؟ چنانچہ مؤمنین مقبولین کی حالت تو وہ ہوتی ہے جو اللہ ربّ العزت نے قرآنِ پاک میں بیان فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ⑥⓪﴾ [المؤمنون:٦٠]

''اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا کچھ) دیتے ہیں جتنا وہ دے سکتے ہیں

اور (اس کے باوجود) ان کے دل خائف رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔'' (کہیں یہ نامقبول نہ ہوجائے)

عبادت کی قبولیت کا معیار:

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ'' اگر دیکھنا ہو کہ کسی کی رمضان المبارک کی عبادت قبول ہوئی ہے یا نہیں؟ تو اس کے رمضان کے بعد والے اعمال دیکھو، اگر رمضان کے بعد بھی نیک اعمال پر اس کی استقامت اسی طرح باقی ہے جیسے ماہِ رمضان میں تھی تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی رمضان میں کی جانے والی عبادتوں اور طاعتوں کو قبول فرمالیا، جس کی وجہ سے اسے ان اعمال کو تسلسل کے ساتھ باقی رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور جس کو دیکھو کہ رمضان کے بعد اس کے اعمال میں بالکل فرق آگیا ہے، وہ راہِ ہدایت سے بھٹک کر پھر اسی راہ کا راہی ہوگیا جس پر وہ ماہِ رمضان المبارک سے پہلے گامزن تھا تو سمجھ لو کہ اس کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہے، جن کے متعلّق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ". (۱)

''کہ کتنے ہی ایسے روزے دار ہیں جن کے نصیب میں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ہے، کتنے ہی ایسے رات میں قیام کرنے والے ہیں جن کے نصیب میں سوائے رات جاگنے کے کچھ نہیں۔''

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الصيام / باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، الرقم : ۱۶۰۹.

اسی طرح مشہور محدث علّامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ کوئی نیک کام کر کے فارغ ہو تو اس نیک کام کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ اُسے مزید نیکی کی توفیق ہوگی، اور نیک کام اگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں رد کر دیا جائے تو اس کی علامت یہ ہے کہ وہ بندہ اس نیکی کے بعد معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔(۱)

چنانچہ ہم دیکھتے تھے کہ رمضان مبارک میں مسجدیں تنگ ہو جاتی ہیں، مسجد کے اندر تو کُجا، خارجِ مسجد بھی جگہ مشکل سے ہی مل پاتی ہے، کتنے ایسے لوگ تھے، لیکن افسوس کہ رمضان کیا گیا کہ ان کی یہ عبادتیں بھی ہوا ہو گئیں، اور اب بھول کر بھی ان کے قدم مسجدوں کی طرف نہیں اٹھتے، گویا یہ سب ایک ہوا کا جھونکا ہی تھا۔

کیا یاد کر کے روؤں کہ کیسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا، ہوا تھی، کہانی تھی، خواب تھا

نوافل کی اہمیت:

میرے بھائیو! بندہ مؤمن کی عبدیت کی معراج یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی رضا کا طلب گار رہتا ہے اور اس کے لیے ہر وہ جتن کرتا ہے جس سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہے، مؤمن بندہ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل سے بھی اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بزبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منقول ہے:

"وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا،

(۱) لطائف المعارف لابن رجب / وظائف شوال / المجلس الأول في صيام رمضان، ص: ۲۲٤.

وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ". (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ ''میرا بندہ جن عبادات کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا ہے ان سب میں سے مجھے وہ عبادات زیادہ پسند ہیں جو میں نے اپنے بندے پر فرض کی ہیں۔ (فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ) میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے مجھ سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبّت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں تو پھر اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے۔ (یعنی اس کے اَعضا پھر میری مَنشا کے مطابق ہی کام کرتے ہیں اور خاص توفیق الٰہی نصیب ہوجاتی ہے) اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔''

بندۂ مومن نے رمضان المبارک میں فرض روزے رکھے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ روزے کا دروازہ آئندہ رمضان تک کے لیے بند کردے گا، ایسا بالکل نہیں، مؤمن نفلی روزوں کی اہمیت کی وجہ سے اس عبادت کو سارا سال قائم رکھتا ہے، نفلی روزے کا ثواب اور اس کی اہمیت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

"مَنْ صَامَ يَوْمًا تَطَوُّعًا لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهِ أَحَدٌ، لَمْ يَرْضَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ لَهُ بِثَوَابٍ دُوْنَ الْجَنَّةِ". (۲)

''جو بندہ ایک دِن نفل روزہ رکھے جس کی (اللہ تعالیٰ کے سوا) کسی کو خبر نہ ہو تو

---

(۱) صحيح البخاري / كتاب الرقاق / باب التواضع، الرقم: ۶۵۰۲.

(۲) كنز العمال / حرف الميم / الرقم: ۲۴۶۴۰.

اللہ تعالیٰ اُسے ثواب میں جنّت عطا فرمائیں گے۔''

شوّال کے چھ روزے:

میرے بھائیو! ابھی شوّال المکرّم کا مہینہ چل رہا ہے، ماہِ شوّال کے چھ روزوں کی بڑی اہمیت ہے، اس سے اللہ تعالیٰ ایک سال مکمّل روزہ رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے خطبے کے بعد پیش کیا گیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے، پھر شوّال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھے۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ [الأنعام: ١٦٠]

''جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے (بطورِ اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔''

اس قانونِ الٰہی کے مطابق ایک ماہ کے روزے دس ماہ کے برابر اور چھ دِن کے روزے دو ماہ کے برابر، تو یہ کل بارہ ماہ یعنی پورے سال کے برابر ہوئے۔ یاد رہے کہ یہ روزے شوّال کے پورے مہینے میں ایک ساتھ بھی اور وقفے وقفے سے بھی رکھے جاسکتے ہیں، کیوں کہ حدیث پاک میں ایک ساتھ رکھنے یا مہینے کی ابتدا میں رکھنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ عید کے دِن روزہ نہ رکھے، اس لیے کہ یہ مکروہ ہے۔

پیر اور جمعرات کا روزہ:

میرے بھائیو! شوّال کے چھ روزوں کے علاوہ نفل روزوں میں پیر اور جمعرات کے روزوں کی بھی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ".(۱)

کہ ”ہر پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں پیش ہوں۔“

ایامِ بیض کے روزے:

ان کے علاوہ نفل روزوں میں ایامِ بیض کے روزوں کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ ”ایامِ بیض“ یعنی ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ۔ چوں کہ ان دِنوں کی راتیں چاندنی کے شباب کی وجہ سے روشن ہوتی ہیں اس لیے ان کو ایامِ بیض کہا جاتا ہے، ان دِنوں کے روزوں کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، فَذٰلِكَ صَوْمُ الدَّهْرِ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِهِ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام:١٦٠] فَالْيَوْمُ بِعَشْرَةِ أَيَّامٍ".(۲)

”جس نے ہر مہینے میں تین دِن کے روزے رکھے اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق قرآن مجید میں اتاری کہ ”جو کوئی ایک نیکی کرے اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا ایک دِن کا روزہ دس روزوں کے برابر ہے۔“

---

(۱) سنن الترمذي / أبواب الصوم / باب ما جاء في صوم يوم الاثنين والخميس، الرقم : ٧٤٧.

(۲) سنن ابن ماجه / كتاب الصيام / باب ما جاء في صيام ثلاثة أيام من كل شهر، الرقم : ١٧٠٨.

نفلی صدقہ وخیرات:

عزیزانِ گرامی! جس طرح نوافل میں نفل روزوں کی اہمیت ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے اسی طرح صدقاتِ نافلہ و خیرات کے بھی بہت سارے فضائل کتاب وسنّت میں وارد ہوئے ہیں۔

بندۂ مؤمن رمضان میں زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کرتا ہے اور اس ماہِ مبارک میں اپنی داد ودہش اور سخاوت و فیاضی سے غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی دست گیری کرتا ہے، ننگوں، بھوکوں، پیاسوں اور بیماروں ومحتاجوں کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ عام دِنوں میں بھی جاری رہے اس کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ ایک اہم فریضہ ہے، جس سے غفلت برتنے پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں گرفت ہوسکتی ہے، چنانچہ ایک حدیث قدسی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: "يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَعُودُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ يَا ابْنَ آدَمَ! اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي؟ يَا ابْنَ آدَمَ! اسْتَسْقَيْتُكَ، فَلَمْ تَسْقِنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَسْقِيكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي". (۱)

(۱) صحيح مسلم / كتاب البر والصلة والآداب / باب فضل عيادة المريض، الرقم: ۲۵۶۹.

''قیامت کے دِن ایک بندے کو ربّ العالمین اپنی بارگاہ میں طلب کرے گا اور اس سے کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار تھا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں؟ جب کہ تو ربّ العالمین ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو نے اس کی عیادت کی ہوتی تو اس کے پاس تو مجھے ضرور پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ بندہ کہے گا: میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں جب کہ تو دونوں جہانوں کا پالنہار ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، اگر تو نے اسے کھلایا ہوتا تو اس کا ثواب آج ضرور میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے پانی نہیں پلایا؟ بندہ کہے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے پلا سکتا ہوں جب کہ تو ربّ العالمین ہے؟ تو اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے اسے نہیں پلایا، اگر تو نے اس کو پلایا ہوتا تو اس کا ثواب ضرور میرے پاس پاتا۔''

میرے بھائیو! اس حدیث پاک میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ خود اللہ ربّ العالمین یہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے! تو نے میری عیادت نہیں کی، مجھے کھلایا پلایا نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ کبھی بیمار ہوتا ہے اور نہ اُسے بھوک اور پیاس لگتی ہے، وہ ذات تو ان تمام حوائج بشریہ (انسانی ضرورتوں) سے پاک ہے، پھر بھی مؤمن بندے سے ان جملوں کے ذریعے جو خطاب ہوگا وہ اس لیے کہ اس نے صدقاتِ نافلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

راہِ خیر میں خرچ کرنا خواہ صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ کی شکل میں ہو، یا صدقاتِ نافلہ ہوں، دونوں میں دِل کھول کر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کی صفت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳﴾ [البقرة : ۳]

(متقی بندے وہ ہیں) ''جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں۔''

نیز متقی بندوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴﴾ [آل عمران : ۱۳۳ - ۱۳٤]

''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنّت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگذر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبّت فرماتا ہے۔''

نمازِ تہجد کی عادت:

محترم دوستو اور بزرگو! ایک سچا اور پکا بندۂ مؤمن رمضان المبارک میں تو

تراویح، نوافل اور تہجد وغیرہ کی پابندی کرتا ہی ہے، لیکن اس کی یہ پابندی صرف ماہِ رمضان تک ہی محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ استقامت کے ساتھ پورے سال رات کے پُرسکون اوقات میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی نظر میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمیشہ گردِش کرتا رہتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾﴾ [الفرقان : ٦٤]

''اور (رحمان کے بندے) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لیے سجدہ و قیام کی حالت میں راتیں بسر کرتے ہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن مقبول بندوں کے اوصافِ کمال شمار کروائے ہیں جن کو خود اپنی جانب نسبت کرتے ہوئے ''عباد الرحمٰن'' یعنی اللہ کے بندے کہا گیا ہے، ان ہی اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا کہ یہ اللہ کے بندے رات کے وقت تہجد کے پابند ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تہجد گزاری اور شب بیداری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادتِ مبارکہ رہی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، فَإِنَّهُ دَأَبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَإِنَّ قِيَامَ اللَّيْلِ قُرْبَةٌ إِلَى اللهِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الإِثْمِ، وَتَكْفِيرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الجَسَدِ". (١)

''تم ہمیشہ رات کی نماز اپنے اوپر لازم کرلو، اس لیے کہ یہ تم سے پہلے گذرے

---

(١) سنن الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، الرقم : ٣٥٤٩.

ہوئے نیک لوگوں کی عادت رہی ہے، یہ تمھارے رب کی قربت کا ذریعہ ہے، اور گناہوں سے روکنے والی ہے، اور بدی اور بُرائیوں کو مٹانے والی ہے، نیز جسم سے بیماری کو دور کرنے کا سبب ہے۔"

اس روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ تہجد بے شمار دینی فوائد کی حامل تو ہے ہی، مزید برآں اس میں دُنیوی فوائد بھی ہیں کہ اس پر مداومت کی وجہ سے بیماریاں انسان سے دور رہتی ہیں۔

نیز نمازِ تہجد جنّت میں لے جانے والا آسان راستہ ہے، فرمانِ نبوی ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُونَ الجَنَّةَ بِسَلَامٍ". (۱)

"لوگو! سلام کو رواج دو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، اور جس وقت عام لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو، اس سے تم سلامتی کے ساتھ جنّت میں چلے جاؤ گے۔"

میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ مؤمن متقی کو رات کی نماز کے بغیر چین وسکون نہیں ملتا، جب تک وہ رات میں اٹھ کر رب کے دربار میں آنسو نہ بہالے اور پروردگارِ عالم سے راز ونیاز نہ کرلے اُسے اطمینان نہیں رہتا۔

خلاصہ:

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ہم نے جس طرح اپنے آپ کو خیر اور بھلائی کے کاموں کا عادی بنایا ہے اسی عادت پر پوری استقامت کے ساتھ سال بھر کے لیے مداومت اختیار کرنی ہے، ہمیں صرف رمضانی مسلمان نہیں بننا ہے، بلکہ

(۱) سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، الرقم : ٢٤٨٥.

ربّانی مسلمان بننا ہے، رمضان المبارک جو ایک مؤمن بندے کے لیے پورے سال کی عملی مشق وٹریننگ کورس کی طرح ہے، اس کا حقیقی اور مکمّل فائدہ ہمیں اسی وقت ہوگا جب ہم رمضان المبارک والی عادت نفل روزوں کی شکل میں، تراویح کی عادت نمازِ تہجد کی شکل میں اور ادائے زکوٰۃ کو صدقاتِ نافلہ کی شکل میں سال بھر برقرار رکھیں گے، ان اعمال کی وجہ سے ہمیں سال بھر وہی روحانی تازگی محسوس ہوگی جو رمضان المبارک میں محسوس ہوتی ہے۔

اللہ ربّ العزت ہم تمام مسلمانوں کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، ہمیں رمضان المبارک کے بعد بھی سال بھر کے لیے اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرمائیں اور اعمالِ صالحہ پر استقامت ومداومت نصیب فرمائیں۔

آمین یاربّ العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِیْنَ.

مراجع ومصادر

اس تالیف میں درجِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین
۱	قرآن مجید	
	کتبِ تفسیر	
۲	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل ابن کثیرؒ
۳	معالم التنزیل (تفسیر بغوی)	حسین بن مسعود بغویؒ
۴	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	محمد بن احمد قرطبیؒ
۵	التفسیر الکبیر	ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ
۶	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	عبدالحق بن غالب اندلسیؒ
۷	معارف القرآن	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانیؒ
۸	گلدستۂ تفاسیر	حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب
۹	تفسیر ماجدی	حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ
	کتبِ حدیث	
۱۰	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۱۱	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ

۱۲	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
۱۳	سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائیؒ
۱۴	سنن الترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
۱۵	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینیؒ
۱۶	مؤطا امام مالک	مالک بن انس المدنیؒ
۱۷	صحیح ابن خزیمہ	محمد بن اسحاق النیسابوریؒ
۱۸	مسند الامام الشافعی	محمد بن ادریس الشافعیؒ
۱۹	مسند احمد	اِمام احمد بن محمد شیبانیؒ
۲۰	مسند الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ
۲۱	مسند البزار	احمد بن عمرو البزارؒ
۲۲	کشف الاستارعن زوائد البزار	علی بن ابی بکر الہیثمیؒ
۲۳	المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ	احمد بن علی العسقلانیؒ
۲۴	مسند الشہاب	محمد بن سلامہ المصریؒ
۲۵	المصنف لابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد الکوفیؒ
۲۶	الترغیب والترہیب	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ
۲۷	الاذکار للنووی	یحییٰ بن شرف النوویؒ
۲۸	مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ تبریزیؒ
۲۹	السنن الکبریٰ للبیہقی	احمد بن حسین بیہقیؒ

۳۰	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانیؒ
۳۱	شعب الایمان	احمد بن حسین بیہقیؒ
۳۲	مصنَّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ
۳۳	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بغدادیؒ
۳۴	کنز العمال	علی بن حسام الدین متقیؒ
۳۵	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن محمد معروف بہ ابن سنیؒ

شروحِ حدیث

۳۶	فتح الباری	احمد بن علی العسقلانیؒ
۳۷	عمدۃ القاری	محمود بن احمد العینیؒ
۳۸	تحفۃ الاحوذی	محمد بن عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ
۳۹	تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد پالن پوریؒ
۴۰	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	عبیداللہ بن محمد مبارک پوریؒ
۴۱	الرفیق الفصیح لمشکاۃ المصابیح	علّامہ رفیق احمد
۴۱	تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج	احمد بن محمد ہیتمیؒ
۴۳	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ

کتبِ فقہ وفتاویٰ

۴۴	الفتاوی الہندیہ (فتاوی عالم گیری)	جماعت علما بہ سرپرستی نظام الدین بلخیؒ

۴۵	ردالمحتار (فتاویٰ شامی)	علاء الدین محمد ابن عابدین شامیؒ
۴۶	بدائع الصنائع	ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ
۴۷	فتح القدیر	محمد بن عبدالواحدؒ
۴۸	فتاویٰ النووی	یحییٰ بن شرف النوویؒ
۴۹	الفقہ الاسلامی وادلتہ	وَہبہ بن مصطفیٰ الزحیلی
۵۰	مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار شرنبلالیؒ
۵۱	القواعد الفقہیہ وتطبیقاتہا......	محمد مصطفیٰ الزحیلی
۵۲	فتاویٰ اسلامیہ	محمد بن عبدالعزیز المسند
۵۳	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرّحیم لاجپوریؒ
۵۴	فتاویٰ عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۵۵	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵۶	کتاب المسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری
۵۷	اسلام اور جدید معاشی مسائل	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۵۸	احکامِ اعتکاف	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۵۹	زکوٰۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا	مفتی انعام الحق قاسمی
۶۰	آپ کے مسائل اور اُن کا حل	مولانا یوسف لُدھیانوی شہیدؒ
۶۱	فتاویٰ فلاحیہ	مفتی احمد بن ابراہیم بیمات
۶۲	فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

۶۳	محمود الفتاویٰ	مفتی احمد صاحب خانپوری
۶۴	فتاویٰ قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی
۶۵	امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۶۶	کتاب النوازل	مفتی محمد سلمان منصور پوری
	متفرقات	
۶۷	البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقیؒ
۶۸	المفردات فی غریب القرآن	حسین بن محمد اصفہانیؒ
۶۹	الغنیۃ لطالبی طریق الحق عزّ وجل	عبد القادر بن موسیٰ جیلانیؒ
۷۰	لطائف المعارف	عبد الرحمٰن بن احمد بغدادیؒ
۷۱	نزہۃ المجالس	عبد الرحمٰن بن عبد السلام صفوریؒ
۷۲	دروس للشیخ سفر الحوالی	سفر بن عبد الرحمٰن الحوالی
۷۳	دروس للشیخ عبد الرحمٰن السدیس	عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سُدَیِّس
۷۴	دروس وخطب	علی بن عبد الخالق القرنی
۷۵	موسوعۃ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ	نوال عبد العزیز العید
۷۶	حلیۃ طالب العلم	بکر بن عبد اللہؒ
۷۷	الاختیار لتعلیل المختار	عبد اللہ بن محمود موصلیؒ
۷۸	الامثال المولّدہ	محمد بن عباس خوارزمیؒ
۷۹	دیوان ابن المعتز	عبد اللہ بن محمد ابن المعتزؒ

۸۰	گلستانِ سعدی	مصلح الدین بن عبداللہ شیرازیؒ
۸۱	بوستانِ سعدی	مصلح الدین بن عبداللہ شیرازیؒ
۸۲	مواہب ربّانیہ	مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
۸۳	سیلابِ مغفرت	مولانا اِمداداللہ انور
۸۴	کتابوں کی درسگاہ میں	مولانا ابن الحسن عباسیؒ
۸۵	فضائل اعمال	مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
۸۶	نماز کے اسرار ورُموز	مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی

آسان دین
Aasan Deen
Digital Services

"آسان دین" چینل کا مختصر تعارف

اِس یوٹیوب چینل پر وقت کے اَہم اور ضروری عنوانات پر علمی و تحقیقی مضامین جامع و عام فہم انداز میں پیش کیے جاتے ہیں، نوجوان نسل کے بہت سے ضروری مسائل نہایت متوازن اُسلوب میں بیان ہوتے ہیں، نیز مختلف مواقع سے متعلق مسائل، فضائل، وظائف اور اصلاحی بیانات نشر کیے جاتے ہیں۔

نوٹ: اس کیو آر کوڈ کے ذریعے آپ چینل کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

AASAN DEEN

CHANNEL QR CODE

نوٹ: اس کیو آر کوڈ کے ذریعے آپ تمام پندرہ تقاریر چینل پر سن سکتے ہیں:

15 BAYAN

PLAY LIST QR CODE

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر

آسان دین

Aasan Deen

Media Services

ADMS

اس جلد کے مضامین

AASAN DEEN

CHANNEL QR CODE

YouTube

AASANDEEN

15 BAYAN

PLAY LIST QR CODE